مدیر اعلیٰ	:	سردار محمود
مدیر	:	سردار طاہر محمود
نائب مدیران	:	تسنیم طاہر
		ارم طارق
		ربیعہ شہزاد
		عاصمہ راشد
مدیرہ خصوصی	:	فوزیہ شفیق
قانونی مشیر	:	سردار طارق محمود (ایڈووکیٹ)
آرٹ اینڈ ڈیزائن	:	کاشف گوریجہ
اشتہارات	:	خالدہ جیلانی 0300-2447249
برائے لاہور	:	افراز علی دانش 0300-4214400

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! مئی **2015** کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

آج کل یمن میں پھیلی شورش نے پوری قوم کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ حرم کی پاسبانی ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے۔ لیکن ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں کفار ہمیں آپسی اختلافات اور خانہ جنگی میں نہ الجھا دیں۔ گزشتہ دنوں کراہم فکر سابق صدر سی آئی اے نے اپنے ایک تجزیہ میں کہا ہے کہ اسرائیل کے لیے کیا یہ خوش آئند بات نہیں ہے کہ مسلم ممالک ایک دوسرے کے خلاف جنگ کے لیے صف آرا ہو جائیں اور اس سے مسلم دنیا امریکہ سے بھی کوئی انتقام لے سکے گی اور اسرائیل سے بھی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایران کو عراق میں داعش کے خلاف مدد دے کر پھنسا دیا اور سعودی عرب کو یمن میں الجھا دیا، جہاں ایران حوثی باغیوں کی مدد کر رہا ہے۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو دونوں ملکوں کے درمیان مصالحت کروا سکتا ہے اور پاکستان کی پارلیمنٹ نے درست فیصلہ کیا تھا مگر سعودی عرب جو ہمارا انتہائی با اعتماد دوست ہے اس کو اس وقت تنہا بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اس وقت انتہائی تدبر کی ضرورت ہے۔ ہم نے قرارداد تو پاس کر دی مگر اس کی تشریح کرنے کے لیے اعلیٰ سفارتکاری کی ضرورت ہے تاکہ عرب ممالک میں ہمارے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں ان کو دور کیا جا سکے۔

<u>دعائے مغفرت:</u>۔ 10 مئی کو میرے چھوٹے بھائی محمود ریاض کی برسی ہے۔ انہیں ہم سے بچھڑے چودہ برس ہو چکے ہیں مگر ہماری یادوں میں وہ آج بھی زندہ ہیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

<u>اس شمارے میں:</u>۔ سحرش بانو، روبینہ سعید اور ہما عامر کے مکمل ناول، فرحت شوکت اور نائلہ طارق کے ناولٹ، فرزانہ حبیب، عمارہ امداد، اُم اقصیٰ، تمثیلہ زاہد، سونیا چوہدری اور میمہ اکمل کے افسانے، سدرۃ المنتہیٰ اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

جب نظر کے سامنے روضہ کا منظر آئے گا
خود بخود میری زباں پہ ذکرِ سرورؐ آئے گا

دیکھنا ہے سایہ احمدؐ تو دیکھو عرش پر
آسماں کا سایہ آخر کیوں زمیں پر آئے گا

مجھ کو نسبت ہے محمدؐ سے نہیں دنیا کا خوف
مجھ سے ٹکرائی تو گردش کو بھی چکر آئے گا

تیرگی کو کاٹ دے گی جنبشِ نوکِ قلم
روشنی کے ہاتھ میں کرنوں کا خنجر آئے گا

آنکھ میں بھر لوں گا میں تو شربتِ دیدار کو
جام بھرنے جب میرا ساقیٔ کوثر آئے گا

میں ہوں مداحِ نبیؐ ممکن نہیں مجھ کو زوال
دیکھنا کس اوج پہ میرا مقدر آئے گا

جس کے دل میں آئے گا کوکبؔ محمدؐ کا خیال
بخت کی تاریکیوں میں مثلِ خاور آئے گا

نعت رسول مقبول ﷺ

اندھیرے چیر کر ان میں اجالا تو ہی کرتا ہے
ہر ایسا کام اے اللہ تعالیٰ تو ہی کرتا ہے

بسا اوقات ہم مایوس ہو جاتے ہیں گھبرا کر
پھر ایسے وقت میں مشکل کو ٹالا تو ہی کرتا ہے

ہمارے دل اندھیروں میں بھٹک جاتے ہیں گھبرا کر
تو ان سے دور گمراہی کا اجالا تو ہی کرتا ہے

مسلماں ہوں اگر کمزور اور کفار طاقت ور
تو اعدا کے دلوں میں رعب ڈالا تو ہی کرتا ہے

زمیں پر گل شگفتہ آسماں پہ نجم رخشندہ
ہے یہ کام تیرے کرنے والا تو ہی کرتا ہے

جو تو چاہے تو پتھر میں بھی کیڑے کو غذا بخشے
یہ ایسا کام انوکھا اور نرالا تو ہی کرتا ہے

بڑی اور اس جیسے کروڑوں ہی بشر ہوں گے
بچا کر جن کو گرنے سے سنبھالا تو ہی کرتا ہے

سیدہ اختر ناز

بشریت کاملہ

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات عالی صفات تمام اخلاق و خصائل، صفات جمال میں اعلا و اشرف اور اقویٰ ہے، ان تمام کمالات اور محاسن کا احاطہ کرنا اور بیان کرنا انسانی قدرت و طاقت سے باہر ہے کیونکہ وہ تمام کمالات جن کا عالم امکان میں تصور ممکن ہے، سب کے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہیں، تمام انبیاء مرسلین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفتاب کمال کے چاند اور انوار جمال کے مظہر میں فللہ الحمد رب العلمین (اللہ خالق ہی کے لئے تمام خوبیاں ہیں) وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ قدر حسنہ وجمالہ وکمالہ وبارک وسلم۔

(مدارج النبوۃ)

امتیاز خصوصی

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ کتاب "تہذیب" میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخلاق و عادات کی تمام خوبیاں اور کمالات اور اعلا صفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی میں جمع فرمادی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علوم سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان تھے، بہرہ ور فرمایا تھا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معلم تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے علوم عطا فرمائے گئے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں کسی اور کو نہیں دیئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کائنات ارضی (زمین) کے خزانوں کو کنجیاں پیش کی گئیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیوی مال و متاع کے بدلے ہمیشہ آخرت کو ترجیح دی، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم و حکمت کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، سب سے زیادہ محترم سب سے زیادہ منصف، سب سے زیادہ حلیم و بردبار، سب سے زیادہ پاک دامن و عفیف اور لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے اور لوگوں کی ایذا رسانی پر سب سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والے تھے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(وسائل الوصول الی شمائل الرسول)

بخاری و مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، بہادر اور فیاض تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں میں سب سے اشرف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں سب سے زیادہ اعتدال تھا اور جس میں یہ اوصاف ہوں تو اس کا ہر فعل بہترین، افعال کا نمونہ ہوگا، وہ تمام لوگوں میں حسین ترین صورت والا ہوگا اور اس کا خلق اعلا ترین اخلاق کا، سیرتی کے حامل تھے اور سب سے زیادہ کریم، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر جود و سخا والے تھے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تسلیما کثیرا کثیرا۔

صورت زیبا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔
(مدارج النبوۃ، از کتاب الشفاء)

ہند بن ابی ہالہؓ سے روایت ہے۔
''دیکھنے والوں کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور عظیم، بزرگ اور دبدبہ والا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ ایسا چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طیب وعطیب ہونا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے۔
''میں نے کوئی عنبر اور کوئی مشک اور کوئی خوشبودار چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہرگز نہیں دیکھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی اور جب بھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی راستے سے گزرتے اور کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں، یہ خوشبو بغیر خوشبو لگائے ہوئے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک میں تھی، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً۔
(نشر الطیب)

بس گئی ہے فضا میں نکہت حسن
وہ جہاں بھی جدھر سے گزرے ہیں
(عارفی)

خلق عظیم

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریم میں مکارم اخلاق، محامد صفات اور ان کی کثرت وقوت اور عظمت کے لحاظ سے قرآن کریم میں مدح وثنا فرمائی ہے اور ارشاد ہے۔
انک لعلیٰ خلقٍ عظیم۔
(بلاشبہ آپ بڑے ہی صاحب اخلاق ہیں۔)
اور فرمایا۔
کان فضل اللہ علیک عظیما۔
(آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے)۔
اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔
(یعنی مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے)۔
اور ایک روایت میں ہے۔
لاکمل محاسن الافعال۔
(یعنی اچھے کاموں کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔)
اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ذات مقدس میں تمام محاسن ومکارم اخلاق جمع تھے اور کیوں نہ ہوں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معلم حق تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔
سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمہ کے بارے میں آپ سے

دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا۔

کان خلقہ القرآن

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا)۔

اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآن کریم میں اخلاق و صفات محمودہ مذکور ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسب سے متصف تھے۔

کتاب الشفاء میں قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ مزید ذکر فرماتے ہیں، (کہ نیز یہ بھی ہے)

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی قرآن کی خوشنودی کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا امر الٰہی کی بجا آوری میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی حکم الٰہی کی خلاف ورزی میں اور ارتکاب معاصی میں تھی۔''

اور عوارف المعارف میں مذکور ہے کہ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مراد یہ تھی کہ قرآن کریم ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہذب اخلاق تھا، یعنی خلقہ القرآن کے یہی معنی و مطلب ہیں۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ کسی کا فہم اور کسی کا قیاس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کی حقیقت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال کی کنہ عظیم تک نہیں پہنچ سکتا اور بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں پہچان سکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند کما حقہ، کوئی نہیں پہچان سکتا۔

لایعلم تاویلہ الا اللہ اس کی تاویل بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

(حضرت [illegible] الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز مدارج [illegible])

[illegible] عفو

حضور اکرم [illegible] علیہ وآلہ وسلم کے صبر، بردباری اور درگزر کرنے کی صفات، نبوت کی عظیم ترین صفتوں میں سے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اپنے ذاتی معاملہ اور مال و دولت کے سلسلہ میں کسی سے انتقام نہیں لیا، مگر اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیا تو اس سے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بدلہ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے زیادہ اشد و سخت صبر غزوہ احد میں تھا کہ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ و مقابلہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید ترین رنج و الم پہنچایا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر نہ صرف صبر و عفو پر ہی اکتفا فرمایا بلکہ ان پر شفقت و رحم فرماتے ہوئے ان کو اس ظلم و جہل میں معذور گردانا اور فرمایا۔

اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔

(یعنی اے اللہ میری قوم کو راہ راست پر لا کیونکہ وہ جانتے نہیں۔)

اور ایک روایت میں ہے، اللھم اغفرلھم (اے اللہ! انہیں معاف فرما دے) اور جب صحابہ کو بہت شاق گزرا تو کہنے لگے۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کاش ان پر بددعا فرماتے کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں لعنت کے لے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ میں حق کی دعوت اور جہان کے لئے رحمت ہو کر مبعوث ہوا ہوں۔''

(الشفاء مدارج النبوۃ)

[illegible] و استقامت

حضرت [illegible] اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ [illegible] اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا

گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا اور ایک مرتبہ تیس رات دن مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلالؓ کے لئے کھانے کو کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے جو بلالؓ نے اپنی بغل کے اندر چھپا رکھا تھا۔"

(معارف الحدیث، شمائل ترمذی)

واقعہ طائف

حضور رحمتہ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید کی تبلیغ کے لئے حضرت زید بن حارث کو ساتھ لئے ہوئے پاپیادہ طائف پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت فرمائی، جس سے وہ سب برافروختہ ہو کر درپے آزاد ہو گئے، وہاں کے سرداروں نے اپنے علاقوں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا، وہ لوگ وعظ کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لہو میں تر بہ تر ہو جاتے، خون بہہ بہہ کر نعلین مبارک میں جم جاتا اور وضو کے لئے پاؤں جوتے سے نکالنا مشکل ہو جاتے۔

ایک مرتبہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخیں ماریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہو گئے۔

اسی مقام پر ایک مرتبہ وعظ فرماتے ہوئے خدا کے محبوب [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی چوٹیں آئیں [illegible] آپ صلی اللہ [illegible] وسلم بے ہوش ہو کر [illegible] حضرت زید [illegible] نے اپنی [illegible] آپ [illegible] پانی کے چھینٹے [illegible] سے ہوش آیا [illegible]

وآلہ وسلم)۔

اس سفر میں تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج و صدمہ کے وقت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت سے لبریز تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا مانگی اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے اللہ! میں اپنی بے بسی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی تحقیر اور بے سروسامانی کی فریاد تجھ ہی سے کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین اے درماندہ ناتوانوں کے مالک تو ہی میرا رب ہے، اے میرے آقا! تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے، بیگانوں کے جو ترش رو ہوں گے یا دشمن کے جو نیک و بد پر قابو رکھے گا، لیکن جب تو مجھ سے ناخوش نہیں ہے تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے، کیونکہ تیری عافیت اور بخشش میرے لئے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات پاک کے نور کی پناہ چاہتا ہوں، جس سے آسمان روشن ہوئے اور جس سے تاریکیاں دور ہوئیں اور دنیا و آخرت کے کام ٹھیک ہوئے، تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر غضب نازل کرے یا تیری ناخوشی مجھ پر وارد ہو اور تجھ کو منانا ہے، حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور تیری مدد اور تائید کے بغیر کسی کو کوئی قدرت نہیں۔"

(طبری: ج ۲ ص ۸۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔

"میں ان لوگوں کی تباہی کے لئے کیوں دعا کروں، اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا [illegible] کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور اللہ واحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔"

(عن عائشہؓ، صحیح مسلم، کتاب رحمتہ

للعلمین)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عفو وکرم

کفار مکہ اکتیس سال تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں کو ستاتے رہے، ظلم وستم کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا، جو انہوں نے خدائے واحد کے پرستاروں پر نہ آزمایا، حتی کہ وہ گھربار اور وطن تک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، لیکن جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے بدترین دشمن مکمل طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحم وکرم پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد سب کو خاک وخون میں ملا سکتا تھا، لیکن ہوا کیا۔

ان تمام جباران قریش سے جو خوف اور ندامت سے سر نیچے ڈالے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔"

انہوں نے دبی زبان سے جواب دیا۔

"اے صادق، اے امین، تم ہمارے شریف بھائی اور شریف برادرزادے ہو، ہم نے تمہیں ہمیشہ رحمدل پایا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا۔

"تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(کتاب الشفاء ابن ہشام)

فطرت سلیمہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام احوال و اقوال و افعال میں کبائر سے اور محققین کے نزدیک صغائر سے بھی معصوم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کی وعدہ خلافی یا حق سے اعراض کا صدور ممکن ہی نہ تھا نہ قصداً نہ سہواً نہ صحت میں نہ مرض میں، نہ واقعی مراد لینے میں نہ خوش طبعی میں، نہ خوشی میں نہ غضب میں۔

(نشر الطیب)

ایفائے عہد

جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل تھی اور مسلمانوں کو ایک ایک آدمی کی اشد ضرورت تھی، حذیفہ بن الیمانؓ اور ابو حسیلؓ دو صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم مکہ سے آرہے ہیں، راستے میں کفار نے ہم کو گرفتار کرلیا گیا تھا اور اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم لڑائی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ دیں گے، لیکن یہ مجبوری کا عہد تھا، ہم ضرور کافروں کے خلاف لڑیں گے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہرگز نہیں، تم اپنا وعدہ پورا کرو اور لڑائی کے میدان سے واپس چلے جاؤ، ہم (مسلمان) ہر حال میں وعدہ پورا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔"

(صحیح مسلم باب الوفا بالعہد ص ۸۹ ج دوم ۱۰۶ ج ۲)

☆☆☆

داخلے جاری ہیں

ابن انشاء

پرسوں ایک صاحب تشریف لائے۔

ہے رند سے زاہد کی ملاقات پرانی

پہلے بریلی کو بانس بھیجا کرتے تھے، یہ کاروبار کسی وجہ سے نہ چلا تو کوئلوں کی دلالی کرنے لگے، چونکہ صورت ان کی محاورے کے عین مصداق تھی، ہمارا خیال تھا، اس کاروبار میں سرخ رو ہوں گے، لیکن آخری بار ملے تو معلوم ہوا نرسری کھول رکھی ہے، پودے اور کھاد بیچتے ہیں، پھولوں کے علاوہ سبزیوں کے بیج بھی ان کے ہاں سے بارعایت مل سکتے ہیں۔

آتے ہی کہنے لگے۔

''دس روپے ہوں گے؟'' ہم نے نہ دینے کی بجائے سوچتے ہوئے استفسار کیا۔

''کیا ضرورت آن پڑی؟''

فرمایا۔

''اپن ادبی ذوق کے آدمی ہیں، اپن سے اب گھاس نہیں کھودی جاتی، کھاد اور پود نہیں بیچی جاتی، اب ہم ایسا کام کرنا چاہتے ہیں جس سے ہم قوم کی خدمت بھی ہو۔''

ہم نے کہا۔

''دس روپے میں اسکول کھولیے گا؟''

بہت ہنسے اور بولے۔

''اچھی رہی، بھلا دس روپے میں بھی اسکول کھولا جا سکتا ہے، دس روپے میرے پاس بھی تو ہیں، دیکھیے سیدھا حساب ہے، ایک دس روپے میں تو بورڈ لکھوایا جائے گا، بورڈ کیا کپڑے پہ نام لکھوانا ہی کافی ہوگا اور دوسرے دس روپے سے جو آپ بھجوا دیں گے، میں شہر کی دیواروں، پلیوں، بس اسٹینڈوں وغیرہ کے چہرے پر کالک پھیروں گا، یعنی اپنا اشتہار لکھواؤں گا کہ اے عقل کے اندھو، گانٹھ کے پورو! آؤ کہ داخلے جاری ہیں۔''

ہم نے کہا۔

''یہ جو تم لوگوں کے لیے بیتے گھروں کی دیواروں کو کالی کوچی پھیر کر خراب کرو گے، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے تمہیں؟ کارپوریشن نہیں روکتی، پولیس نہیں ٹوکتی؟''

بولے۔

''پہلے یہ لوگ ملاوٹ کو تو روک لیں، عطائیوں اور گداگروں کو تو ٹوک لیں، شہر سے گندگی کے ڈھیر تو اٹھوا لیں، کتے تو پکڑوا لیں اور مچھروں مکھیوں کے منہ تو آ لیں۔''

ہم نے کہا۔

''آپ بھی بچے ہیں، ان لوگوں کی مصروفیت کا ہمیں خیال ہی نہ رہا تھا، اچھا اگر یونین کمیٹیوں کو خیال آ گیا کہ ان کا محلہ اجلا ہونا چاہیے۔''

ٹھٹھا مار کر بولے۔

''یونین کمیٹیاں؟ یہ کون لوگ ہوتے ہیں، کیا کام کرتے ہیں؟''

ہم نے کھسیانے ہو کر پوچھا۔

''آپ کے پاس اسکول کے لئے عمارت بھی ہے، خاصی جگہ درکار ہوتی ہے، آپ کا گھر تو جہاں تک ہمیں معلوم ہے 133 گز پر ہے۔''

فرمایا۔
''وہ ساتھ والا پلاٹ خالی ہے نا، جس میں ایک زمانے میں بھینسیں بندھا کرتی تھیں، لے کر اس پر ٹین کی چادریں ڈلوائیں گے، فی الحال تو اس کی بھی ضرورت نہیں، گرمیوں کے دن ہیں، اوپن ایئر ٹھیک رہے گا۔''
ہم نے کہا۔
''آپ کی بات کچھ ہمارے جی نہیں لگتی، بارشیں آنے والی ہیں، ان میں اسکول بہہ گیا تو.....؟''
سوچ کر بولے۔
''ہاں یہ تو ہے، جگہ تو اپنی نرسری کے سائبان میں بھی ہے بلکہ اسکول کھولنے کا خیال ہی اس لیے آیا کہ کئی والدین نرسری کا بورڈ دیکھ کر آئے اور کہنے لگے، ہمارے بچوں کو اپنی نرسری میں داخل کرلو، بڑی مشکل سے سمجھایا کہ یہ وہ نرسری نہیں بلکہ پھولوں پودوں والی نرسری ہے، یہیں داخل کرلو ہمارے بچوں کو، کم از کم مالی کا کام سیکھ جائیں گے۔''
ہم نے کہا۔
''کس درجے تک تعلیم ہوگی؟''
فرمایا۔
''میٹرک تک تو ہونی چاہیے، اس کے ساتھ کے جی اور منٹگمری اور نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے۔''
فرمایا۔
''مانٹو سوری سے مطلب ہے غالباً۔''
فرمایا۔
''ہاں ہاں مانٹو سوری، میرے منہ سے ہمیشہ منٹگمری ہی نکلتا ہے۔''
''پڑھائے گا کون؟'' ہم نے دریافت کیا۔
بولے۔
''میں جو ہوں اور کون پڑھائے گا، اب مشق چھوٹی ہوئی ہے ورنہ مڈل تو بندے نے بھی اچھے نمبروں سے پاس کر رکھا ہے، اے بی سی تو اب بھی پوری آتی ہے، سناؤں آپ کو؟ اے بی سی ڈی ای......''
ہم نے کہا۔
''نہیں، اس کی ضرورت نہیں آپ کی اہلیت میں کسے شک ہے؟ لیکن آپ تو پرنسپل ہوں گے پھر آپ کی دوسری مصروفیات بھی ہیں یہ پھول پودے کا کاروبار بھی خاصا نفع بخش ہے، یہ بھی جاری رہنا چاہیے۔''
بولے۔
''ہاں یہ تو ٹھیک ہے، خیر ساٹھ ستر روپے میں کوئی بی اے، ایم اے پاس ماسٹر یا ماسٹرنی رکھ لیں گے، جب تک چاہا کام لیا، چھٹیاں آئیں نکال باہر کیا، بلکہ ہمارے اسکول میں تو تین کے بجائے چھ ماہ کی چھٹیاں ہوا کریں گی، تاکہ بچوں کی صحت پر پڑھائی کا برا اثر نہ پڑے۔''
''نام کیا رکھا ہے اسکول کا؟'' ہم نے پوچھا۔
''مدرسہ تعلیم الاسلام، اقبال ہائی اسکول وغیرہ۔''
بولے۔
''جی نہیں، نام تو انگریزی چاہیے، فس کلاس قسم کا ہو جس سے معلوم ہو کہ ابھی ابھی انگریز نے آکر کھولا ہے، کسی سینٹ کا نام تو اب خالی نہیں، سینٹ جوزف، سینٹ پیٹرک، سینٹ یہ، سینٹ وہ سب ختم ہوئے۔''
ہم نے کہا۔
''سینٹ سائمن ٹمپلر ہو سکتا ہے۔'' غور کرکے کہنے لگے۔
''نہیں، ہمارے اسکول میں جاسوسی کی تعلیم

نہیں دی جائے گی۔"

"پھر آکسفورڈ کیمبرج وغیرہ کے نام پر رکھیے۔"

فرمایا۔

"یہ بھی بہت ہو لئے بلکہ لٹل فوکس اور چلڈرن ہوم اور گرین وڈ وغیرہ بھی کئی ایک ہیں، میرا ارادہ بمبئی انگلش اسکول نام رکھنے کا تھا، لیکن وہ بھی کسی نے رکھ لیا، آج سارے ناظم آباد کی پلیوں پر یہی لکھا دیکھا۔"

اس پر ہمارے ذہن میں ایک نکتہ آیا ہم نے کہا۔

"بمبئی ڈمبئی دو بھائی تھے، بھائی نہیں تھے تو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تو تھے ہی آپ نہلے پہ دہلا ماریے، ڈمبئی انگلش اسکول نام رکھیے اس میں بچت بھی ہے، نیا اشتہار لکھوانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔"

"وہ کیسے؟" ازراہ اشتیاق پوچھنے لگے۔

ہم نے کہا۔

"پینٹر سے کہیے کہ رات کو کوچی لے کر نکلے بمبئی کی "ب" پر کوچی پھیرتا جائے اور اسے "ڈ" بناتا جائے، سفیدی برائے نام خرچ ہوگی، دو تین روپے سے زیادہ نہ دیجیے گا پینٹر کو۔"

یوں اسکول کھل گیا اور یوں اسکول کھلے رہے ہیں، جس کا لکڑیوں کا ٹال نہ چلا، اس نے اسکول کھول لیا اور جس کی نرسری کے پودے نہ بکے اس نے بھی اسکول کھول لیا، اسکول بڑھتے جاتے ہیں، تعلیم گھٹتی جاتی ہے، خیر اس میں نقصان بھی کچھ نہیں، آج تک کسی کا تعلیم سے کچھ بنا بھی ہے؟

ہم نے بی اے کیا، کلرک بنے
وہ مڈل فیل تھے وزیر ہوئے

☆☆☆

☆☆☆

نایاب جیلانی

تیسری قسط کا خلاصہ

پلوشہ امام فرید کی چاہ میں پھپھو کے گھر تک چلی آتی ہے جہاں پلوشہ اسے بتاتی ہیں کہ امام اپنے آفیشل ٹور پر گیا ہے۔

اسامہ کو منگورہ کے آس پاس کے علاقے سے ایک مجسمہ ملتا ہے، اسامہ اس خوشی میں پل پر سے گزرتے ہوئے اس کا ٹکراؤ مورے کی بیٹی عشیہ سے ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اسامہ کے ہاتھ سے وہ تاریخی مجسمہ اور عشیہ کے ہاتھ سے دوائیوں کا نسخہ دریا میں گر جاتا ہے۔

احسان منزل میں نشرہ کی ایک بار پھر شامت آئی جب تائی نے فروٹ چوری کا الزام نشرہ پر لگایا اور مار پیٹ کی، ولید یہ تمام مناظر دیکھ کر حیران ہوتا ہے اور پھر تمام بات سن کر وہ تائی کو لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتا ہے جہاں تائی صائمہ کا بیٹا نومی دوستوں کے ساتھ بیٹھا فروٹ کھا رہا ہوتا ہے۔

ولید وکٹری کا نشان بناتا نشرہ کی طرف دیکھتا ہے، نشرہ کو تشکر بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے وہ مسکرا دیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چوتھی قسط

ہفتہ وار صفائی بھی اس گھر میں مسئلہ کشمیر سے کم نہیں تھی۔

اتوار کا بس ایک ہی دن ہوا کرتا تھا، جو عرف عام میں تعطیل لے کر آتا، اس اتوار کے دن کا طلوع ہونا کوئی خوشگوار واقعہ نہیں تھا، نشرہ کا بس چلتا تو ہفتے کا یہ آخری دن تمام دنوں سے نکال کر کہیں دور چھپا آتی۔

کیونکہ یہ ایسا بیکار، فضول اور عذاب ناک دن تھا جس میں نشرہ کی صبح سویرے ہی اوپر، نیچے سے کھینچا تانی شروع ہو جاتی تھی۔

چاچی اور تائی دونوں کی خواہش ہوتی تھی نشرہ پہلے ان کے پورشن کی صفائی کر دیا کرے۔

اس بات پہ دونوں کی لڑائی بھی ہو جاتی، چاچی اور تائی دونوں ہی سوا سیر تھیں، ہار ایک بھی نہ مانتی، سو نشرہ نے اس لڑائی کا یہ حل نکالا تھا کہ وہ ایک کام نیچے والوں کا کرتی ایک اوپر والوں کا، جیسے اوپر برتن دھو آتی اور نیچے پورشن کی جھاڑ پھونک کر لیتی، اسی طرح اوپر ہانڈی بناتی، نیچے روٹی پکاتی، یعنی صفائی کے معاملے میں بچنے کی کوئی راہ نکلتی نہیں تھی۔

اتوار کے دن دونوں پورشنز کی تفصیلی صفائی ہوتی تھی، سو نشرہ کا پورا دن کام کرتے گزر جاتا، وہ گھن چکر کی طرح اوپر جاتی کبھی نیچے بھاگتی، یہ پر مشقت پریڈ کام سے زیادہ اسے تھکا ڈالتی تھی۔

ولید نے ایک اتوار تو اس ''منظر'' کو نظر انداز کیا، دوسرے اتوار وہ حیران ہوا، تیسرے اتوار شوق اور سوچ میں پڑ گیا اس پریڈ کا مقصد جانے اور چوتھے اتوار تو جیسے وہ پھٹ ہی پڑا۔

اسے نشرہ پہ ترس تو آتا ہی تھا دونوں مامیوں کی بے حسی پہ تاؤ بھی آیا اور ان دونوں کی ''دختران'' پہ افسوس ہوا، جو صرف حکم چلانا تو جانتی تھیں لیکن اٹھ کر اپنے ہاتھ سے کام کرنا گوارا نہیں تھا۔

ولید ناشتے کے بعد جوگنگ کے لیے اٹھا تب نشرہ منہ دھوئے بنا اوپر بھاگ رہی تھی، نیند سے اس کی آنکھیں بند تھیں، چہرہ پژمردہ تھا، بالوں میں کنگھی کرنے کا شاید وقت نہیں ملا تھا اور کچی نیند نے اس پہ سستی مندی طاری کر رکھی تھی، وہ ڈولتے قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی جب ولید پسینے میں تر بتر سیڑھیاں چڑھتا ہوا اس کے پیچھے آیا، کچھ لمحے قبل وہ جاگنگ سے لوٹا تھا اور جالی دار دروازہ کھول کے اندر آیا تھا اور اب وہ نشرہ کا رستہ بلاک کر کے کھڑا تھا، نشرہ جو نیند میں ڈول رہی تھی سمجھ میں نہ آنا ہوئی، آدھی کھلی، آدھی بند آنکھوں کو خوب رگڑ رگڑ کر دیکھا تھا، وہ اس کے تخیل نہیں، حقیقت تھا، نشرہ بڑبڑائی۔

''یہ کیا بد تمیزی ہے ... راستہ تو چھوڑو۔'' یہ کہا انداز برہم تھا، نشرہ سمجھی نہیں، تاہم وہ اس طرح اپنا رستہ روکے جانے پہ ناراض ضرور ہوئی تھی۔

''آپ کا مطلب؟'' اس کی خفگی میں کہیں ڈر بھی چھپا تھا، تائی نے اسے ولید سے ہم کلام دیکھ لیا تو بلا وجہ درگت بننے کا خطرہ تھا، سو وہ حتی الامکان محتاط ہی رہتا پسند کرتی تھی۔

''میں سمجھا نہیں۔'' ولید نرمی سے بولا، وہ بہت کچھ خوب سمجھ بھی رہا تھا، جان بھی رہا تھا۔

''آپ میرا راستہ بلاک کیے کھڑے ہیں۔'' نشرہ کا انداز جتانے والا تھا، ولید نے آنکھیں

سیڑ کر اسے دیکھا، وہ حقیقت میں نیند سے اٹھ کر آئی تھی، سو جیسی بھی بات کرتی ولید اس کی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔

"ایسا نہیں۔" وہ اور بھی نرم ہوا۔

"تم عالیہ مامی کے پورشن کی سیڑھیاں چڑھنے کی بجائے غلط لوکیشن پہ آ گئی ہو، یہ گیسٹ روم کو جاتی سیڑھیاں ہیں اور گیسٹ روم میں آج کل میرا قیام ہے، اسی لئے تو کہہ رہا ہوں، تم حالت نیند میں ہو گیا؟ ایسی بات ہے تو جاؤ آرام کرو، اپنی نیند پوری لو۔" ولید ملائمت سے بغیر جتلائے کہہ رہا تھا، نشرہ کی نیند جیسے بھک سے اڑ گئی، آنکھیں بھی پوری کھل گئی تھیں جیسے ان میں نیند کا شائبہ تک نہ ہو، جب اس نے گردن گھما کر دوسری طرف دیکھا تو ولید کی بات پہ یقین آ گیا، اچانک ہی اس پہ شرمندگی حملہ آور ہوئی، اس کا دل چاہا، وہ الٹے قدموں واپس مڑے اور اندر کہیں غائب ہو جائے، ولید اس کے تاثرات بغور جانچ رہا تھا۔

"نشرہ! تم رات کو بھی دیر سے سوتی ہو، اتنی سویرے نہ اٹھا کرو۔" اس کی شرمندگی مٹانے کے لئے ولید نے نرمی سے کہا، نشرہ کے اندر دور تک تلخی بھر گئی تھی۔

"آپ مجھے ہمیشہ کی نیند سلانا چاہتے ہیں؟" نشرہ کے الفاظ بہت تیکھے تھے، ولید کو اچنبھا ہوا۔

"میں ایسا کیوں چاہوں گا۔"

"مشورہ تو اسی قسم کا دے رہے ہیں۔" وہ جتلا کر بولی تھی، ولید لمحوں میں اس کی تلخی کا پس منظر سمجھ گیا۔

"جیسے اس گھر کے لوگوں سے تو واقف نہیں۔" اس نے بات مکمل کی تھی، ولید کچھ دیر کے لئے سوچ میں گم ہوا، پھر نرمی سے نشرہ کو سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اپنے حق کے لئے خاموش ہونا ناانصافی ہے، تم بھی ایک انسان ہو، اپنے موڈ کی تابع رہا کرو، نہیں دل چاہ رہا تو صاف انکار کر دو، خود پہ جبر کیوں کرتی ہو؟ یہ تو سراسر تمہارا خود پہ ظلم ہے، یہ لوگ تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔" وہ اتنے عرصے سے نشرہ کو یہ بات سمجھانا چاہ رہا تھا اور مناسب موقع کی تلاش میں تھا، سو آج موقع مناسب تو نہیں تھا پھر بھی ولید کو یہی بہتر لگا، اس کے مشورے پہ نشرہ کی سرخ آنکھیں کچھ اور سرخ ہو گئی تھیں، تلخی کا عنصر کچھ اور بڑھ گیا۔

"آپ نے زبردستی دیکھی ہی کہاں ہے؟ خیر یہ بحث فضول ہے میں اس میں پڑنا نہیں چاہتی، آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔" اس نے اچانک قصہ ہی ختم کر دیا تھا، ولید کو پہلی مرتبہ برا لگا۔

"نشرہ! یہ مناسب نہیں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"کیا مناسب نہیں؟" نشرہ سمجھ کر بھی انجان بنی۔

"یہی خاموشی۔" اس نے یک لفظی الفاظ میں اسے بہت کچھ باور کروا دیا تھا، نہ بھی کرواتا تو نشرہ سب سمجھتی تھی، وہ اپنی پھپھو کے اس اکلوتے فرزند کو کیا بتاتی؟ وہ ایسے حالات سے نہیں گزرا تھا، سو کچھ بھی سمجھ نہیں سکتا تھا، وہ پانی میں اترے بغیر اس کی گہرائی کا اندازہ کیسے کر سکتا تھا؟ آگ کو چھوئے بغیر اس کی گرمائش کی تیزی محسوس کیسے کی جا سکتی تھی، ولید بہت کچھ سمجھ کر بھی قطعی طور پہ

انجان تھا۔

"آپ کے لئے کہنا آسان ہے کیونکہ آپ ان حالات سے نہیں گزرے جن سے میں گزر رہی ہوں۔" نشرہ نے دل میں کہا۔

"اور یہ کہ تم اپنا خیال بھی رکھا کرو، تمہیں اپنی اہمیت خود واضح کرنی ہے، دوسروں سے توقع مت رکھو۔" وہ ملائمت سے بولا تھا پھر کندھے پہ رکھا تاول کھینچ کر چہرہ پونچھنے لگا۔

جاگنگ کے بعد اسے جوس چاہیے ہوتا تھا جو کہ عینی کی ذمہ داری میں شامل تھا، گو کہ عینی خود تردد نہیں کرتی تھی، جوس عموماً تائی بنا کر رکھ دیتی تھیں پھر عینی کو ہزار منتوں کے بعد اٹھا کر بمشکل ولید کے کمرے میں بھیجتیں، یہ کام کرنا بھی عینی کے بس کا روگ نہیں تھا۔

ولید نے اسے جھومتے جھامتے نیند میں ڈولتے جوس کا جگ لاتے دیکھ کر تیسری مرتبہ خود ہی منع کر دیا تھا، وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا، اس گھر میں سوائے نشرہ کے کوئی بھی سحر خیز نہیں تھا۔

اور اس وقت نشرہ ولید کی باتوں کو ایک طرف رکھ کر جلدی سے اپنی سیف لوکیشن یعنی کہ دوسری طرف سیڑھیوں پہ آ گئی تھی، پھر جب وہ اپنی دھن میں اوپر آئی تب حمرہ تجلی کمرے کا پٹ تیزی سے بند کر کے دور ہٹی تھی، پھر بھی نشرہ نے اسے نیچے جھانکتے دیکھ لیا تھا اور وہ لمحوں میں سمجھ گئی تھی کہ حمرہ نے اسے ولید کے پاس کھڑے دیکھ لیا ہے، اس سوچ نے نشرہ کا اوپر کا سانس اوپر ہی کھینچ لیا تھا۔

"بہت دیر سے آئی ہو؟ کیا آج آنکھ دیر سے کھلی؟" وہ بڑی چالاکی سے جتلا رہی تھی، اس کے انداز میں گہرا طنز تھا، نشرہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جواب دے؟ کیونکہ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ اس نے نشرہ کو ولید کے ساتھ دیکھ لیا ہے، وہ بھی گیسٹ روم کی طرف جاتی سیڑھیوں پہ۔

"نہیں تو۔" اسے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"پھر دیر سے کیوں آئی۔" وہ بھی حمرہ تھی، اپنے نام کی ایک ہی، اس کے منہ سے اگلوانا چاہتی تھی، نشرہ تذبذب میں جتلا ہو گئی، گو کہ نشرہ جانتی تھی اس نے ولید کے پاس اسے کھڑا دیکھ لیا ہے، اب جان کے بال کی کھال اتار رہی تھی۔

"چاچی کہاں ہیں؟" نشرہ نے بات پلٹنا چاہی۔

"چاچی بھی یہیں ہیں، پہلے تم بتاؤ ولید سے کیسے مذاکرات چل رہے تھے؟" حمرہ کے لہجے میں عجیب سی چبھن تھی، کیونکہ ولید عینی اور نشرہ سے تو ہم کلام ہو جاتا تھا تاہم حمرہ کو اتنی بھی امپورٹنس نہیں دیتا تھا، وہ اندرونی طور پر ان دونوں سے جلتی تھی۔

"کچھ نہیں۔" نشرہ نے لب بھینچ کر کہا۔

"اب جھوٹ تو نہ بولو، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" حمرہ تلملائی۔

"جب دیکھ لیا ہے تو پوچھتی کیا ہو؟" وہ چڑ کر رہ گئی تھی۔

"پھر بھی...... کوئی نہ کوئی بات تو ہوئی ہو گی۔" اس کے انداز میں کرید تھی، وہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی، کیونکہ حمرہ اتنی آسانی سے ٹلنے والی نہیں تھی۔

"ہاں ہوئی تو ہے۔" کچھ سوچ کر نشرہ نے اثبات میں سر ہلایا، حمرہ کا تجسس قابل دید ہو گیا

تھا۔

''کیا؟'' وہ بے تابی سے بولی۔

''ولید عینی کی برائیاں کر رہا تھا۔'' اس نے حمرہ کی آنکھوں میں جھوٹ بول کر ستارے بھر دیئے تھے، وہ طنز سمجھے بغیر نشرہ کا ہاتھ تھام کر سرعت سے چیخی۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' اس کی بے چینی کا کوئی انت نہیں تھا نشرہ نے مسکراہٹ لبوں میں روکی۔

''کہہ رہا تھا عینی بہت ذہین ہے اور خوبصورت بھی۔'' اس کے جواب نے حمرہ کو بے حد بدمزہ کیا تھا۔

''یہ برائی ہے یا تعریف؟'' حمرہ کو اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔

''اللہ جانے۔'' وہ معصومیت سے گویا ہوئی۔

''اس نے کہا حمرہ کچھ کھسکی ہوئی ہے۔''

''ہونہہ، انتہائی ڈفر ہو تم۔'' حمرہ نے دانت پیسے۔

''اب دفع ہو، امی بلا رہی ہیں تمہیں۔'' وہ ناک بھوں چڑھا کر زہر خند ہوئی تھی، جیسے حمرہ کے لئے ولید نے جو الفاظ بولے تھے وہ اسے آگ بگولا کر گئے تھے، ولید نے ایسے الفاظ بولے تھے؟ اسے یقین نہیں آ رہا تھا، یا پھر اسے ولید سے ایسی توقع نہیں تھی، اوپر سے نشرہ کے سامنے بے عزتی بھی ہو چکی تھی۔

نشرہ جان چھوٹنے پر سکون کا سانس لیتی چاچی کی عدالت میں حاضر ہو گئی تھی، اب چاچی کی لمبی تفتیش بھی بھگتنا تھی، کیونکہ وہ مطلوبہ وقت سے بہت لیٹ ہو چکی تھی، چاچی سزا کے طور پر غیر ضروری کاموں کا بوجھ بھی لاد سکتی تھیں، عموماً ایسا ہی ہوا کرتا تھا جب بھی چاچی کو نشرہ پہ غصہ آتا، وہ شیڈول کے مطابق کاموں کی فہرست میں غیر ضروری اضافہ کر دیتی تھیں۔

اس وقت بھی بستر میں محو استراحت چاچی نشرہ کو دیکھ کر بیخ پا ہو گئیں، ان کا ٹی ٹائم نکل رہا تھا کیونکہ وہ منہ اندھیرے چائے کے چسکے کا شکار تھیں، حمرہ اور ثنا سے تو کوئی توقع نہیں تھی، نہ ان پہ رعب چلتا تھا ہاں نشرہ پہ ضرور عتاب گرا لیتی تھیں، اب بھی عینک لگا کر سیدھے ہوتے ہوئے طنز کی پٹاری کھول لی۔

''نیچے والوں سے مل گئی فرصت؟''

''ابھی تو ان کے کچن میں جھانکا نہیں، ابھی تک اندھیرے میں ڈوب رہا ہے کچن۔'' نشرہ نے مری مری آواز میں بتایا۔

''کیوں وہ مہارانی ولید کے لئے جوس بنا کر پیش کرنے نہیں گئی؟'' چاچی کے منہ میں کڑواہٹ سی گھل گئی تھی۔

''نہیں۔'' نشرہ نے مختصر جواب دیا تھا، چاچی سخت بدمزہ ہو گئی تھیں، ایک تو یہ نشرہ کبھی بھی نیچے سے رپورٹ اٹھا کر نہیں لاتی تھی، کن سوئیاں لینے کے لئے انہیں خود ہی تردد کرنا پڑتا تھا۔

''اچھا، اب چائے بنا لاؤ، سر درد سے پھٹ رہا ہے اور ثنا حلوہ پوری کی فرمائش کر رہی تھی، تمہارے چاچا کی زبان بھی چسکہ مانگتی ہے۔'' چاچی نے بڑے سکون سے فرمائشی لسٹ پکڑا کر نشرہ

کے حواس گم کر دیئے تھے۔

وہ مرے مرے قدموں سے سر ہلا کر باہر نکل آئی، اعصاب ایکدم کشیدہ ہو گئے تھے، جیسے منوں بوجھ لد گیا ہو، اس نے پہلے چاچی کو چائے بنا کر دی تھی پھر کمر کس کے میدان میں کود آئی، انکار کی تو جرأت نہیں تھی، سو حلوہ پوری کا بھاری بھر کم ناشتہ بنا کر پورے دو گھنٹوں کی محنت کے بعد نیچے اتری تو کمر تھک کر تختہ ہو چکی تھی، نیچے آنے کے فوراً بعد تائی نے نومی کا کمرہ صاف کرنے کے لئے بھیج دیا تھا نشرہ پہ ایک دم تھکن سوار ہو گئی تھی۔

نومی کی موجودگی میں اس کا کمرہ صاف کرنا ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے برابر تھا، ایک تو وہ نشرہ کو دیکھ کر اپنی اوقات پہ آ جاتا تھا، اوپر سے ایسے بے سرے گانے سناتا کہ اس کا سر درد سے پھٹ پڑتا تھا، اس کی بے ہودہ گوئی بھی برداشت کرنا بڑا محال تھا۔

وہ گہرا سانس کھینچتی نومی کے کمرے میں آ گئی تھی، اس کا کمرہ ہمیشہ کی طرح گند اور بو سے اٹا ہوا تھا، ہر دس دن بعد اس کمرے کی صفائی ہوتی تھی کیونکہ ڈیلی صفائی کے نومی خود بھی خلاف تھا۔

جب وہ اندھیرے میں گم نومی کے کمرے میں آئی تب سنسان کمرے نے اس کا استقبال کیا، نومی کمرے میں کہیں نہیں تھا، اس کے سر سے بھاری بوجھ ہٹ گیا، وہ جیسے ہی صفائی میں جتی تھی تب ہی عینی نے دروازے میں جھانک کر کہا۔

''نومی کے محل سرے کو سنوارنے کی ضرورت نہیں، وہ تو سنو فال دیکھنے مری گیا ہے، ہفتہ بعد ہی آئے گا، تم جلدی سے ناشتہ بنا دو اور چیز آملیٹ لازمی بنانا، ولید شوق سے کھاتا ہے۔'' وہ حکم نامہ سنا کر باہر نکل گئی تھی، نشرہ نے ڈسٹر، جھاڑو، پوچا پھینک کر گہرا سانس کھینچا، اس کے کندھوں سے منوں بوجھ اتر گیا تھا۔

''اوف خس کم جہاں پاک۔'' نومی کی غیر موجودگی نشرہ کو ایسے ہی پرسکون کر دیتی تھی، وہ مطمئن سی ہو کر ہاتھ دھونے چلی گئی، اگلے بہت سے دن سکون سے گزرنے والے تھے، اس بات کا نشرہ کو یقین تھا۔

☆☆☆

پستول کی ٹھنڈی نال شانزے کی کنپٹی سے ٹکرائی تو بے ساختہ اس کی چیخ نکل گئی تھی، اس کے ہاتھ سے تمام شاپنگ بیگ پھسلتے چلے گئے تھے، وہ خوف کے عالم میں سامنے کھڑے جوان کو دیکھ رہی تھی، جو اپنے ظاہری حلیے سے بہت اسمارٹ اور خوش لباس لگ رہا تھا، لیکن اس کے ہاتھ میں دبے چمکتے پستول کو دیکھ کر شانزے سمجھ گئی تھی کہ وہ بھی بدقسمتی کے ساتھ سٹریٹ کرمنلو کا شکار ہونے والی ہے، کنپٹی پہ پستول رکھنے والے کے لئے ٹریگر دبانے میں کیا قباحت تھی؟ خوف اسے پستول دیکھ کر یا اپنے مر جانے کے ڈر سے نہیں حواس باختہ کر رہا تھا، بلکہ اس کے خوف اور تحیر کا سبب کچھ اور تھا۔

وہ تو سامنے کھڑے جوان کو دیکھ کر دہشت زدہ رہ گئی تھی، کیونکہ وہ جوان وہی تھا جس سے شانزے بیکری میں ٹکرائی تھی، وہی جوان جس نے شانزے کا والٹ بڑی ہوشیاری سے اڑا لیا تھا اور اب شاید گاڑی اڑانے کے ارادے سے آیا تھا، شانزے سرتاپا کانپ کر رہ گئی تھی، آنکھیں

دہشت سے پھٹ پڑیں۔

جانے کس منحوس گھڑی وہ گھر سے نکل کر مارکیٹ اور بیکری تک آ گئی تھی اور کن نحس لمحوں میں اس بندے سے ٹکرائی تھی، وہ جو ابھی تک خونی نظروں سے شانزے کو گھور رہا تھا، اچانک چیخا۔

''جلدی کرو۔'' اس نے شانزے کی کنپٹی ٹھوری تھی، خوف کی ایک تیز لہر شانزے کے جسم میں لہرا گئی تھی، وہ اس کی بات سمجھی نہیں تھی پھر بھی ڈرتے ڈرتے شانزے نے کہا۔

''تم کون ہو؟ اور میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟'' شانزے کے چہرے پہ خوف کی سرسوں کو پھیلتے ہوئے اس نے بغور دیکھا۔

''ابھی تک تمہیں پتا نہیں چلا میں کون ہوں؟'' وہ جیسے یکدم دہاڑا تھا، شانزے سہم گئی۔

''دیکھو میرے پاس کچھ بھی نہیں، پلیز مجھے معاف کر دو۔'' وہ گڑگڑانے لگی تھی، اس نے شانزے کی گڑگڑاہٹ پہ خونی نگاہوں سے اسے گھور کر دیکھا اور چیخا۔

''میرے پاس وقت نہیں۔''

''تم میرا والٹ آل ریڈی لے چکے ہو۔'' شانزے نے اسے یاددہانی کروائی تھی۔

''بکواس کرتی ہو۔'' وہ پھر سے غرایا۔

''اور تم عادی چور لگتے ہو، کبھی شکل دیکھی ہے اپنی۔'' شانزے نے خوف کو ایک طرف رکھ کر اپنے سابقہ بااعتماد انداز کو بحال کر کے بولتی چلی گئی تھی۔

''اتنی اچھی شکل کے ساتھ ڈکیتیاں کرتے ہو، تمہارا ضمیر کہاں ہے؟ تم انسان ہو یا نہیں؟''

''میں کہتا ہوں، اپنا بھونپو بند کرو۔'' سچائی اس سے ہضم نہیں ہوئی تھی، اسی لئے چیخ کر دہاڑا۔

''نہیں کروں گی، کر جو تم نے کرنا ہے۔'' شانزے کا انداز چیلنجنگ قسم کا تھا، حالانکہ یہ بہادری اسے مہنگی بھی پڑ سکتی تھی، وہ غصے میں ٹریگر بھی دبا سکتا تھا، لیکن شانزے خاموش نہیں ہو سکتی تھی، اس کا خوف اچانک ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا، اب وہ اس کے سامنے تن کر کھڑی تھی، وہ کوئی دبو لڑکی نہیں تھی جو ڈر جاتی، کشیدہ ماحول کی صورتحال اس پر واضح ہو رہی تھی، وہ سمجھ گئی تھی سامنے موجود جوان کوئی عادی چور نہیں، شاید بے روزگاری سے تنگ آ کر اسٹریٹ کرمنل بن گیا تھا۔

''زبان چلاتی ہو؟ ذرا سے ٹریگر کو دبانے سے تمہاری بولتی زبان کا اسپیکر رک سکتا ہے، تمہاری زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو سکتا ہے۔'' وہ اسے آنے والی صورتحال سے آگاہ کرتا پھر سے خوف کے کنوئیں میں دھکیلنا چاہتا تھا، لیکن اب کہ اس کی کوشش ناکام ہو گئی تھی کیونکہ اس دفعہ شانزے کے ساتھ اس کا پالا پڑا تھا۔

''تم ایسے نہیں سمجھو گی؟'' وہ دانت پیستا ہوا آگے بڑھا، پھر اس نے شانزے کی کلائی بری طرح مروڑ ڈالی تھی، شانزے اس حملے کے لئے تیار نہیں تھی، اس لئے بے ساختہ چیخ پڑی تھی۔

''میں یہاں تم سے ضمیر کی کلاس لینے نہیں آیا۔'' اس نے شانزے کو پھر سے جھٹکا دیا تھا، اس کا سر گاڑی سے ٹکرایا۔

''تم جیسی ایکسٹرا دلیر لڑکیوں کی دلیری سے نپٹنا مجھے خوب آتا ہے۔'' وہ جیسے ہراس پھیلا ر،

تھا، شانزے کو اپنے اعصاب یکجا کرنے پڑے تھے، شانزے اس کے بڑھے ہاتھ کو اس دفعہ جھٹک کر چلائی۔

''اب مجھے ہاتھ لگایا تو تمہارے یہ ہاتھ توڑ دوں گی۔''

''اچھا!'' سامنے کھڑے جوان کو ڈکیتی بھول کر ایکا ایکی دلچسپی محسوس ہوئی تھی، اس نے بڑی معنی خیزیت سے پوچھا۔

''وہ کیسے؟''

''میرے پاس چاقو ہے۔'' شانزے کی دھمکی خاصی بیکار تھی۔

''تو نکالو، مجھ پہ استعمال کرو۔'' اس نے جیسے شانزے کا مذاق اڑایا تھا۔

''دیکھو، تمہارے گھر میں ماں بہن نہیں ہیں؟'' آخری حربے کے طور پر شانزے پھر سے انہی گھسے پٹے جملوں پہ آ گئی تھی۔

''ماں بہنوں تک جانے کی ضرورت نہیں۔'' اس کا انداز وارننگ دینے والا تھا۔

''وہ تمہاری بہنیں ہیں اس لئے؟'' شانزے آگ بگولہ ہو گئی تھی۔

''میں کہتا ہوں زبان کو لگام دو۔'' وہ بری طرح غرایا تھا، پھر اگلہ لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس نے شانزے کی گردن سے لٹکی چین کھینچ کر توڑ ڈالی تھی، یہ وہی چین نما مالا تھی جسے بہت بچپن میں ایام کے نام سے اس کے گلے میں پہنا دیا گیا تھا، اس مالا میں کئی سنہرے موتی لٹکے تھے جو جا بجا بکھر کر بے مول ہو گئے تھے۔

شانزے پر تو جیسے صدمے کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، یہ مالا اسے کتنی عزیز تھی وہ لفظوں میں بتا ہی نہیں سکتی تھی، اس مالا میں شانزے کی جان بند تھی، اس کے ایک ایک موتی میں شانزے کے روپہلے خواب پروئے تھے، اس کی وہ محبت جڑی تھی جسے سامنے کھڑے جوان نے ایک ہی جھٹکے میں بکھیر دیا تھا، وہ جنونی انداز میں جیسے رونے لگی تھی، وہ اس کے رونے پہ بوکھلا اٹھا۔

''پارکنگ ایریا اس وقت سنسان ہے، تمہارا رونا کام نہیں آئے گا، اب یہ بالیاں اور انگوٹھی بھی اتار دو، ورنہ کھینچ کے اتار لوں گا۔'' اس کی دھمکی محسوس کر کے شانزے کا رونا لمحوں میں بند ہو گیا تھا، جس بے دردی کے ساتھ اس نے چین اتاری تھی اگر اسی بے دردی کا مظاہرہ کانوں پہ کرتا تو لازمی طور پر اس کے دونوں کان چر کر زخمی ہو سکتے تھے، ایک میکانکی قوت کے تحت اس نے دونوں کان اور شہادت والی انگلی خالی کر دی تھی۔

وہ سونا سمیٹتا لمحوں میں نو دو گیارہ ہو گیا، اس کے چلے جانے کے بعد بھی شانزے کو یقین نہیں آیا تھا کہ وہ چلا گیا ہے، ساری بہادری ہوا ہو گئی تھی، دل پہ صرف ایک احساس خوف کا غبار کی طرح چھپا رہا تھا، مارے دہشت کے دھڑکنیں کسی طور پہ رواں نہیں ہو رہی تھیں۔

جانے کتنا وقت بیت گیا، وہ اسی طرح جمی کھڑی رہی تھی معاً فون کی گھنٹی بجی، خوش قسمتی سے کمینے انسان نے موبائل پہ حملہ نہیں کیا تھا، شاید اس لئے کہ شانزے کا موبائل خاص مہنگا نہیں تھا، اس نے اسکرین پہ چمکتا نمبر دیکھا اور گہرا سانس لیتی اعصاب ڈھیلے چھوڑتی موبائل کان سے لگا چکی تھی، دوسری طرف گوہر تھی، انتہائی متفکر اور ہراساں۔

''تم ٹھیک ہو شانی!'' کومے نے چھوٹتے ہی پوچھا، شانزے نے خود کو سنبھال کر قدرے ریلیکس کیا تھا پھر ذرا ہلکی پھلکی آواز میں بولی۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''پھر اتنی دیر کیوں لگا دی؟ شاپنگ کرنے گئی ہو یا ورلڈ ٹور پہ؟ ابھی تک لوٹی نہیں۔'' کومے نے غصے سے جتا کر کہا، وہ بہت گھبرائی گھبرائی لگ رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' شانزے اس کا سوال نظر انداز کر کے کافی حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''ایسے ہی برے برے وہم آ رہے تھے، بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی، جیسے تمہارے ساتھ کچھ ہوا ہو۔'' کومے نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ بتائی تو شانزے کو اس کی محبت پہ ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا، اسے دل کو دل کے ساتھ کنیکٹ ہونا کہتے تھے، کاش ایسا ہی کوئی کنکشن امام کے دل اور شانزے کے دل کے ساتھ بھی جڑا ہوتا، اس پہ ایکدم ہی امام کی یاد دیا سیت بن کر چھا گئی تھی۔

''میں کچھ نہیں، بہت ٹھیک ہوں، بس گھر پہنچ رہی ہوں، تم وہم میں مت پڑو۔'' شانزے نے گہرا سانس کھینچ کر ملائمت سے کہا۔

''اوکے میں انتظار کرتی ہوں۔'' کومے نے مسکرا کر فون بند کیا تو شانزے بھی جھک کر نیچے پڑے اپنے شاپنگ بیگ اٹھانے لگی تھی، ایسے ہی ایک ایک بیگ اٹھاتے ہوئے اور کچھ نیچے گری چیزوں کو سمیٹتے ہوئے شانزے کو اچانک کاغذ کا ایک ٹکڑا نظر آیا تھا، اس نے کچھ تجسس ہو کر کاغذ کو اٹھایا تو حیران رہ گئی۔

یہ کوئی عام یا معمولی کاغذ کا ٹکڑا نہیں تھا، بلکہ یہ کسی کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی تھی، جس کے اوپر تصویر بھی لگی تھی اور شانزے اس تصویر کو پہچانتی تھی، بلکہ اب تو سینکڑوں میں پہچان سکتی تھی۔

کیونکہ یہ تصویر والا وہی تو تھا جو ابھی ابھی شانزے کا زیور اور والٹ لوٹ کر لے گیا تھا، اس نے بغور آئی ڈی کارڈ کی کاپی کو دیکھا، وہاں ایڈریس بھی لکھا تھا اور نام بھی، شانزے آنکھیں مسل مسل کر دیکھتی رہی۔

''نومی سلیمان، شادمان کالونی، ہاؤس نمبر 22، احسان منزل۔'' آگے بھی بہت کچھ تحریر تھا، لیکن شانزے کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا۔

وہ اپنی ہوشیاری میں اتنا بڑا سراغ شانزے کے پاس پھینک گیا تھا، اس آئی ڈی کارڈ کی بدولت ملزم تک پہنچنا اب ناممکن نہیں تھا، اس نے آنکھوں کے پار چھٹتے اندھیرے کو دیکھا اور گاڑی میں بیٹھ گئی، اس کے چہرے پہ عجیب سی چمک تھی۔

☆☆☆

گورنمنٹ ہوسپٹل کا وہی مخصوص تلخ، بیزار کن روڈ سا ماحول تھا، انتہائی روکھا اور اکھڑا اکھڑا، گو کہ حکومت کی مہربانی سے چھوٹی تحصیلوں کے سرکاری ہسپتال بھی ماربلز اور ٹائلوں سے لش لش کرتے تھے پھر یہ تو لاہور کا کافی معروف ترین ہسپتال تھا۔

عمارت بھی خاصی جدید تھی، سہولیات بھی میسر تھیں، ڈاکٹرز کی فوج بھی موجود تھی، مریضوں کی پلٹن کا بھی شمار نہیں تھا۔

ریسپشن سے لے کر ہال تک لوگوں کا جم غفیر تھا، باتوں کا شور اور بھنبھناہٹ الگ تھی، کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، ہر مریض پرچی حاصل کرنے کے چکر میں دوسرے مریض پہ سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں سرگرداں تھا، خاص طور پر اردگرد سے آئی خواتین اور دور دراز کے دیہاتوں سے تعلق رکھنے والی اجڈ عورتوں نے پورے ماحول پہ اپنا شور اٹھا رکھا تھا۔

کہیں اپنی ماؤں کی جھڑکیوں سے تنگ اور بیماری سے چڑچڑے ہوئے نیلے، کالے پیلے سوکھے بچوں نے الگ سائرن بجا رکھا تھا، مجموعی طور پر بڑا اعصاب شکن، تھکا دینے والا ماحول تھا، آتی جاتی کرخت مزاج نرسیں ان اجڈ عورتوں کو گھور کر دیکھتی اور جھڑک کر بولتیں۔

''بی بیو! بچوں کو تو چپ کراؤ کان کے پردے پھاڑ رہے ہیں۔''

''ارے کیا گلے دبا دیں ان کے؟'' ایک موٹی ڈرم نما عورت ہاتھ نچا کر جواب دیتی، دوسری اس کی پیٹھ تھپک کر تائید کرتی۔

''یا منہ میں اون کا گولا ٹھونس دیں۔'' آواز پیچھے سے آئی۔

''بیزار بچے ہیں، چلائیں گے تو ضرور۔'' آوازوں کا ایک سلسلہ چل نکلتا تھا، کرخت مزاج نرس تو ان سب کے منہ لگ کر پچھتاتی تھی، گھور گھور کر انہیں دیکھتی، دانت پیستی، تیوریاں چڑھاتی۔

''اگر اتنا بیزار اور تنگ ہو تو جلدی سے ہمارا نمبر لگوا دو، بچے والی ماؤں کو تو پہلے فارغ کرنا چاہیے، تم لوگوں کو تو معصوم بچوں پہ ترس نہیں آتا۔'' کوئی اور بیزار عورت جلے دل کا پھپھولا پھوڑتی۔

''ارے ہر جگہ سفارش چلتی ہے، یا پھر پیسے والوں کو اندر بھجوایا جاتا ہے۔'' ایک عورت دوسری کے کان میں گھستی۔

''ساری بات ہی قائداعظم کی ہے، اری ایک ایک لال قائداعظم کی فوٹو والا پکڑاتی جاؤ، پھر کمال دیکھنا۔'' ادھ کھتی ہوئی بڑھیا جلبلا کر جواب دیتی، لال قائداعظم سے مراد شاید سو کا سرخ نوٹ تھا۔

''سارے رشوت خور حرامی ہیں۔'' تسبیح کے دانے گراتا ایک بابا پاس سے گزرتا ہوا زیر لب بڑبڑایا تھا۔

''ارے اتنے ہی نوٹ ہماری جیبوں میں ہوتے تو کیا سرکاری ہسپتال میں دھکے کھاتے۔'' ایک سوکھی سی قحط زدگان عورت کندھے سے لگی بچی کے جھنکار قسم کے بالوں کو جھٹکا دے کر تڑخی تھی۔

''سرکار سے بھاری تنخواہیں لیتے ڈاکٹر کیا کم خبیث ہیں، مریضوں کو ایسی ''سوئی'' جیسی نظر سے دیکھتے ہیں اور آدھا خون سکھا ڈالتے ہیں، نہ مرض دھیان سے سنتے ہیں نہ دوائی ڈھنگ سے لکھتے ہیں، گاجر مولی کی طرح فارغ کرتے ہیں، جیسے فرض ادا کر کے جان چھڑانی ہو۔'' ایک دبلی پتلی مڈل پاس لڑکی نے اپنے تئیں بڑی متانت سے کہا۔

''زبان ایسی روکھی اور کرخت کے بیماری دور کرنے کی بجائے اور بڑھا دیں، اس ہسپتال میں آج تک ایسے ڈاکٹروں سے ہی پالا پڑا ہے، غریبوں کے نصیب ماٹھے، جوان بد مزاج، بد

زبان ڈاکٹروں کے منہ سے لگتے ہیں۔" دوسری بھی پاس بیٹھی لڑکی نے خیال آرائی کرنا ضروری سمجھا تھا۔

پچھلی طرف موجود کاؤنٹر پہ کھڑی نوجوان خوش شکل نرس نے بینچوں میں بیٹھی عورتوں کے کھلے ڈھلے تبصرے بڑے دھیان سے سنے تھے، اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی، وہ سب نرسوں سے لے کر ڈاکٹرز تک کے بخیے ادھیڑنے میں سخت مصروف تھیں، گویا سب کا پسندیدہ موضوع یہی تھا، سو دل کھول کر ٹائم پاس کیا جا سکتا تھا۔

"لیکن ڈاکٹر ہیام خان ایسے نہیں۔" ہیا کے لہجے اور الفاظ میں ایسا کچھ ضرور تھا جس نے سب عورتوں کی آنکھوں میں تحیر بھر دیا۔

"تو پھر کیسے ہیں؟" کئی آنکھوں میں ایک ساتھ سوال ابھرے۔

"بہت پولائٹ مطلب نرم گو، حلیم خوش مزاج، ہنس مکھ۔" ہیا مسکرا کر بتاتی چلی گئی تھی، عورتوں نے حیرت سے اپنی اپنی ناک، ماتھا شہ رگ پکڑلی۔

"یقین نہیں آتا۔" کئی طرح کی آوازیں ابھریں۔

"جب ڈاکٹر ہیام خان کے پاس جائیں گی تو پتا چلے گا، یہاں تو ایک ہفتے میں مریض ان کے گن گا رہے ہیں۔" ہیا نے ان سب کو اور بھی حیران کیا تھا۔

"کوئی ساحر ہے کیا؟" تحیر امڈ امڈ کر سوال پہ سوال کر رہا تھا۔

"یہی سمجھ لیں۔" ہیا نے اثبات میں سر ہلایا، معاً ڈاکٹر ہیام کے آنے کا مژدہ جاں فزا سنایا گیا۔

"بس آدھے گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں۔" کسی نے سب کے ارمانوں پہ اوس گرائی۔

"دیکھ لیا نا، کبھی وقت پہ نہیں آئے گا، مریض چاہے رات تک سوکھتے رہیں۔" خواتین جھٹ سے بدگمان ہوگئیں۔

"پبلک ٹرانسپورٹ سے آرہے ہیں، ذاتی کنوینس کا انتظام نہیں ہوا نہ ابھی اور لاہور کی ٹریفک کا تو پتا ہے؟ سو اتنی سی دیر سویر تو بنتی ہے، تحمل کا مظاہرہ کریں، بس پہنچنے والے ہیں۔" ہیا نے سب کو تسلی دی تھی۔

"کیا اتنا غریب ہے؟ موٹر تک نہ لے سکا؟" اسی اونگھتی بڑھیا نے ہڑبڑا کر پوچھا تھا، ہیا سر پیٹ کر رہ گئی تھی، لیکن اس نے بحث کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"کس چیز کا ڈاکٹر ہے، میری بیماری کا علاج کر پائے گا، یہاں تو ہر مرض کا الگ الگ ڈاکٹر ہے، شوگر کا الگ، یرقان کا الگ، دل کا الگ، حد ہے بندہ ہر بیماری کے لئے جگہ جگہ گھومتا رہے۔" ایک نئی آنے والی تیز گام پہ سوار خاتون نے جل کر کہا۔

"ڈاکٹر ہیام پیتھالوجسٹ ہیں، یعنی قدرتی بیماریوں اور ہر قسم کا مرض جاننے والے ڈاکٹر ہیں، سب اطمینان رکھیں، سکون سے بیٹھیں، وہ بس ابھی آئے، بلکہ ادھر دیکھیں، ڈاکٹر ہیام پہنچ گئے۔" ہیا روانی سے بولتی ہوئی جیسے ہی انٹرس ڈور کی طرف سرسری انداز میں دیکھنے لگی تو مارے شوق اور بے تابی کے اس کا منہ کھل گیا، سب خواتین نے باجماعت انٹرس ڈور کی طرف دیکھا اور

بیٹھے سے اچانک اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، اندر آتا خوش پوشاک نوجوان اونچی کاٹھی کا صحت مند اور اسمارٹ بندہ تھا، خاص طور پر اس کے چہرے کی مسکراہٹ دل موہ لینے کی حد تک حسین تھی، وہ شکل سے پٹھان لگتا تھا، گورا چٹا، دلکش، خوبصورت ہری کچور چمکتی بڑی بڑی روشن آنکھوں والا۔

اپنی شاندار پرسنالٹی کی وجہ سے پورے ماحول پر چھایا لگ رہا تھا، انٹرس ڈور کے سامنے صفائی کرتے سوئیپر سے لے کر کاؤنٹر پر موجود سسٹرز اور وارڈ بوائز تک کا حال احوال پوچھتا ان کے سلام کا جواب دیتا مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ڈاکٹر ہیام کے منظر سے ہٹتے ہی ماحول پہ چھایا فسوں ٹوٹ گیا، گہری خاموشی میں دراڑیں پڑ گئی تھیں، کچھ دیر پہلے کا سناٹا ختم ہو گیا تھا، اب بھانت بھانت کی آوازیں تھیں، تبصرے سے تھے، سوال تھے، تجسس شوق اور اشتیاق تھا۔

''ڈاکٹر ہیام کہاں سے آیا؟'' کسی نے بے تابی سے پوچھا۔

''منگورہ سے۔'' جواب کاؤنٹر پہ موجود نرس نے دیا۔

''منگورہ کہاں ہے؟''

''سوات میں۔''

''میں نے کہا تھا نا، پٹھان لگتا ہے۔'' مڈل پاس لڑکی خوشی سے چلائی۔

''ارے مسکراہٹ دیکھی؟ کتنی پیاری تھی۔'' ڈرم نما آنٹی واری صدقے گئی۔

''اور شکل دیکھی؟ فرشتوں سی۔'' اونگھتی بڑھیا بھی بڑبڑائی۔

بیا مسکرا کر ان کے بدلتے بیان سنتی رہی، وہ جانتی تھی چیک اپ کے بعد ان تعریفوں میں کچھ ایسے اضافہ ہونے والا تھا۔

''ڈاکٹر ہیام ہے یا شہد کی کوئی ندی؟''

''اتنا خوش مزاج، ہنس مکھ اور مخولیا کے حد نہیں۔''

''ارے نبض پکڑ کر مرض جانتا ہے۔''

''اتنا میٹھا اور رسیلا۔''

''کیوں نہ ہو، سیبوں اور انگوروں کی وادی سوات سے آیا ہے۔''

کاؤنٹر پہ موجود بیا اپنا کام تندہی سے کرتی رہی، کیونکہ ڈاکٹر ہیام کے آتے ہی مریض اور معروفیت دونوں بڑھ جاتے تھے، ایسے لگتا تھا پورے لاہور اور پورے پنجاب سے فوجیں دگڑ دگڑ کرتی پہنچ رہی ہیں۔

پھر سویرے سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو گئی، مریضوں کا تانتا رات گئے بھی نہ ٹوٹا۔

جوق در جوق مریض اندر جاتے، بجھے چہرے، غمزدہ نظریں، اداس ہونٹ لئے سر جھکائے اپنی باری پہ اٹھتے اور کمرے میں گھستے، باہر نکلتے تو چہرہ روشن ہوتا، ہونٹوں پہ مسکراہٹ ہوتی، اتنے تازہ دم جیسے کوئی بیماری پاس سے بھی نہ گزری ہو، ہونٹوں پہ مخصوص الفاظ۔

''ڈاکٹر ہیام بڑا افسوڈ بچہ ہے، پیٹ میں ہنس ہنس کر بل پڑ گئے۔'' ہر ایک کی زبان پہ ایک ہی گردان ہوتی تھی، بیا اب تک عادی ہو چکی تھی، سو مسکرا کر تائید کرتی۔

رات گئے تک ہیام کی کمر اکڑ گئی، بیچ میں اسے صرف دو نمازوں کا وقفہ ملا تھا، مغرب قضا تھی اور اب عشاء کی اذان سماعتوں میں رس گھول رہی تھی۔

صبح سے لے کر رات تک اس نے سینکڑوں نسخے لکھے تھے، پھر بھی اس کے وجود پہ تھکن کا شائبہ تک نہیں تھا، ہر مریض کی کیس ہسٹری سننا، جواب دینا، مریض کا دل بہلانا، تسلی دینا، دوائی لکھنا اور پھر پورا دن بولتے رہنا، کام میں جتے رہنا۔

وہ سمجھتا تھا، اپنی نوکری سے پوری طرح مخلص ہو کر وہ رزق حلال کما رہا ہے، ایسا رزق جسے ہر قسم کے مال و زر سے افضل قرار دیا گیا تھا، ایسا رزق جسے عبادت کا درجہ دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر ہیام کو ایسے رزق کی تلقین کی گئی تھی آسمان والے کی طرف سے بھی، زمین والے کی طرف سے بھی، پھر اس کی سخت ترین ماں نے بھی خاص ہدایت کر رکھی تھی۔

''مجھے تمہارے مال سے حرام کی بو نہ آئے۔'' وہ ماں کے الفاظ کو گرہ میں باندھ کر لایا تھا، ابھی بھی کھلی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر وہ اپنی بہت غصہ ور ماں کو سوچ رہا تھا، پھر اس کا خیال اپنی بہنوں کی طرف نکل پڑا، جانے اس کی غیر موجودگی میں مورے اس کی بہنوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہوں گی؟

اس کے دل میں گھر والوں سے بات کرنے کی ہڑک بیدار ہوئی تو وہ جلدی سے موبائل پہ گھر کا نمبر پریس کرنے لگا، کافی دیر بعد اس کی سماعتوں نے عمکیہ کی آواز سنی تھی، بہت بجھی بجھی پریشان سی آواز تھی، ہیام چونک گیا، عمکیہ کیوں پریشان تھی؟ گھر کا ماحول تو ٹھیک تھا؟ اور حالات؟ جو کہ ٹھیک نہیں تھے، کیونکہ عنیہ کی ساس نے عشیہ کی بجائے عمکیہ کا رشتہ مانگا تھا اس بات پر مورے کو غصہ ہو گا اور وہ عمکیہ اور عشیہ کا جینا محال کر سکتی تھیں دونوں کو طعنے مار مار کر۔

ہیام گھبرا سا گیا، اسے مورے کو بڑے طریقے سے سمجھانا تھا کہ اس رشتہ آنے پہ نہ عمکیہ کا کوئی قصور تھا نہ عشیہ کا، ویسے بھی عشیہ کی نسبت عمکیہ کے پرپوزلز زیادہ آتے تھے، کیونکہ عمکیہ حسین بھی بہت تھی اور سگھڑ بھی بے حساب کی تھی جبکہ عشیہ محض اچھی شکل تو رکھتی تھی تاہم گھریلو امور میں طاق نہیں تھی، اب مورے کے عتاب کا شکار عمکیہ بھی ہو سکتی تھی اور عشیہ بھی۔

وہ اپنے خیالوں میں دور تلک پہنچ گیا تھا، جب اچانک فون سے ہلکی سی سسکی نما آواز سنائی دی، ہیام لمحوں میں چونک گیا تھا، اس نے سارے خیال جھٹک کر بے چینی سے پوچھا۔

''سب خیریت ہے عمکیہ! تم رو رہی ہو؟'' وہ سخت بے چین ہوا، دوسری طرف عمکیہ کو بھی جیسے احساس ہو گیا تھا، اس نے سرعت سے گال پونچھے اور لہجے کو معمول پہ لے آئی تھی، وہ اتنی دور بیٹھے بھائی کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی، حالانکہ مورے اسے گھور گھور کر کچھ بولنے پہ اکسا رہی تھیں جسے وہ مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔

''تمہاری یاد آ رہی ہے۔'' عمکیہ نے اداسی سے کہا تھا۔

''بس اتنی سی بات؟'' ہیام مسکرا دیا، اعصاب کا کچھ بوجھ ہلکا ہوا تھا، ورنہ وہ تو سخت گھبراہٹ میں مبتلا تھا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں۔'' عمکیہ خفا ہوئی۔

''آؤ گے کب؟'' وہ ہی ایک محبت بھرا سوال، ہیام کو پھر مسکرانا پڑا تھا۔
''ابھی کہاں۔'' اس نے اپنی معروفیت کی لمبی کہانی سنا ڈالی تھی، عمکیہ غائب دماغی سے سنتی رہی، حالانکہ یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا، ہیام کی معمولی سے معمولی بات بھی ان بہنوں کے لئے بڑی اہم ہوا کرتی تھی، وہ اس کے بے سروپا گفتگو بھی بڑے دھیان سے سنا کرتی تھیں، یہ ان بہنوں کی اپنے اکلوتے بھائی سے محبت کی انتہا تھی۔
''اچھا بتاؤ، سب کیسے ہیں؟ میری شیرنی کا کیا حال ہے؟'' ہیام نے بڑے موڈ میں عشیہ کا احوال پوچھا تھا، عمکیہ کے دل میں کانٹا سا ابھرا، اس نے نگاہ کو ترچھا کر کے خونخوار تیور لئے موجود مورے کی طرف دیکھا تھا، ریسیور پر اس کی گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی تھی۔
''وہ ٹھیک ہے۔'' عمکیہ کے اگلے الفاظ منہ میں دبے رہ گئے تھے، مورے نے ایک جھٹکے سے اٹھ کر عمکیہ کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا تھا، عمکیہ اس حملے پہ دہل کر رہ گئی، مورے اب فون پر آگ بگولہ ہوتی ہیام کے حواس پہ بم گرا رہی تھیں۔
''وہ بھاگ گئی ہے اپنے کسی یار کے ساتھ، دوائی لینے کے بہانے نکلی تھی ابھی تک پہنچی نہیں، حرام زادی۔''

☆☆☆

کھانے کے ہال میں معمول کی خاموشی تھی۔
بس چمچوں اور گلاسوں کے بے ضرر شور سنائی دے رہا تھا۔
آج کبیر بنو بھی کھانے کی میز پہ موجود تھے، سردار بنو جب کھانے کی میز پر موجود ہوتے تو نیل برکا موجود ہونا ناگزیر ہو جاتا تھا، کیونکہ سردار بنو نیل بر کو دیکھے بنا کھانا نہیں کھاتے تھے۔
خلاف معمول صندیر خان بنو بھی ہال میں دکھائی دے رہا تھا، گو کہ اس وقت صندیر کا گھر موجود ہونا اور میز پر دکھائی دینا حیران کن امر تھا، پھر بھی بی جاناں پوتے کو دیکھ کر ہی مسرور تھیں۔
وہ اپنے مخصوص اکھڑ اسٹائل میں بے نیاز بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، کیونکہ کھانا بہر حال اس کی پسند کے مطابق تھا، تندوری چکن اور خمیری روٹی، جس کے اوپر ملائی کا لیپ کیا گیا تھا جو کھانے میں انتہائی لذیذ لگتا، سردار بنو گاہے بگاہے صندیر خان کی طرف دیکھ رہے تھے، جو ان کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بھی انجان بن رہا تھا، بہت دیر کی خاموشی اور صبر کے بعد بالآخر انہوں نے صندیر خان کو مخاطب کر لیا۔
''پھر کیا بنا؟'' ان کے انداز میں خاصی سنجیدگی تھی، وہ اب بھی وقفے وقفے سے صندیر خان پہ نظر ڈال رہے تھے، وہ خمیری روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے ہی چونکا۔
''سویٹ ڈش میں کیا بنا؟'' اس نے انجان بننے کی بڑی کامیاب اداکاری کی تھی، پھر گردن موڑ کر بی جاناں کو دیکھنے لگا جیسے ان سے جواب چاہ رہا تھا۔
''میرے خیال میں گاجر کا حلوہ ہے۔'' بی جاناں نے ناسمجھی والے انداز میں کہا، سردار بنو نے صندیر خان کو گھور کر دیکھا تھا، وہ ان کی گھوریوں پہ نگاہ چرا کر رہ گیا، گویا وہ کھانے کی میز پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن سردار بنو ابھی کے ابھی جواب چاہتے تھے، ان میں تحمل اور صبر کی بڑی

شدت کے ساتھ کی تھی۔

''میں گاجر کے حلوے کی بات نہیں کر رہا۔'' انہوں نے خفگی سے جتلایا۔

''تو پھر؟'' اس نے ایک بھوں اچکا کر پوچھا تھا، انہوں نے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس میز پہ زور سے پٹخا تھا، یہ کیفیت ان کے غصے کو واضح کر رہی تھی۔

''میں رپورٹ کی بات کر رہا تھا، تم ایسے نا سمجھ نہیں، جو گاجر کے حلوے کے بیچ میں اٹھا لائے ہو۔'' سردار بٹو اسے خفگی سے گھور رہے تھے، صندیر خان کو بے نیازی جو چولا اتارنا ہی پڑا۔

''ہوں۔'' اس نے گہرا سانس کھینچ کر ہنکارا بھرا تھا، پھر میز کے گرد بیٹھے افراد پہ طائرانہ نظر ڈالی تھی، بی جاناں ان دونوں کی طرف متوجہ تھیں نیل بر کسی اٹالین سوپ سے شغل فرما رہی تھی، سہا خانہ کے کان کھڑے تھے، صندیر خان کچھ سوچ کر کبیر بٹو کی طرف دیکھ کر بولا۔

''بات تو ہوئی تھی۔''

''اچھا۔'' کبیر بٹو کی دلچسپی ایکا ایکی بڑھ گئی تھی، انہوں نے بے چینی سے کہا۔

''تم نے بتایا نہیں؟''

''موقع نہیں ملا۔'' وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

''چلو، اب تو مل گیا نا، تفصیل بتاؤ۔'' ان کی بے تابی قابل دید تھی، صندیر خان کے ماتھے پہ سلوٹ اندر کر معدوم ہو گئی تھی، گویا ابھی وہ تفصیل بتانے کے موڈ میں نہیں تھا، پھر بھی کبیر بٹو کے مجبور کرنے پر گہری سوچ میں کچھ دیر کے لئے گم ہو گیا تھا، جیسے افراد خانہ کے سامنے بات کرے یا نہ کرے جیسی تذبذب کی کیفیت میں تھا۔

''صندیر جاناں!'' سردار بٹو کو اس کی خاموشی پہ غصہ آیا، یہ ان کا تنبیہی انداز تھا، صندیر خان سمجھ گیا تھا کہ اب بتائے بغیر کوئی چارہ درکار نہیں بچا۔

''خاصا مشکل سوال ہے وہ، کچھ پیچیدہ اور گنجلک۔'' بالآخر صندیر خان کو بتانا ہی پڑا۔

''ہوں۔'' کبیر بٹو نے ہنکارا سا بھرا۔

''کہتا کیا ہے؟''

''فرضی شناسی کے جذبے میں لتھڑا کر آیا ہے۔'' صندیر خان نے جواب دیا۔

''تو گویا اس نے انکار کر دیا؟'' سردار بٹو کی تیوری چڑھ گئی تھی، وہ ان کے اسی غصے اور جذباتیت سے کترا رہا تھا۔

''ہوں، کر تو دیا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔

''اور تم نے خاموشی سے سن لیا۔'' وہ لمحوں میں ٹمپر لوز کر گئے تھے۔

''تو کیا کرتا؟'' صندیر خان کو اچنبھا ہوا۔

''اس کا منہ توڑ دیتے۔'' وہ ابتدا میں ہی انتہا تک پہنچ جاتے تھے، وہی ان کی عمر بھر کی جذباتیت۔

''ایسے ہی بلاوجہ۔'' صندیر خان زیر لب بڑبڑایا۔

''اس کا انکار کوئی معمولی واقعہ ہے کیا؟ اس کی اتنی جرأت؟'' وہ یک لخت دھاڑے تھے، یوں

کہ نیل بر بھی چونک اٹھی تھی، سباخانہ بھی کچھ ہراساں نظر آئی تھی، بی جاناں بھی کافی پریشان ہوئیں۔

"انکار معمولی نہیں۔" صندیر خان کا انداز پرسوچ قسم کا تھا۔

"تو پھر اسے نانی یاد دلا آتے۔" وہ غیض بھرے لہجے میں بولے تھے۔

"جب وقت آیا تو نانی ہی نہیں دادی بھی یاد دلا دوں گا۔" اس کے انداز میں واضح اطمینان تھا، جیسے وہ ایک حکمت عملی تیار کر چکا تھا۔

"اور وہ وقت کب آئے گا؟" انہوں نے سابقہ انداز میں چڑ کر کہا۔

"بہت جلد۔" وہ سکون سے بولا۔

"کتنا جلد؟ جب وہ دو ٹکے کا سرکاری آفیسر ہمارے پرکھوں کی قبروں پہ بلڈوزر چلا کر وہاں سڑکیں اور پل بنا دے گا؟" ان کے کاٹ دار لہجے میں کچھ تو ایسا ضرور تھا جس نے نیل بر کو بھی چونکا دیا، آخر وہ کس کے بارے میں بات کر رہے تھے؟ پرکھوں کی قبریں؟ پل اور سڑکیں؟ بلڈوزر؟ اس کا ذہن تیزی سے مصروف عمل ہو گیا تھا۔

"ہمارے ہوتے ہوئے؟ واٹ ربش، کیا ایسا ممکن ہے، ہمارے جیتے جی، کوئی قبرستان والی زمین پہ نظر تو ڈالے، مجھے آنکھیں تک نکال لینا آتی ہیں۔" صندیر خان لمحوں میں بھڑک اٹھا تھا۔

"تم نے اسے باور کروا دینا تھا۔" وہ بے چینی سے ہاتھ مسلتے ہوئے بولے۔

"کروا دیا ہے۔" صندیر خان سرخ چہرہ لئے گویا ہوا۔

"ابھی تو صرف باتوں سے سمجھایا ہے، دعا کریں عملی طور پہ سمجھانے کی ضرورت نہ پڑے، وہ باتوں سے ہی سمجھ جائے، ورنہ اس کے ساتھ بہت برا ہو گا۔"

"کس کے ساتھ برا ہو گا؟" نیل بر اور سباخانہ کی آنکھوں کا سوال ایک ہی تھا، لیکن دونوں نے بول کر مداخلت نہیں کی تھی، ان کے حصے کا سوال بی جاناں کر رہی تھیں۔

"تم دونوں کس کی بات کر رہے ہو؟" ان کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے، گو کہ وہ معاملہ تو سمجھ رہی تھیں پھر بھی بیٹے اور پوتے سے پوچھنا ضروری تھا، وہ دونوں پہلی مرتبہ بی جاناں کی موجودگی محسوس کر کے چونکے۔

"اوں ہوں، ہے ایک ناسور۔" کبیر بٹو نے نفرت سے سر جھٹکا۔

"کون؟" بی جاناں کی آنکھوں میں بھی غصہ چھایا۔

"گورنمنٹ ملازم ہے، آج کل یہاں سرکاری اراضی کا سروے کرنے آیا ہے، اس کے بارے میں بات چل رہی تھی۔" سردار بٹو نے اپنی ماں کو مختصر بتا دیا تھا، بی جاناں کے ماتھے پر بھی بل پڑے تھے۔

"اس کی ایسی مجال؟" وہ بھڑک اٹھیں۔

"کسی کی اتنی ہمت ہے ہماری زمینوں پہ نگاہ رکھے۔"

"کسی کی ہمت نہیں۔" صندیر خان نے جیسے انہیں تسلی دی تھی۔

"اسے اپنے الفاظ میں سمجھا دیا ہے، جلدی ہی بھاگ جائے گا، آپ فکر نہ کریں، میں ہوں

نا۔'' اس نے اپنے ازلی بے نیاز انداز میں سمجھایا، وہ دونوں ہی مطمئن سے ہو گئے تھے، جانتے تھے کہ اگر صندیر خان نے کہہ دیا ہے تو ایسے ہی ہو گا۔

نیل بر کچھ چونک کر صندیر خان کی طرف دیکھ رہی تھی، جو بے نیازی سے سویٹ ڈش کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ اٹھا تو نیل بر بھی ہال سے باہر نکل گئی تھی، کھانے کے بعد وہ واک کرتی تھی، چاہے جتنی مرضی گرمی یا سردی ہوتی، اس وقت بھی وہ واک کے لئے باہر نکل رہی تھی، جب اسے محسوس ہوا کہ صندیر خان اوپر جانے کی بجائے باہر آ رہا ہے، اسے حیرت سی ہوئی، کیونکہ کھانے کے بعد وہ کم ہی باہر نکلتا تھا، بس اپنے کمرے میں چلا جاتا، نیل بر اپنا کوٹ، اونی ٹوپی اور جوگرز پہن کر کانوں اور گلے میں مفلر لٹکائے شدید دھند میں باہر آ گئی۔

پہاڑوں پہ اس وقت رات کا بسیرا تھا، ہر منظر خوف میں لپٹا نظر آ رہا تھا، نانگا پربت بھی اس وقت تاریکی کے غلاف میں پوشیدہ تھی، دور جنگلوں میں مور کرلا رہے تھے یا پھر نیل بر کو محسوس ہو رہا تھا، تاریکی خوف بن کر وجود میں اترے تو کیسا محسوس ہوتا ہے؟ سیم جو نیل بر محسوس کر رہی تھی، بیال آنے کے اتنے مہینے بعد پہلی مرتبہ رات کی تاریکی سے نیل بر کو ڈر سا لگا، حالانکہ وہ بڑی دلیر اور نڈر تھی، امریکہ جیسے ملک میں اتنے برس گزار کر آئی تھی، خوف اس کے قریب بھی نہیں آتا تھا، لیکن اس وقت کیفیات مختلف تھیں۔

وہ سیدھے ٹریک پہ چلتی ہوئی ڈھلوانوں میں اتر آئی، یہاں پر بھی گھور تاریکی کا بسیرا تھا، بیال کو چاروں طرف وسیع مرغزاروں نے گھیر رکھا تھا اور ابھی وہی مرغزار بڑا خوفناک تاثر دے رہے تھے، اسے امریکہ کی تاریک راتیں اور ویران دن یاد آئے، اس نے ایکدم جھرجھری سی لی تھی۔

اس کی زندگی کے وہ بھیانک لمحات جس میں ایسی بے بسی تھی کہ آج بھی اس بے بسی کا اثر نیل بر کو فریز کر دیتا تھا، خوف اس کی رنگوں بھری زندگی کو تب بھی گہنا گیا تھا۔

خوف کا ذائقہ پہلی مرتبہ اس نے وہیں پہ چکھا، تب اسے محسوس ہوا تھا کہ خوف بھلا کہتے کسے ہیں؟ وہ اپنی امریکہ میں گزری زندگی کے قیام کی ہر ساعت کو آئندہ آنے والی زندگی میں بھلا دینا چاہتی بھی تو یہ ممکن نہیں تھا۔

تب وہ نیو یارک، واشنگٹن اور مشی گن میں چکراتی پھرتی تھی، اس کے دل سے سکون نام کا ہر جذبہ مٹ چکا تھا، جانے وہ کب تک بھٹکتی رہتی، اگر اب بھی بابا کا اصرار نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی اپنے بیال میں قیام کو طویل نہ کرتی، بیال میں رہنا اسے راس آ گیا تھا، امریکہ میں رہنا راس نہیں آیا تھا۔

یہ اس کے اپنے خیالات اور احساسات تھے، ہر وہ کیفیت جس نے اسے درد کے ذائقے سے آشنا کیا تھا، رگوں کو کاٹتا ہوا درد بھلا کیا ہوتا ہے؟ نیل بر نے ان لمحات میں بخوبی جان لیا تھا، آج بھی اس درد کی لہریں نیل بر کو برف کر دیتی تھیں۔

اسے اپنی زندگی کے افق پر چمکتی اس رات کے گرہن کی یاد آج بھی لہولہو کر دیتی تھی، اس کا جی چاہتا تھا ہر چیز کو آگ لگا دے، ہر چیز کو آگ میں جھونک دے، ہر طرف آگ ہی آگ بھڑکا دے، ہر شے کو جلا کر راکھ کر دے، اسے آگ ہی آگ دکھتی، آگ ہی آگ بھڑکتی، آگ ہی آگ لپکتی،

پھیلتی جھلساتی، بھلساتی۔

اسے آگ کے ہر رنگ ہر قسم اور ہر ذائقے سے آشنائی تھی۔

دراصل آگ بہت سے رنگوں کا کھیل نہیں تھا، بلکہ آگ سات رنگوں کی پرتپش اذیت تھی، اگر جسم کو چھو لیتی تو چربی تک کو پگھلا سکتی تھی، چہرہ جلا ڈالتی، نقش مٹا ڈالتی، بدوضع، بے رونق اور بدصورت کر دیتی، اتنا کہ یہ کے خود کو بھی اپنے سے گھن آتی، دراصل نیل بر بھی ایسی اذیت سے گزر چکی تھی جب اسے آگ نے چھو کر بدصورت کر دیا تھا۔

اسے اپنے مسخ شدہ روپ سے گھن آتی تھی، وہ حقارت کھاتی تھی۔

اس وقت بھی ویسی ہی آگ نیل بر کو جھلسا رہی تھی، اسے چلتے چلتے ٹھوکر لگی، پاؤں اتنے عجیب انداز میں رپٹا تھا کہ نیل بر دوسرے ہی لمحے کھائی میں ہمیشہ کے لیے گر سکتی تھی، لیکن وہ گری نہیں، کیونکہ کسی نے پوری شدت سے اس کا بازو دبوچ کر پیچھے کی طرف گھسیٹا تھا، وہ دوسرے ہی لمحے بیک گیئر کے ساتھ کسی آہنی وجود سے ٹکرا گئی تھی، اس کا سر کسی کے کندھے سے لگا تھا اور نتھنوں میں اسی وجود سے اٹھتی خوشبو اندھا دھند ایک تواتر سے گھسی تھی۔

اندھیرا اس شدت کا تھا نہ کہ نیل بر کسی ذی روح کو دیکھ نہیں سکتی تھی، لیکن اس وجود کے کپڑوں سے اٹھتی خوشبو نے بتا دیا تھا، کہ اس کا پیچھا کرنے والا کون ہے؟

معا نیل بر کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے، اس نے تیوری چڑھا کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم پھر میرے پیچھے چلے آئے؟" وہ غصے سے تڑخ رہی تھی۔

"میری جاسوسی کرنا چھوڑ دو۔"

"میں نہ آتا تو اب تک تم اس کھائی کے پیٹ میں اتر چکی ہوتی، تمہاری لاش گل سڑ جاتی اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔" مطمئن سی جہاندار کی آواز پہ نیل بر کا غصہ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

"تمہیں ایکسٹرا ڈیلی شنسی دکھانے کا شوق ہے۔" اس کا انداز تلخ تھا۔

"جو بھی سمجھ لو۔" وہ غصہ دلانے والے انداز میں بولا۔

"میں تو ہمیشہ یہی کہوں گا، تم میری جاب کا حصہ ہو۔" جہاندار شاید مسکرایا تھا، اندھیرا ہونے کی وجہ سے نیل بر دیکھ نہیں سکی تھی تاہم محسوس ضرور کر سکتی تھی۔

"تم میری جان نہیں چھوڑ سکتے؟" اس نے تیوری چڑھائی۔

"میں نے تمہاری جان پکڑ کہاں رکھی ہے؟" جہاندار نے کمال معصومیت کا مظاہرہ کیا۔

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ دہاڑی۔

"باقی کا غصہ گھر جا کر سہی، ابھی تو چلو، یہ نہ ہو جنگلی جانور میرے اور تمہارے گوشت کا ڈنر اڑا لیں۔" اس کے دھمکانے پر نیل بر قدرے سہم گئی تھی، پھر بغیر منتیں کروائے آگے آگے چل پڑی، جہاندار نے جیکٹ کی جیب سے ٹارچ نکال لی تھی، ڈھلوانی رستہ اب قدرے واضح ہو رہا تھا، وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے، معا درختوں میں عجیب سی سرسراہٹ ہوئی تھی، جہاندار لمحوں میں ... بھی منتشر ہوئے تھے، کیونکہ سرسراہٹ نہ صرف قریب تھی، بلکہ پیش

قدمی بھی ہو رہی تھی، نیل بر خوف سے کپکپا گئی۔
''کون ہے؟'' اس کا خوف محسوس کر کے جہاندار نے بڑے دبنگ لہجے میں پوچھا، جواباً سائیں سائیں کی خوفناک آوازیں ابھری تھیں، درختوں کے پتوں پہ اب بھی کوئی چل رہا تھا، آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں، نیل بر نے غیر محسوس انداز میں جہاندار کے قریب ہوتے ہوئے اس کا بازو دبوچ لیا۔

☆☆☆

اس نے تھکے تھکے قدموں سے گھر کے گول کمرے میں قدم رکھا تھا، یہ گولائی دار کمرہ تھا، لاؤنج کی طرح کا، جس کے اندر کوئی روم کے دروازے کھلتے تھے، لکڑی کا زینہ بھی موجود تھا، جس کی اونچائی پہ عروفہ کھڑی تھی اور بڑی بے یقینی سے عمکیہ اور عشیہ کو دیکھ رہی تھی، جیسے عشیہ کے واپس آنے کا اسے کوئی گمان نہیں تھا۔
سہمی سہمی عشیہ کی کہنی پکڑ کر عمکیہ دوسرے کمرے میں گھسیٹتی ہوئی لے گئی تھی، یہ کوشش اسے موورے کی نگاہوں سے بچانے کے لئے تھی، عروفہ جیسے سمجھ گئی اور جلدی سے زینہ اتر کر ان دونوں کی طرف بڑھی، تاہم اس نے کمرے میں قدم رکھنے کی غلطی نہیں کی تھی، وہ دونوں بہنوں کی باتیں سننے کے لئے دروازے کے باہر کھڑی ہو گئی تھی، گو کہ زینے میں ابھی تک بالکونی میں کھڑے ہو کر دیکھے گئے منظر کی جلن باقی تھی، پھر بھی وہ عشیہ کی گفتگو سن کر تصدیق چاہتی تھی کہ آیا عشیہ واقعی شاہوار بنو کی جیپ سے اتر کر اندر آئی ہے؟
اور یہ بھی کہ شاہوار بنو اسے ملا کہاں؟ ان کی ملاقاتیں کب سے چل رہی تھیں؟ وہ موورے کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کب سے شاہوار بنو کے ساتھ روابط بڑھا رہی تھی؟ اور یہ بھی کہ اس شاندار سے شاہوار بنو نے اس عام سی عشیہ کو گھاس کیسے ڈالی تھی؟ عروفہ کے اندر کھلبلی مچاتے سوالوں کی دھوم مچی تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ عشیہ کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پوچھ لیتی، ساری بات اگلوا لیتی۔
وہ دروازے سے کان لگائے دل میں اٹھتی بھاپ کو نظر انداز کیے اندر کی باتیں سن رہی تھی، فی الحال تو عمکیہ، عشیہ کی کلاس لے رہی تھی، جس میں ظاہری بات تھی، عروفہ کو کوئی دلچسپی نہیں تھی پھر بھی کان دھرنا اس کی مجبوری میں شامل تھا۔
''تمہیں ذرا بھی خیال نہیں آیا، وقت سے گھر پہنچنا ہے، رات گہری ہوتی جا رہی ہے، اوپر سے ہماری ماں کی بدگمانیوں کا کوئی انت نہیں ہوتا، کہاں مر گئی تھی تم؟ اتنا بھی خیال نہیں کیا، گھر میں ہماری حالت کیا ہوگی؟'' عمکیہ دبی آواز میں اسے گھرک رہی تھی، عشیہ سر جھکائے ساری پھٹکار سنتی رہی، فی الوقت عمکیہ کوئی صفائی لینے کے موڈ میں نہیں تھی، اسے عشیہ پہ غصہ بھی بے انتہا تھا، کیونکہ جس قدر کشیدہ لمحات سے وہ گزری تھی اتنا غصہ تو اس کا بنتا تھا۔
''موورے کو جانتی ہو نا، ذرا سی غلطی برداشت نہیں کرتیں، انہوں نے لاہور تک ڈھونڈ ورا بھیجنا تھا۔'' وہ لب بھینچ کر چیخی تھی، عمکیہ کی بات پہ اس نے بے ساختہ سر اٹھایا تھا، بھلا عمکیہ کی بات کا مطلب کیا تھا؟ وہ قدرے سہم کر سوچ رہی تھی۔

''میں سمجھی نہیں۔'' عشیہ نے پہلی مرتبہ لب کشائی کی تھی۔

''تم کیوں سمجھو گی، اللہ کا شکر ادا کرو، ہمارا بھائی ان قبائیوں جیسی سوچ نہیں رکھتا۔'' عمکیہ نے تلخی بھرے لہجے میں کہا۔

''یہاں ہیام کی تعریف کا کیا ذکر؟'' وہ اور بھی ہونق ہوئی۔

''ہیام کی تعریف نہ کروں تو اور کیا کروں؟ جب مورے نے اسے بتایا، عشیہ ابھی تک گھر نہیں آئی اور لگتا ہے کسی کے ساتھ بھاگ گئی، ایسی قیامت خبر کو سن کر بغیر تصدیق کیے ہمارے قبائیوں نے اپنی بہنوں بیٹیوں کو تکہ بوٹی کر دیتی تھی اور ہمارا اتنا کھلے ذہن اور سوچ رکھنے والا بھائی ماں کو سمجھا رہا تھا کہ عشیہ کہیں نہیں گئی، ابھی پہنچ جاتی ہے اور یہ کہ آپ بیٹیوں سے بدگمان نہ ہوا کریں، ہیام کی بہنیں ایسی نہیں۔'' عمکیہ نے دانت پیس کر تفصیل بتائی تو عشیہ کو ہیام پہ ٹوٹ کر پیار آگیا تھا، اس کا جھکا سر قدرے اونچا ہوا، بھائی کے اعتماد نے اسے اندر تک روشن کر دیا تھا باقی مورے کے ایسے گھٹیا الزام اب عشیہ کو دکھ نہیں دیتے تھے بلکہ غصہ دلاتے تھے کیونکہ عشیہ بچپن سے ان الزامات کی عادی تھی، ان کی ماں کو بدگمان ہونے اور الزام لگانے میں لمحہ نہیں لگتا تھا۔

''ہیام نے اور کیا کہا؟'' عشیہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''اس نے جو بھی کہا، پہلے تم بتاؤ، کہاں تھی تم؟ اتنی دیر سے کیوں آئی؟'' عمکیہ نے اگ بگولا ہو کر کہا تھا، عروفہ کے کان بھی کھڑے ہو گئے تھے، وہ عشیہ کا جواب سننا چاہتی تھی۔

''وہ... میں۔'' اب کہ عشیہ ہکلا گئی، بھلا عمکیہ کو کیا بتاتی؟ ندی کا وہ پل، جہاں پہ ایک اجنبی سے تصادم ہوا، نتیجے میں مورے کی دوائیوں والا نسخہ وقت کی طرح ہاتھ سے ایسے پھسل کر پانی میں گرا تھا کہ دوبارہ پھر ہاتھ نہیں آیا، پھر اسے دل پہ ہونے والی واردات کا خیال آیا تا جب وہ اندھا دھند بھاگتی ہوئی اپنے علاقے سے بہت دور چلی گئی تھی جہاں پہ شاہوار ہو ٹکرا گیا اور نہ صرف ٹکرایا بلکہ عشیہ کو کمال مہربانی سے گھر بھی چھوڑ گیا۔

اس نے ندی کے پل پہ ٹکرانے والے اجنبی اور دل پہ گزرنے والی نئی نئی واردات کو حذف کر کے صرف اتنا بتایا تھا کہ اس سے مورے کی دواؤں والا نسخہ کھو گیا، جس کی تلاش میں اتنے گھنٹے خوار ہونے کے بعد وہ گھر لیٹ پہنچی تھی اور جب عمکیہ کو نسخہ ضائع ہو جانے کا پتا چلا تو وہ بے ساختہ چیخ پڑی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟ کیا تم مورے کی دوائی نہیں لائی؟''

''کہاں سے لاتی؟ نسخہ تو گر گیا تھا۔'' عشیہ نے مری مری آواز میں بتایا۔

''تمہارا دماغ صحیح ہے عشیہ، اب مورے کو کیا جواب دو گی؟ وہ تو پہلے ہی تمہیں معاف کرنے والی نہیں، اس کارنامے کے بعد مزید کوئی توقع نہ رکھنا، وہ تمہیں نہیں چھوڑیں گی۔'' عمکیہ سر تھامے بولتی چلی گئی تھی، عشیہ کی گھبراہٹ بڑھ گئی۔

''عمکیہ! تم کچھ کرو۔'' وہ رونے والی ہو گئی۔

''کیا کروں؟ تم نے کوئی کسر چھوڑی ہے کیا؟'' عمکیہ دہاڑی۔

''مورے تو میرا قیمہ بنا دیں گی، میں اسی خوف سے گھر نہیں آ رہی تھی۔'' وہ زیر لب

بڑبڑائی۔

''گھر نہ آ کر تم سب سے بڑی غلطی بلکہ گناہ کرتی، جس کا کوئی ازالہ ممکن نہیں تھا۔'' عمکیہ نے جیسے اس کی عقل کو کوسا۔

''اب کیا ہوگا؟'' عشیہ کانپ رہی تھی، مورے کے غصے کا خوف ہراساں کر رہا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہوگا، مجھے تو مورے کی دوائیوں کا غم کھائے جا رہا ہے، رات کو ان کی طبیعت بگڑ گئی تو کیا کریں گے؟'' عمکیہ کا تفکر بھی بجا تھا۔

''تم ایسی لاپرواہ تو نہیں تھی۔'' عمکیہ نے پھر سے پر تپش نگاہوں سے اسے گھورا۔

''سمجھ نہیں آیا کہ نسخہ کیسے گرا۔'' وہ نگاہ چرا کر غلط بیانی کر رہی تھی، اسے خوف تھا عمکیہ اس کے دل کا حال نہ پڑھ لے، ندی کے اس پل پہ نہ صرف دوائیوں کا نسخہ کھو گیا تھا بلکہ عشیہ کا دل بھی کہیں کھو گیا تھا، وہ اپنی بدلتی کیفیت پہ اب بھی حیران تھی۔

''اور تم اتنی رات کو اکیلی کیسے آئی؟ اب تک تو کوئی سواری بھی نہیں ملتی۔'' اسے اتنی اہم بات پوچھنے کا خیال اب آیا، عشیہ پھر سے نظر چرا گئی تھی۔

''خاموش کیوں ہو، جواب دو۔'' عمکیہ کا لہجہ سخت ہوا، عشیہ مسلسل انگلیاں مروڑتی گھبرا رہی تھی، آج تو ہر طرف سے وہ بری ہی پھنسی تھی، لگتا تھا آج اس کے ستارے گھوم رہے تھے۔

''عشیہ!'' اس کی مسلسل خاموشی پہ وہ بھنا اٹھی۔

''وہ دراصل میں نے کسی سے لفٹ لی تھی۔'' عشیہ کو گھبرا کر بتانا ہی پڑا، گو کہ یہاں لفٹ لینے والا ماحول ہی نہیں تھا پھر بھی عشیہ کبھی کسی سائیکل سوار یا گدھا گاڑی کی خدمات حاصل کر لیا کرتی تھی۔

''کس پہ آئی ہو؟ سائیکل، رکشہ یا ریڑھی پہ؟'' عمکیہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''میں جیپ پہ۔'' اس سے جھوٹ بولا نہیں گیا۔

''کس کی جیپ پہ؟'' عمکیہ بری طرح ٹھٹکی اور چونک تو باہر کھڑی عروفہ بھی گئی تھی، اس کے مطلب کا سوال تو عمکیہ نے اب کیا تھا، وہ کیوں نہ چوکنا ہو جاتی۔

''پلیز عمکیہ تم کسی کو بتانا مت، مورے اور عروفہ کو بھی نہیں، کیونکہ عروفہ کے پیٹ اندر کوئی بات نہیں ٹکتی۔'' اس نے لجاجت سے عمکیہ کے دونوں ہاتھ تھام لئے، باہر کھڑی عروفہ کی رگیں تن گئی تھیں۔

''اب بات بھی چکو۔'' عمکیہ نے ناگواری سے کہا۔

''شاہوار بنو ہے نا، وہی روز گل ہوٹل کے قریب ہٹ والا، اسی کے ساتھ آئی ہوں۔'' اس نے اعتراف جرم کرتے ہوئے باقی تفصیل بھی بتا دی تھی کہ کیسے شاہوار بنو تک وہ پہنچی، عمکیہ کا اس انکشاف پہ اوپر والا سانس اوپر رہ گیا تھا۔

''تم شاہوار بنو کے ساتھ آئی ہو؟ تم پاگل ہو عشیہ، اس کے ساتھ تم کیوں آئی، کیا تم نہیں جانتی، شاہوار بنو کون ہے؟'' عمکیہ نے آگے بڑھ کر عشیہ کے منہ پر جارحانہ انداز میں تھپڑ مارا تھا یوں کہ عروفہ کے سینے میں اس تھپڑ کی گونج سے ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

دوسری اور آخری قسط

اقصیٰ نے اسے بہاولپور اپنی دوست عذرا سکندر کے پاس بھیجا تھا، وہ اور عذرا بچپن کی دوستیں تھیں، پرائمری تک وہ دونوں ایک ساتھ پڑھیں تھیں پھر اقصیٰ کے والد کی لاہور پوسٹنگ کے بعد اقصیٰ کی فیملی لاہور آ گئی تھی تو رابطہ خطوں عید کارڈز اور کبھی کبھی کی جانے والی کالز تک محدود ہو گیا تھا، یا پھر عید شب برات پر یا خاندان وغیرہ میں ہونے والی خوشی وغمی پر بہاولپور جانے پر ملاقات ہوتی لیکن ان کے درمیان جو تعلق تھا وہ بہت مضبوط اور نہ ٹوٹنے والا تھا، عذرا کا تعلق ایک خاصے غریب خاندان سے تھا اس کے والد امام مسجد تھے اور ان کے گھر کے حالات ایسے ہی تھے جیسے عموماً پاکستان میں کسی بھی امام مسجد کے گھر کے ہو سکتے تھے، عذرا کی شادی میٹرک کرنے کے فوراً بعد کر دی گئی تھی اور وہ اب اپنے شوہر دو بچوں، ساس، سسر اور دو نندوں کے ساتھ رہتی تھی اور وہ ایک ایسی ہی زندگی گزار رہی تھی جیسی کوئی بھی کسی غریب خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک شریف اور دبو قسم کی لڑکی گزار سکتی تھی، سمجھوتے بھری اور تکلیف دہ زندگی، شوہر اچھا تھا مگر جب تک جب تک کمرے میں رہتا باہر نکل کر وہ ایک اچھا شوہر نہیں اچھا بیٹا بن جاتا تھا اور ایک اچھا بیٹا اپنی ماں بہنوں کو خوش رکھنے کے لئے بیوی کو برا بھلا کہنے سے لے کر دو چار گالیاں بھی دے سکتا ہے اور کبھی موقع بن جائے تو دو چار لگانے میں بھی عار محسوس نہیں کرتا۔

یہ ساری چیزیں تھیں جو اقصیٰ نے اسے نہیں بتائیں تھیں یہ وہ ساری چیزیں تھیں جو اس نے خود آ کر دیکھیں تھیں، انجان شہر اور نئی جگہ پر پیشانی اپنی جگہ تھی ڈر خوف اور وسوسے اپنی جگہ، اقصیٰ کے بہت سارے اطمینان دلانے کے باوجود بھی وہ اپنے اندر کے خوف کو دور نہیں کر پائی تھی، بلکے

مکمل ناول

وہ کبھی ملے وہ کہیں ملیں
سحرش بانو

PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

سبز رنگ کے سال خوردہ دروازے کو کھٹکھٹاتے ہوئے بھی وہ اندر سے انتہائی خوف زدہ تھی۔

''کون؟'' دروازہ ایک ساٹھ سال کی خاتون نے کھولا تھا اور اسے اوپر سے نیچے گھورتے پوچھا تھا۔

''عذرا ہیں؟'' لبوں پر زبان پھیرتے اس نے دھیمی سی آواز میں پوچھا تھا۔

''ہاں مگر کون ہو تم؟'' وہ خاتون مزید ایک قدم آگے آگئیں تھیں۔

''میں..... میں امن ہوں۔''

''کون امن؟'' سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

''امن آپ آگئی ہو آجاؤ اندر دروازے پر کیوں کھڑی ہیں۔'' ان خاتون کے پیچھے سے ابھرنے والی آواز پر اس کے ساتھ ساتھ ان خاتون نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا تھا، عذرا اس سے اتنے اچھے طریقے سے ملی تھی کہ اسے اپنا خوف اور ڈر ہوا میں تحلیل ہوتا محسوس ہوا تھا، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ اس سے پہلی بار مل رہی ہے۔

شام میں وہ اسے اپنے والدین کے گھر لے آئی تھی چھوٹا سا گھر تھا سادگی ہر چیز سے ٹپک رہی تھی اور اس کے ماں باپ کے چہروں پہ چمکتی شرافت اور محبت، وہ اس سے اتنے پیار سے ملے تھے کہ بے اختیار ہو کے اس کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں، وہاں کسی نے بھی اسے کرید انہیں تھا ٹٹولا نہیں تھا، کیا تھا کیوں تھا کیسے تھا انہیں جیسے اس چیز سے سروکار ہی نہیں تھا۔

''بری چیزیں آپ کو تب تک ہی تکلیف دیتی رہتی ہیں جب تک آپ انہیں یاد کرتے رہتے ہیں، جس دن آپ انہیں ذہن سے نکال دیتے ہیں آپ کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے، ایک بار اس نے انہیں اپنے بارے میں سب بتانے کی کوشش کی تھی تب انہوں نے کہا تھا، جو گزر گیا اچھا تھا یا برا اسے بھول جانے کی کوشش کی جائے، آگے کی طرف دیکھیں اور اللہ پہ یقین رکھیں، وہ آپ کے لئے بہت بہتر کرے گا، اس نے جو لے لیا ہے اسی لئے لیا ہے کیونکہ وہ آپ کے حق میں بہتر نہیں تھا جو دے گا اسی لئے دے گا کیونکہ وہ آپ کے حق میں بہترین ہو گا۔'' وہ اسے اکثر سمجھاتے اور ان کی باتوں کا اثر تھا کہ اس کے اندر ٹھہراؤ آنا شروع ہو گیا تھا، عبدالکریم اور ان کی بیوی کے ساتھ رہتے اسے تین ماہ ہو گئے تھے اور ان تین ماہ میں وہ ان کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔

وہ اسے عذرا کی طرح ہی سمجھتے اور ٹریٹ کرتے تھے اور ان کے اصرار پر ہی اس نے انہیں بابا اور اماں کہنا شروع کر دیا تھا، ان تین ماہ میں تین چار بار اس کی اپنی ماں سے بات ہوئی تھی اور اس نے انہیں اپنی طرف سے مکمل اطمینان دلانے کی کوشش کی تھی، وہ ٹھیک ہے وہ خوش ہے؟ یہی دو چیزیں تھیں جن کے بارے میں اس کی ماں بار بار پوچھ رہی تھی اور یہی دو باتیں تھیں جن کا وہ انہیں بار بار اطمینان دلا رہی تھی۔

☆☆☆

اسے بہاولپور عبدالکریم کے گھر رہتے چھ ماہ ہو گئے تھے، چھ ماہ پہلے اس نے صرف لاہور نہیں چھوڑا تھا اپنے پیچھے بہت ساری کہانیاں اور قصے بھی چھوڑے تھے، چھ ماہ پہلے بہت ساری چیزیں ایسی تھیں جو اس کی زندگی سے نکل گئی تھی بہت ساری چیزیں ایسی تھیں جو اس نے خود اپنی زندگی سے نکال دی تھیں، سوائے اس محبت نامی شے کے جو اسے اس شخص سے تھیں جو اب اس کی زندگی میں کہیں نہیں تھا اور جس کی واپسی کا ہر

امکان کسی گہری دھند میں گم ہو چکا تھا اس نے اقصیٰ سے کہا تھا وہ اس شخص کو کبھی یاد نہیں کرے گی اس نے سچ کہا تھا یاد کرنے کی نوبت تب آتی جب وہ بھی کسی لمحے اسے بھول پاتی، اقصیٰ ہر دوسرے چوتھے روز اسے کال کرتی، اس کے پاس امن کے لیے بہت ساری تسلیاں ہوتیں، دلاسے ہوتے کتنی کتنی دیر وہ اسے سمجھاتی رہتی وہ جو بھی کہتی امن خاموشی سے سنے جاتی، سمجھنا فی الحال اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

''زندگی ایسے نہیں گزرتی امن، حادثے کتنے ہی بڑے یا تکلیف دہ کیوں نہ ہوں ان سے آگے نکلنا پڑتا ہے، زندگی سے کچھ چیزیں نکل جاتیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ زندگی ختم ہو گئی ہے، کچھ چیزیں صرف کچھ چیزیں نہیں ہوتیں، وہ انسان کا سب کچھ ہوتیں ہیں، کچھ چیزوں کے چلے جانے کا واقعی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ زندگی ختم ہو گئی ہے مگر میں تمہیں بتاؤں زندگی میں سے وہ چند چیزیں نکل جاتیں ناں تو پھر زندگی جینے کے لیے کچھ بچتا بھی نہیں ہے، کچھ سکے کھونے بھی ہوں تو انہیں پھینکا نہیں جاتا آپ انہیں پھینک ہی نہیں سکتے۔'' وہ رو پڑتی تب اقصیٰ خاموش ہو جاتی۔

''زخم بھرنے میں جتنا وقت لگتا ہے انہیں بھولنے میں اس سے بھی کہیں زیادہ لگتا ہے۔''

☆☆☆

رات ساڑھے نو بجے کا وقت تھا جب وہ سیاہ مرسیڈیز وہاں آ کے رکی تھی، گاڑی رکتے ہی فرنٹ ڈور کھول کر وہ مرد اس میں سے نکلا تھا، بلیک تھری پیس میں ملبوس نفاست سے بنے بال شاندار سراپا اور باوقار سی چال اس مرد کو بہت گریس فل سی شخصیت بنانے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے، اس نے گھوم کر سائیڈ ڈور کھولا تھا اب کی بار نکلنے والی عورت تھی، عورت بہت خوبصورت تھی اور سیاہ لباس میں اس کا حسن رات کی تاریکی میں چمکنے والے چاند کی نور کی طرح ہی مسحور کن اور دلکش تھا مگر یہ صرف اس کی خوبصورتی نہیں تھی جو کسی بھی نظر کو اس پہ ٹھہر جانے اور ٹھٹک جانے پر مجبور کر دیتی تھی یہ اس کی چال اس کے انداز اور ایک ایک ادا سے جھلکنے والی بے نیازی اور نزاکت بھی تھی جو اسے سینکڑوں کے مجمعے میں بھی ممتاز بنا سکتی تھی، اس کے نیچے اترتے ہی مرد نے ذرا سا جھکتے اس کے کان میں کچھ کہا تھا جسے سن کر ایک لمحے کو وہ ٹھٹکی تھی دوسرے ہی لمحے اس کی شفاف ہنسی کی جلترنگ بج اٹھی تھی، روش پر قدم سے قدم ملا کر چلتے وہ دونوں اندر آ گئے تھے، ریزروڈ ٹیبل کی طرف بڑھتے ان دونوں کی طرف بہت سارے لوگوں نے خاصے حیرت بھرے انداز میں دیکھا تھا، مرد نے پہلے چیئر گھسیٹ کر اسے بیٹھنے کی دعوت دی تھی پھر اس کے مقابل چیئر سنبھال لی تھی، اردگرد بیٹھے بہت سارے لوگوں کی نظریں ابھی بھی اس ٹیبل کے طواف میں مصروف تھیں جہاں بیٹھے مرد کی عمر لگ بھگ پچاس سال کے قریب تھی مگر خود کو فٹ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کے بعد وہ بمشکل چالیس کا نظر آتا تھا اور اس کے مقابل بیٹھی عورت کی عمر فقط پچیس سال تھی یہ الگ بات تھی کہ وہ بیس کی بھی نظر نہیں آتی تھی، آرڈر نوٹ کروانے کے بعد مرد نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ڈائمنڈ سیٹ نکالا تھا اور ڈرتے ڈرتے سامنے بیٹھی عورت کی طرف بڑھایا تھا، ان دونوں کی شناسائی کو چھ ماہ ہو گئے تھے اور ان چھ ماہ میں لاتعداد گفٹس تھے جو وہ اس عورت کے لیے خرید چکا تھا اور جنہیں لینے سے وہ انکار کر چکی تھی، اسے بہت کم اور بہت مشکل سے چیزیں پسند آئی تھیں اتنی مشکل سے کبھی کبھی

دنیا کے کسی بھی بہترین اور مہنگے شاپنگ مال سے بھی وہ بنا کچھ لئے واپس آ جایا کرتی تھی گھنٹوں کے حساب سے گھومنے اور ڈھونڈنے کے باوجود بھی اسے اس کی مرضی اور پسند کی چیز نظر ہی نہیں آتی تھی ملنا تو دور کی بات تھی، اس کے ساتھ خوار ہوتے وہ بھی کبھی اکتا جاتا کبھی تھک جاتا جھنجلا جاتا اور کبھی کبھی اسے اس عورت کی مستقل مزاجی اور پاگل پن پہ حیرت ہوتی، مگر جب کبھی وہ اپنی مرضی اور پسند کی چیز لے کر اسے دکھاتی تو وہ تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتا تھا، اس کی پسند واقعی لاجواب ہوتی تھی اور واحد عادت نہیں تھی جو اس میں عجیب تھی اس عورت کے اندر ایسی بہت ساری عادات تھیں جن پر وہ صرف حیرت کا اظہار کر سکتا تھا، وہ لڑنے پہ آتی تو کسی بھی معمولی سے معمولی بات پہ اور کسی حقیر سے حقیر چیز کے لئے اور معاف کرنے اور دے دینے پہ آتی تو بڑی سے بڑی بات اور بڑی سے بڑی چیز بھی دے دیتی تھی، تعلق نبھانے کی بات آتی تو کسی دور کے شناسا کے لئے بھی جان دینے کو حاضر تعلق توڑنے پہ آتی تو قریبی سے قریبی رشتہ اور تعلق بھی توڑتے سیکنڈ نہ لگاتی تھی، مستقل مزاج ایسی کہ کبھی کبھی پاگل پن میں شمار ہونے لگتا، اسے جو چاہیے ہوتا اسے بس وہی چاہیے ہوتا، نہ کم نہ زیادہ نہ، وہ عجیب عورت تھی اور اتنی عجیب تھی کہ صرف حیران ہوا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

''یہ میں تمہارے لئے لایا تھا۔'' اس نے ڈائمنڈ سیٹ ٹیبل پہ رکھتے کہا تھا، وہ بے نیازی سے دیکھ رہی تھی۔

''میری قیمت طے کر رہے ہو؟'' اس نے اچانک پوچھا تھا مرد چونک گیا۔

''اگر تم ایسا کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو غلط کر رہے ہو کیونکہ میری قیمت طے کرنا یا ادا کرنا کم از کم تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تم...... تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' وہ ہڑبڑایا تھا۔

''میں ایسا کچھ سوچ بھی کیسے سکتا ہوں، میں محبت کرتا ہوں تم سے۔'' وہ اب سنبھل گیا تھا۔

''کتنی محبت؟'' ابرو اچکا کر اس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''گن نہیں سکتا ناپ نہیں سکتا بتا نہیں سکتا۔'' مرد نے معذوری ظاہر کی تھی اس کے لبوں پر بے بسی میں ڈوبی مسکراہٹ تھی۔

''اور اگر میں سوال کروں کہ اپنی اس محبت کو ثابت کرنے کے لئے تم کیا کر سکتے ہو تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟''

''اپنی جان دے سکتا ہوں کسی دوسرے کی لے سکتا ہوں اس سے زیادہ کا مجھے پتہ نہیں۔'' اطمینان بھرے لہجے میں اس نے وہ الفاظ کہے تھے جو سامنے بیٹھی عورت کو خوش کر سکتے تھے مطمئن کر سکتے تھے، وہ چند ثانیے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی تھی بنا پلک جھپکے، وہ ذرا سا آگے جھکا تھا۔

''شادی کرو گی مجھ سے؟'' عورت نے پلک نہیں جھپکی تھی سانس نہیں لی تھی، اس کی نظریں سامنے بیٹھے مرد کے چہرے پر جمیں تھیں، مرد کی سوالیہ نظریں اس کے پورے وجود کے گرد گھوم رہیں تھیں بالآخر اس عورت نے گہرا سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور آگے ہوتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

بہاولپور رہتے اسے سال بھر کا عرصہ ہو گیا تھا اور اس ایک سال میں وہ کافی حد تک وہاں سیٹ ہو گئی تھی، اس ایک سال میں بہت ساری

تبدیلیاں تھیں جو اس میں آئیں تھیں ایک پرائیویٹ سکول میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ اس نے چند بچوں کو ٹیوشن پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا اور اپنی ضرورت کے پیسے رکھ کر وہ باقی رقم اپنی ماں کو بھیج دیا کرتی تھی اس نے عبدالکریم صاحب کو بھی پیسے دینے کی کوشش کی تھی وہ پیسے تو کیا لیتے الٹا ناراض ہو گئے تھے یہ ماں باپ بیٹیوں سے خرچ کے پیسے کب سے لینے لگے؟

''میں بوجھ نہیں بننا چاہتی آپ پہ۔''

''آپ بوجھ ہیں بھی نہیں میرے لئے آپ رحمت ہیں ہمارے گھر کے لئے، پہلے مہمان کی صورت اب بیٹی کی صورت۔'' وہ کتنی ہی دیر ان کے چہرے کو دیکھتی رہی تھیں۔

اتنے اچھے لوگ بھی اس دنیا کا حصہ ہیں؟ اس نے کئی بار سوچا تھا، بہت ساری ایسی مثبت تبدیلیاں بھی تھیں جو اس میں آنے کی وجہ وہ دونوں تھے، ان کے کہنے پر اس نے نماز کی پابندی شروع کر دی تھی۔

''نماز پڑھنے کے بجائے اسے ادا کرنے کی کوشش کیا کیجیے۔'' وہ اسے ہدایت کرتے۔

''آپ شکر ادا کرنے کی کوشش کیا کریں آپ کی زندگی میں سکون آنا شروع ہو جائے گا۔'' ایک بار انہوں نے اسے کہا تھا۔

''میری زندگی میں ایسی کوئی چیز ہے جس کے لئے میں شکر ادا کرتی پھیروں؟'' اس نے اچنبھے سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ پچھلے چھ ماہ سے ہمارے ساتھ ہیں میں آپ کو دس ایسی چیزیں گنوا سکتا ہوں جن کے لئے شکر ادا کرنا آپ پہ واجب تھا مجھے حیرت ہے پچھلے بیس سالوں میں آپ کو کوئی ایک بھی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس کے لئے آپ اس کا شکر ادا کر سکیں؟'' اس کی نظریں جھک گئیں تھیں۔

''شکر کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے جانتی ہیں کیوں؟'' اس نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

''لوگ کہتے ہیں صبر کرنا مشکل ہوتا ہے میں آپ کو بتاؤں آسان شکر کرنا بھی نہیں ہوتا، صبر کچھ عرصے کے لئے ہوتا ہے شکر ساری زندگی کے لئے ہوتا ہے، شکر صرف یہ نہیں ہے کہ آپ اللہ کی دی نعمتوں کے لئے اس کے احسان مند ہوں شکر یہ بھی ہے کہ آپ ہر اس چیز پر مطمئن ہو جائیں جو آپ کو دے دی گئی ہے اور مطمئن ہو جانا اس دنیا کا سب سے مشکل کام ہے، آپ یہ مشکل کام کر لینا سیکھ لیں آپ کے لئے پھر کوئی مشکل مشکل نہیں رہے گی اور یہ انہی دنوں کی بات ہے جب اسے کوثر خالہ کی کال آئی تھی اور اکثر ایسے فون کرتی رہتی تھیں، سوائے حیرت نہیں ہوئی اس نے معمول کے انداز میں ان سے بات کی تھی، اسے خبر نہیں تھی آج کے بعد اس کے لئے کوئی بھی چیز معمول پہ نہیں رہنے والی تھی، کوثر خالہ نے جو اسے بتایا تھا وہ اس کے لئے ایک خبر نہیں تھی، ایک حادثہ نہیں تھا ایک مصیبت نہیں تھی ایک قیامت تھی، ایسی قیامت جو برپا ہوئی تھی اور اس کا سب کچھ اس کی نذر ہو گیا تھا، اسے لگا آج اس کے پاس کچھ نہیں بچا اسے صحیح لگا تھا کیونکہ آج اس کی ماں مر گئی تھی۔

☆☆☆

وہ گھر کے دروازے پہ کھڑی تھی اور اس کے سامنے وہ شخص تھا جسے دنیا اس کے باپ کے نام سے جانتی تھی اور جس سے اسے اتنی نفرت تھی کہ وہ دعا کیا کرتی تھی کہ وہ کبھی اس شخص کا چہرا زندگی میں دوبارہ نہ دیکھے، وہ دروازے پہ کھڑی تھی چوکھٹ سے باہر سامنے کھڑے شخص نے اسے اندر نہیں آنے دیا تھا، اس کی التجاؤں کے

باوجود شمن کے رونے اور منتیں کرنے کے باوجود عبدالکریم صاحب سے لے کر محلے کے چند بزرگوں کے سمجھانے کے باوجود، وہ اسے گالیاں دے رہا تھا اور اسے اس کی ماں کی موت کا ذمہ دار قرار دے رہا تھا، وہ اس کے لئے وہ الفاظ استعمال کر رہا تھا جو کوئی بھی مرد کسی دوسرے کی بیٹی کے لئے استعمال نہیں کرتا وہ اپنی بیٹی کے لئے استعمال کر رہا تھا، وہ تماشا بنا رہا تھا وہ تماشہ دکھا رہا تھا، وہاں کھڑے تمام لوگ ان دونوں کو کتنی عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں اس چیز کا احساس دونوں کو ہی نہیں تھا، اسے لوگوں کی نظریں دکھائی نہیں دے رہی تھیں اسے اپنے باپ کی گالیاں سنائی نہیں دے رہی تھیں، اس کی نظریں اس کے کان اس کا ہر احساس چارپائی پر لیٹی اس عورت سے لپٹا تھا جو اس کی ماں تھی اور جسے وہ آخری بار دیکھ لینا چاہتی تھی چوم لینا چاہتی تھی، وہ اس کی ماں تھی وہ ایسے کیسے جاسکتی تھی اسے کچھ بھی کہے بنا اس کی ایک بھی سنے بنا، کوئی سرگوشی کوئی نصیحت وہ اپنی ماں کے بند لبوں سے بھی سن لے گی سمجھ لے گی، مگر ایک بار ایک بار وہ اس چارپائی تک پہنچ جائے جہاں اس کی ماں لیٹی تھی، اسے کوشش تو کرنی چاہیے ایک کوشش آخری کوشش، وہ آگے بڑھی اور اپنے باپ کے قدموں میں گری تھی وہ ''اپنی غلطی'' کی معافی نہیں مانگ رہی تھی وہ ایک بار آخری بار اپنی ماں کو دیکھنے کی اجازت مانگ رہی تھی، اپنے باپ کے قدموں پہ سر رکھے وہ التجا کر رہی تھی کہ وہ ایک بار اسے اس کی ماں سے ملنے دے، اس کا باپ چند ثانیے یونہی کھڑا رہا تھا پھر اس نے ایک زوردار ٹھوکر اسے مارتے گالی دی تھی ٹھوکر لگنے سے وہ دور جا گری تھی اور اس کے باپ نے ٹھک سے دروازہ بند کر دیا تھا یہ اس کی طرف سے ملنے والا وہ جواب تھا جو اس نے امن کی التجاؤں کے جواب میں دیا تھا۔

وہ اسے بہت مشکل سے واپس اپنے ساتھ لائے تھے وہ واپس آنے کو تیار نہیں تھی اور وہ اسے وہاں اکیلے چھوڑنے کو، ان کے اصرار اور اقصیٰ کے سمجھانے پر وہ ناچار آگئی تھی مگر جب سے آئی تھی خاموش تھی اور اس کی آنکھوں کے سوتے انتہائی خشک اور یہی چیز ان کے لئے باعث تشویش تھی، جو دکھ بانٹ نہیں لیے جاتے وہ لاوا بن جاتے ہیں اور لاوا جب پھٹتا ہے تو اپنے ساتھ بہت ساری تباہی لے کے آتا ہے، ان کی کوشش تھی وہ رو لے تاکہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے، وہ کہہ دے وہ سب جو اس کے اندر ہے وہ آتش فشاں نہ بن جائے اور بالآخر تیسرے دن وہ پھٹ پڑی تھی۔

''آپ کہتے ہیں میں شکر کروں آپ بتائیں میں کس چیز کے لئے شکر کروں؟ آپ کہتے ہیں میں صبر کروں آپ بتائیں میں کس کس چیز کے لئے صبر کروں؟'' وہ سر جھکائے بیٹھے تھے اور سکون اور تسلی سے اسے اپنے اندر کی بھڑاس نکال دینے کا موقع دے رہے تھے۔

''ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے مگر اس ذلت و رسوائی کی کوئی حد نہیں ہے جو اس نے میرے نصیب میں لکھ دی ہے پہلے مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی اس نے مجھے دنیا میں کس لئے بھیجا ہے، اب آگئی ہے اس نے مجھے دنیا میں ذلیل ہونے کے لئے بھیجا ہے ہر انسان کو کوئی مقصد دے کر بھیجا جاتا ہے مجھے ذلت سمیٹنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔'' وہ رو نہیں رہی تھی مگر انہیں اس پر وہ ترس آ رہا تھا جو شاید وہ رو رہی ہوتی تو نہ آتا۔

''اس نے مجھے کچھ نہیں دیا مجھے اس کا شکوہ نہیں جو میرے پاس تھا اس نے وہ سب بھی لے

لیا مجھے صرف اس کا ملال ہے، میرے پاس رشتوں کے نام پہ کچھ نہیں بچا چیزوں کا تو حساب ہی کیا، میں اپنے رشتے گننے لگوں تو میری ایک انگلی کی تین پوریں بھی پوری نہیں ہوں گی، میرے پاس کچھ نہیں تھا میرے پاس "ماں" تھی میرے پاس سب کچھ ہو گا تو بھی ماں نہیں ہو گی، میرے پاس فخر کرنے، روز گننے کو، بتانے اور دکھانے کو واحد اثاثہ میری ماں تھی اس نے میرے اس اثاثے کو بھی میرا نہیں رہنے دیا آپ کہتے ہیں شکر کرنا مشکل ہوتا ہے میں آپ کو بتاؤں کچھ لوگوں کے لئے یہ ناممکن بھی ہوتا ہے۔" وہ رو رہی تھی قطرہ قطرہ اور دریا دریا رو رہی تھی، وہ ترحم بھرے انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

رات بارہ بجے کا وقت تھا جب وہ سیاہ مرسڈیز پورچ میں آ کے رکی تھی، ہارن کی آواز پہ ڈرائنگ روم میں حالت انتظار میں بیٹھے شخص نے بے اختیار وال کلاک کی طرف دیکھ کر کلمہ شکر ادا کیا تھا اور یہ کلمہ اس نے اکیلے نہیں پڑھا تھا اس کے ساتھ موجود وہاں بیٹھی ان دونوں عورتوں نے بھی پڑھا تھا جن کے ساتھ اس کا انتہائی گہرا اور مضبوط رشتہ تھا، آنے والا وقت کا پابند تھا اور اس نے انہیں انتظار کی کوفت سے بچا لیا تھا، قدموں کی قریب آتی چاپ پر مرد نے بے اختیار ہو کے ان دونوں کی طرف دیکھا تھا، دائیں طرف بیٹھی عورت اس کی طرف متوجہ تھی جب کے بائیں طرف موجود عورت کھٹ کھٹ بٹن پریس کرتی اپنے سیل کی طرف متوجہ تھی اس کے چہرے پر اس وقت عجیب سی بے نیازی تھی یوں جیسے اسے وہاں موجود کسی بھی شخص سے کوئی سروکار نہ ہو، حالانکہ وہ اس وقت وہاں چلتی کہانی کا سب سے اہم اور مرکزی کردار تھی، مرد کو اس کی اس بے نیازی نے کوفت میں مبتلا کیا تھا وہ اس وقت اس کی پوری توجہ وہاں مرکوز ہوتے دیکھنا چاہتا تھا، اس نے کچھ پریشان اور شکایت کرتی نظروں سے ایک بار پھر اپنے دائیں طرف بیٹھی عورت کی طرف دیکھا تھا، وہاں سے اسے ریلیکس رہنے کا اشارہ ملا تھا۔

سکون بھری سانس لیتے وہ اندر داخل ہوتے شخص کی طرف متوجہ ہوا تھا، پرجوش سے سلام کا جواب اسی انداز میں دیتے وہ اس شخص کے استقبال کو آگے بڑھا تھا جو کبھی اس کا بزنس حریف ہوا کرتا تھا اور جسے آنے والے چند دنوں میں اس کا داماد بن جانا تھا۔

☆☆☆

نزاکت بھرے انداز میں سلائس کترتے اس نے اپنی ماں کی طرف انتہائی حیرت بھرے انداز میں دیکھا تھا۔

"آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس نے توس واپس پلیٹ میں رکھتے اپنی ماں سے پوچھا تھا اس کی ماں کو اطمینان ہوا اس کے لہجے میں حیرت تھی غصہ نہیں۔

"تم اگر کچھ دیر کے لئے خاموشی اور سکون سے مجھے سن لو تو میں اپنی بات کی وضاحت بہتر طریقے سے کر سکوں گی۔" اس کی ماں نے جان بوجھ کر اپنے لہجے کو التجا آمیز بناتے کہا تھا، اس نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا البتہ ایک کہنی میز پر ٹکا کر اس پر چہرا ٹکاتے وہ انہیں سننے کے لئے تیار ہو گئی تھی اور فی الحال ان کے لئے یہی کافی تھا، اگلے پندرہ منٹ تک وہ بولتیں رہیں تھیں اور وہ سنتی رہی تھی، اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھا تھا، وہ جاننا چاہ رہی تھیں کہ ان کے سمجھانے کا اس پر کتنا اثر ہوا تھا۔

"مجھے تھوڑا وقت دیں۔" اس نے ان کی

نظروں کا مفہوم سمجھتے کہا تھا انہوں نے خوشدلی سے سر ہلایا، انہیں اطمینان تھا وہ وہی کرے گی جو وہ چاہ رہی ہیں آخر کو وہ ان کی ہی بیٹی تھی اور باقی چیزوں میں بھلے نہ سہی مگر فائدہ اور خسارہ ناپنے میں اسے ان کی طرح ہی کمال حاصل تھا۔

''آپ کہتی ہیں میں اسے چھوڑ دوں آپ نے مجھے وجہ نہیں بتائی جسے بنیاد بنا کر میں اسے چھوڑوں۔'' اگلے تین دن کی خاموشی کے بعد اس نے ان سے پوچھا تھا وہ دونوں شام کی چائے پی رہی تھیں، یعنی وہ چھوڑنے کو تیار تھی، انہوں نے سرعت سے سوچا بس اسے بہانہ نہیں مل رہا تھا یعنی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

''وجہ میں بتا دیتی ہوں بنیاد تم بنا لینا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا ان کا موڈ یکدم سے خوشگوار ہو گیا تھا، وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی، وہ ذرا سا آگے جھکیں تھیں۔

''آپ جانتی ہیں وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔'' ان کی بات مکمل کرنے پر اس نے نفی میں گردن گھماتے کہا تھا۔

''وہ ایسا ہی کرے گا، یہ آسان نہیں ہے، تم چاہو تو زیادہ مشکل بھی نہیں ہے، ایک بات یاد رکھنا، ہر عورت کے آنسو ہر مرد کو تکلیف نہیں دیتے پر جس عورت کے آنسو جس مرد کو تکلیف دیں وہ اس کے لئے جان دے بھی سکتا ہے جان لے بھی سکتا ہے۔'' اس نے چونک کر اپنی ماں کو دیکھا تھا بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

☆☆☆
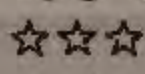
شہالے عباس نے اپنے سامنے بیٹھی عورت کے چہرے کو غور سے دیکھا اور اسے دکھ ہوا اس عورت کے چہرے پر موجود اذیت کو دیکھ کر اسے تکلیف ہوئی اس چہرے پر موجود آنکھوں میں رچے آنسوؤں کو دیکھ کر سامنے بیٹھی عورت کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ جھکا ہوا سر اس کی اذیت اور تکلیف میں اضافے کا باعث بن رہا تھا وہ زندگی میں بہت ساری چیزیں برداشت کر سکتا ہے سامنے بیٹھی عورت کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو نہیں، اس چیز کا پہلے اسے صرف اندازہ تھا اب یقین ہو گیا تھا، سامنے بیٹھی عورت کے چہرے کو دیکھتے اس نے بے اختیار ہو کے سوچا تھا کیا اس کی زندگی میں اس سے زیادہ تکلیف دہ کوئی لمحہ آ سکتا تھا جب یشل ابراہیم رو رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا زندگی کے کسی بھی موڑ پر وہ اتنی بے بس محسوس نہیں کر سکتا تھا جتنی اس وقت وہاں بیٹھے وہ محسوس کر رہا تھا۔

''تمہیں مجھے یہ سب بہت پہلے بتانا چاہیے تھا یشل۔'' اس نے شکوہ نہیں کیا تھا التجا کی تھی۔

''کیا بتاتی کیسے بتاتی کہ میرے باپ نے ہماری شادی کے لئے شرط رکھی ہے کہ تمہارا باپ اپنی دونوں فیکٹریز اس کے نام لکھ دے میں کس منہ سے آ کر تم سے کہتی کہ شہالے میرا باپ میری قیمت وصول کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے دولت اس دنیا کی ہر چیز سے اہم ہے اور وہ اسے حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے اپنی اکلوتی بیٹی کو بیچ بھی سکتا ہے، دنیا میں سب سے بری عادت لالچ ہے اور میرے باپ میں یہی ایک عادت پائی جاتی ہے۔'' وہ بتاتے ہوئے پھر سے رو پڑی تھی شہالے عباس نے یکدم اپنی بے بسی میں اضافہ ہوتے محسوس کیا۔

''تم بتاؤ میں تمہارے لئے ایسا کیا کر سکتا ہوں جو تمہاری آنکھوں سے گرتے ان آنسوؤں کو روک سکے۔''

''تم میرے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔''

''صرف میں ہی ہوں جو تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں۔'' اس نے یقین دلاتے

لہجے میں کہا تھا۔

"میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔"

"اگر کوئی چیز مجھے پریشان کرے گی تو وہ یہ کہ تم مجھے خود سے الگ سمجھو۔" وہ چند سیکنڈز کے لئے چپ رہ گئی تھی۔

"اگر وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی فیکٹریز انہیں دے دیں تو ایسا ہی ہوگا، اس دنیا کی کوئی بھی شے اتنی قیمتی نہیں ہو سکتی کہ وہ تمہارا مقابلہ کرے۔" ایک لمحے کو یشل ابراہیم کو اپنے خوش بخت ہونے پر فخر ہوا تھا۔

کیا یہ شخص ایسا تھا کہ اسے چھوڑ دیا جاتا؟ اس نے خود سے سوال کیا تھا اندر سے آتے والے جواب نے اس کی آنکھوں کو نمکین پانی سے بھر دیا تھا مگر صرف ایک پل کو دوسرے پل اس نے سر جھٹک دیا تھا۔

صرف محبت وہ چیز نہیں تھی جس کے سہارے زندگی گزاری جا سکے زندگی گزارنے کے لئے دوسری بہت ساری چیزوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے جو شہالے عباس اسے نہیں دے سکتا تھا پاکستان کے چند بڑے بزنس ٹائیکون میں شامل فیصل کیانی ہی اسے دے سکتا تھا۔

اس نے یشل ابراہیم کو یقین دلایا تھا کہ وہ اپنے باپ کو منا لے گا اور خود اسے دس فیصد بھی امید نہیں تھی کہ اس کا باپ اسے منع کر دے گا اس کا باپ اس سے محبت کرتا ہے وہ یہ بات جانتا تھا اس کا باپ اسے کبھی انکار نہیں کر سکتا اس بات کا اسے یقین تھا، اس نے اپنے باپ سے آتے ساتھ ہی بات کی تھی۔

اس کا باپ اس کی بات کو مذاق سمجھا تھا اپنی سنجیدگی ثابت کرنے کے لئے اسے اپنی بات تین بار دوہرانی پڑی تھی تب اس کا باپ کئی لمحوں تک اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا تھا۔

"دنیا میں اس وقت جتنے بھی احمق موجود ہیں اگر سب کی لسٹ بنائی جاتی تو تمہارا نام سب سے پہلے آئے گا اس بات کا یقین ہو گیا ہے مجھے۔"

"آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"اچھا؟" اس کے باپ نے اس کی ریکویسٹ پر طنزیہ ہنکارا بھرا تھا۔

"اور تمہاری بات سمجھ کر کیا کرنا ہے مجھے؟ اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کے اس کے ہاتھ میں تھما دینے ہیں۔" اس کے باپ نے بلاتکلف ابراہیم سلطان کو گالی دیتے استفسار کیا تھا۔

"آپ میری پوری بات تو سن لیں۔" وہ اگلے آدھے گھنٹے تک بار بار اپنے باپ سے یہی کہتا رہا تھا مگر اس کے باپ کے انداز میں در آنے والی بے اعتنائی نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔

"ہر ریکویسٹ ہر منت ہر کوشش جو وہ اپنے باپ کو ماننے کے لئے کر سکتا تھا اس نے کی تھی بارہ سال کی محنت کے بعد ڈالے نے یہ امپائر کھڑی کی ہے اور تم چاہتے ہو میں اپنے بیٹے کی بارہ سال کی محنت یونہی کسی کے ہاتھ میں تھما دوں؟ تم میرے بیٹے ہو یہ تمہیں یاد ہے وہ بھی میرا بیٹا ہے تم یہ بات بھول رہے ہو؟" دوسرے دن پھر سے وہ دونوں باپ بیٹا آمنے سامنے تھے۔

"وہ رقم ادا کریں گے؟" اس نے پست لہجے میں کہنا چاہا تھا۔

"کس چیز کی؟ ان دن رات کی جو لگا کر ڈالے نے یہ سب بنایا ہے؟"

"ہمارے پاس صرف یہی دو فیکٹریز نہیں ہیں اور ہم اگر یہ انہیں بیچ بھی دیتے ہیں تب بھی

ہمیں فرق نہیں پڑے گا انہیں پڑے گا آپ جانتے ہیں وہ اس وقت کرائسس میں ہیں، ہمیں ان کی ہیلپ کرنی چاہیے۔"

"کرائسس میں نہیں ہے وہ خبیث انسان لالچ میں ہے وہ چاہتا ہے اسے ہر چیز بنی بنائی مل جائے۔" اس کے باپ نے اس کی ہر دلیل رد کر دی تھی۔

یشل ہر روز صبح شام اسے کال کرتی تھی، وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس نے اپنے باپ کو منا لیا ہے وہ اسے تسلی دیتا وہ بہت جلد منا لے گا، وہ پریشان تھا اور اس کی پریشانی میں اضافہ ہوا تھا جب اس کے باپ نے اس کی پھپھو کو کال کی تھی اس کے باپ کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہن کو سمجھائیں گے کہ وہ اپنے شوہر کو سمجھائیں اس کے باپ کا یہ خیال کتنا خام تھا اس کا پتہ انہیں اپنی بہن کے رویے سے لگا تھا، وہ پوری پوری اپنے شوہر کی ہمنوا تھیں اور ان کی یہ ہمنوائی برداشت کرنا اس کے باپ کے بس کی بات نہیں تھی سو لڑ جھگڑ کر فون بند کر دیا تھا۔

"ان کی بہن ابھی شوہر کی باتوں میں ہے وہ کل پھر اسے کال کریں گے یا ہو سکتا ہے ملنے چلیں جائیں اور اسے سمجھائیں گے انہیں یقین ہے وہ سمجھ جائے گی آخر کو وہ ان کی بہن ہے۔" اس کے باپ نے اس کی پریشان صورت دیکھ کر اسے تسلی دی تھی، وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ اب کبھی اسے سمجھانے کی نوبت نہیں آسکے گی۔

اگلی شام ابراہیم سلطان کا ڈرائیور ان کے گھر انگیج منٹ رنگ اور مختلف مواقع پر دیے گئے تحائف واپس دے گیا تھا۔

"جو رشتے مشکل میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتے وہ ان رشتے داروں کے بغیر زیادہ خوش رہ سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے شہالے عباس اور یشل ابراہیم کا رشتہ ختم کر دیا تھا۔

☆☆☆

ابراہیم سلطان کی فیملی نے ان سے تعلق ختم کرنے کے لئے ایک بہانہ تراشنے کی کوشش کی تھی ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ کوشش کامیاب ٹھہری تھی یہ بات دلاور عباس جانتے تھے شہالے عباس نہیں یہ بات انہوں نے اسے بتائی تھی اور اسے یقین نہیں آیا تھا، اسے یقین آ بھی نہیں سکتا تھا، بے یقینی کی جس کیفیت کا وہ شکار تھا اسے کسی بھی بات کا یقین اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے آ بھی کیسے آسکتا تھا، ایک ہفتہ پہلے یشل ابراہیم اس کے ساتھ تھی ایک ہفتے بعد اسے کہا جا رہا تھا اسے یشل ابراہیم کے بغیر زندگی گزارنی ہے کہنے والے کو کون سمجھاتا یشل ابراہیم کے بغیر زندگی گزارنا اس کے لئے مشکل نہیں تھا ناممکن تھا، اس کے ماں باپ بیٹھے ابراہیم سلطان کو گالیاں دے رہے تھے وہ سر جھکائے سوچ رہا تھا کہ اگر کبھی اسے یشل ابراہیم کے بغیر زندگی گزارنی پڑے تو وہ کتنے دن جی پائے گا۔

گننے کی ضرورت نہیں تھی سارا حساب اس کے سامنے تھا یہ دن نہیں تھے جو وہ یشل ابراہیم کے بغیر جی سکتا تھا یہ چند پل تھے جو اس نے اس زندگی کا تصور کرتے ہوئے گزارے تھے جو یشل ابراہیم کے بغیر گزاری جانے والی تھی۔

وہ اپنے باپ کے قدموں میں گر کر رو پڑا تھا، وہ مرد تھا اور رو رہا تھا اس عورت کے لئے جس سے اسے محبت تھی محبت رلاتی ہے اسے پتہ تھا مگر کس طرح سے رلاتی ہے اسے اب پتہ چل رہا تھا۔

"میرے ساتھ ایسا مت کریں، وہ عورت میرے لئے صرف ایک عورت نہیں ہے میری پوری دنیا ہے، میں اس کے بغیر مر جاؤں گا، یہ

ایک ڈائیلاگ نہیں ہے ایک دھمکی نہیں ہے ایک اعتراف ہے جو میں آپ کے سامنے کر رہا ہوں، آپ نے میرے لئے ہمیشہ بہت کچھ کیا ہے میں چاہتا ہوں آپ میرے لئے سب کچھ کر دیں، میری زندگی میں اس عورت کو واپس لے آئیں جس کی وجہ سے میرے لئے زندگی زندگی ہے۔"

وہ ان کے قدموں میں بیٹھ کر رو رہا تھا التجا کر رہا تھا، دلاور عباس نے آج سے پہلے خود کو کبھی اتنا بے بس نہیں پایا تھا، اس طرح سے ان کے سامنے آ کر کوئی بھی مرد روتا وہ اس کے لئے سب کچھ کر دیتے وہ تو ان کا اپنا بیٹا تھا۔

وہ پھر سے ابراہیم سلطان کے گھر گئے تھے وہ صلح کرنے آئے تھے حق پر ہونے کے باوجود وہ جھک گئے تھے مگر دیر ہو چکی تھی ابراہیم سلطان ان سے ملنے کا بھی روادار نہیں تھا صلح کرنا تو دور کی بات تھی۔

☆☆☆

یہ سان فرانسکو تھا جہاں وہ اس وقت موجود تھا سان فرانسکو وہ شہر جو ہمیشہ سے اس کا پسندیدہ رہا تھا، اپنی بیشتر چھٹیاں وہ اسی شہر میں گزارا کرتا تھا مگر اس بار وہ وہاں چھٹیاں گزارنے نہیں آیا تھا وہ یہاں یشل ابراہیم سے ملنے آیا تھا، انگیج منٹ ٹوٹنے کے دو ماہ بعد وہ اس سے رابطہ کر پایا تھا، دو ماہ تک وہ ہر روز ہر لمحہ اس کوشش میں رہا تھا اس کا رابطہ یشل ابراہیم سے ہو سکے وہ جب تک پاکستان میں تھی وہ اس سے رابطہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔

اس کا نمبر آف ملتا تھا گھر کے نمبر پر وہ کال کرتا اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیا جاتا وہ کئی بار ابراہیم سلطان کے گھر گیا تھا گھر کے باقی افراد اس سے ملے نہیں دیا گیا تھا، اس نے یشل ابراہیم کے تمام دوستوں سے رابطے کیے تھے ان سب نے اس سلسلے میں اس کی مدد کرنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی، اس نے عذیر سے مدد مانگی تھی وہ ان دونوں کا مشترکہ دوست تھا اور وہ تھا جو اس کے لئے کچھ کر بھی سکتا تھا عذیر نے اسے تسلی دی تھی اس کا جو حوصلہ بڑھایا تھا اسے امید دلائی تھی مگر یشل ابراہیم کو ایک بار اس سے ملنے کے لئے وہ تیار نہیں کر پایا تھا۔

"وہ بات ہی نہیں کرنا چاہتی تھی تمہارے متعلق اور تم چاہتے ہو میں اسے تم سے ملنے کے لئے مجبور کروں۔" اس کے بار بار کے اصرار پر بالآخر عذیر نے سچ اگل دیا تھا۔

"وہ بات ہی نہیں کرنا چاہتی تمہارے متعلق۔" اسے جھٹکا لگا تھا وہ یشل ابراہیم تھی اور شہالے عباس کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی؟ وہ ناراض ہو گئی اسے...... اسے شکایت ہو گی وہ کچھ کر نہیں پایا اس نے بہت سوچا بہت سوچا اور پھر نتیجہ نکالا تھا، وہ اس کی ہر ناراضگی دور کر دے گا وہ اس کی ہر شکایت کا ازالہ کر دے گا اس نے ایک دن میں کئی کئی بار اس عہد کو دوہرایا تھا۔

یشل ابراہیم کے پاکستان چھوڑنے کے ایک ہفتے بعد اسے اس کے سان فرانسکو جانے کا پتہ چلا تھا اور اگلے ہفتے وہ سان فرانسکو میں موجود تھا، اگلے چار دن اس نے اسے ڈھونڈنے میں لگا دیئے تھے، وہ ایئرپورٹ سے سیدھا اس کے اپارٹمنٹ میں پہنچا تھا وہ وہاں نہیں تھی، وہ اس بار وہاں آئی ہی نہیں تھی، وہ اس کی دوستوں اور جاننے والوں کے گھر گیا تھا وہ سب یشل کے سان فرانسکو آنے سے ہی بے خبر تھے، اس نے شہر کے تمام بڑے ہوٹلز چھان مارے تھے وہ اسے نہیں ملی تھی وہ اسے کہیں بھی نہیں ملی تھی، عذیر کی کال آئی تھی وہ پھر سے رو پڑا تھا، اگلے دو دن

میں عذیر نے اسے یشل کا فون نمبر اور ایڈریس سینڈ کر دیا تھا، وہ کتنی ہی دیر بے یقین نظروں سے سکرین پر چمکتے نمبر اور ایڈریس کو دیکھتا رہا تھا، اس نے کانپتے ہاتھوں سے نمبر پریس کیے تھے تیسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا تھا دوسری طرف سے آنے والی آواز نے اسے اپنی جگہ پر ششدر کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے، شہالے عباس کی نظریں یشل ابراہیم کے چہرے پر تھیں دو ماہ چار دن اور پانچ گھنٹے بعد اس نے وہ چہرا دیکھا تھا اور اسے وہ ساری منتیں یاد آ رہی تھیں جو اس نے صرف اس چہرے کے نظر آنے کے لئے مان رکھیں تھیں، وہ اس کے سامنے ایک گھنٹہ اور پانچ منٹ بیٹھا تھا ایک گھنٹے اور پانچ منٹ میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی تھی، یشل ابراہیم کا چہرا سپاٹ تھا ہر تاثر سے خالی اور اس کی نظریں ہر چیز کو دیکھ رہی تھیں سوائے شہالے عباس کے، اس کے پر جوش انداز کے جواب میں اس کے انداز میں سرد مہری سی تھی۔

''تم کچھ کہنا چاہتے تھے مجھ سے؟'' پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے اپنے سامنے رکھے کافی کے کپ کو دیکھتے پوچھا تھا۔

کچھ نہیں بہت کچھ تھا جو وہ اس سے کہنا چاہتا تھا اور اس نے کہا تھا، اس نے معافی مانگی تھی وہ کچھ کر نہیں پایا تھا اس نے یقین دلایا تھا وہ اب سب کچھ کرے گا اس نے درخواست کی تھی کہ وہ اس کے ساتھ کو قبول کر لے، وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی اس نے ایک بار بھی کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا اب یہ سب بے فائدہ ہے؟'' اس کے خاموش ہونے کے بہت دیر بعد اس نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا تھا وہ پہلی بار ٹھٹکا۔

یہ وہ لہجہ نہیں تھا جس میں یشل ابراہیم شہالے عباس سے بات کیا کرتی تھی یہ وہ لہجہ نہیں تھا جسے سننے کا وہ عادی تھا، اس نے سامنے بیٹھی عورت کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

چہرا وہی تھا چہرے پر موجود تاثرات وہ نہیں تھے جو اس کے لئے اس کی موجودگی میں ہوا کرتے تھے، پہلی بار اسے محسوس ہوا وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی، اسے احساس ہوا پچھلے پینتالیس منٹ میں اس نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا نظر ملانا تو دور کی بات تھی، اس کے ٹھٹک جانے حیران ہونے کو اس نے محسوس کیا تھا۔

''تم مجھے چھوڑ دو گی؟'' اس نے پست لہجے میں سوال نہیں کیا تھا خود کو موت کے پھندے پہ لٹکتا محسوس کیا تھا۔

''میں تمہیں چھوڑ چکی ہوں کیونکہ تمہیں نہ چھوڑتی تو مجھے اپنے باپ کو چھوڑنا پڑتا۔''

''میں انہیں منا لوں گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے یشل ابراہیم کو تسلی دی تھی اس نے خود کو یقین دلایا تھا، وہ چند لمحے خاموش رہی تھی پھر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا شہالے عباس کیونکہ اگلے سنڈے کو میری شادی ہے۔''

وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

سات بج کر پندرہ منٹ تھے جب یشل ابراہیم وہاں سے اٹھ کر گئی تھی اب دس بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے وہ ابھی تک وہاں بیٹھا تھا، اسے لگا وہ صدیوں یہاں سے نہیں اٹھ پائے گا اٹھتا بھی کیسے وہ عورت اسے پتھر کے مجسمے میں تبدیل کر گئی تھی، وہ وہاں بیٹھے بیٹھے فریز نہیں ہوا

تھا بلکہ فریز ہو گیا تھا، ہر انسان کو جینے کے لئے کسی نہ کسی وجہ کی ضرورت ہوتی ہے آج اس کے لئے وہ وجہ نہیں رہی تھی، وہ بہت مشکل سے وہاں سے اٹھا تھا، اس نے قدم اٹھانا چاہا اسے کامیابی نہیں ہوئی، اس نے اپنے قدموں کو گھسیٹنا شروع کر دیا، وہ ہر بار قدم گھسیٹتا اور ہر ایک قدم پر اسے اس عورت کی کوئی نہ کوئی بات یاد آتی جس سے اسے محبت تھی اور جو اب اس کی زندگی میں کہیں نہیں رہی تھی۔

وہ قدم اٹھاتا اسے یاد کرتا بے آواز آنسو سے روتا، سان فرانسسکو کی سڑکوں پر چل دیا تھا، وہ رو رہا تھا اور اپنی اس بے اختیاری پہ اسے کوئی شرمندگی نہیں تھی، بعض دفعہ آپ کھڑے قد سے منہ کے بل گرا دیے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا، وہ منہ کے بل گرا تھا اور اس اندھی قبر میں گرا تھا جہاں سے نکلنے کے لئے اسے دن، مہینے اور سال نہیں صدیاں درکار تھیں۔

نجانے کتنی دیر تک وہ ان برف سے اٹی سڑکوں پر چلتا اور روتا رہا تھا، قدم رک ہی نہیں رہے تھے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے اور غم تھا کہ کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا، وہ جتنا روتا اسے لگتا اس کے اندر مزید رونے کی خواہش بڑھ گئی ہے سان فرانسسکو کی چمکتی دمکتی سڑکیں اور ان پر چلتے خوش باش چہروں والے لوگ اس چھ فٹ کے اونچے پورے خوبصورت مرد کو اس طرح سے روتے دیکھتے اور ان کی آنکھوں سے حیرت اور افسوس چھلکنے لگتا۔

کچھ اتنے خوبصورت مرد کو اتنی بے قراری سے کراہتے دیکھ کر اس کی دماغی حالت پر شبہ کر کے اور رحم بھری نظروں سے اسے دیکھتے، بعض اس کے لئے دعا بھی کر دیتے۔

''یا اللہ اس کی پریشانی کو حل کر دے۔''

اسکارف اوڑھے اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ گھر واپس جاتی یاسمین کے لب بے اختیار ہلے تھے۔

اسے وہاں چلتے پھرتے رک کے کھڑے اپنی طرف حیرت، دکھ، تمسخر یا افسوس سے دیکھتے لوگوں کی پرواہ نہیں تھی اسے فی الحال ان کی دعاؤں کی ضرورت بھی نہیں تھی، اسے فی الحال بھٹی میں ڈالا گیا تھا اور بھٹی میں ڈالے جانے پر انسان کو جلنا پڑتا ہے اسے بھی ابھی بہت دیر تک جلنا تھا، بہت دیر تک رونے چلانے اور چلنے کے بعد وہ ایک ثانیے کو رکا تھا اور اس نے وہ آخری بات یاد کرنے کی کوشش کی تھی جو نیشل ابراہیم نے اس سے کہی تھی، اسے یاد آ گیا نیشل ابراہیم نے اسے کہا تھا وہ اسے بھول جائے اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی اور اپنے دل کو کسی سرد سمندر میں اترتے محسوس کیا، زمین پر گرتے اور ہوش و حواس کھوتے اس نے چند لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔

''محبت آسیب کی طرح ہوتی ہے ایک بار پیچھے پڑ جائے ناں تو جان لئے بغیر جان چھوڑتی نہیں ہے۔'' اس کی آنکھوں کے آگے گہری دھند تی جا رہی تھی اور اس کا وجود لمحہ بہ لمحہ سرد سے سرد ہوتا جا رہا تھا، محبت آکاس بیل کی طرح ہوتی ہے اسے ایک نہ ایک دن آپ کے وجود کو ختم کر دینا ہوتا ہے

اس کی آنکھیں لمحہ بہ لمحہ بند ہوتی جا رہی تھیں اور اس کی سوچیں مفلوج ہوتی جا رہی تھیں۔

محبت سورج کی طرح ہوتی ہے اس کے بغیر نہیں رہا جا سکتا اس کے ساتھ بھی نہیں رہا جا سکتا۔

اپنے سرد اور بے جان ہوتے ہاتھ پاؤں مفلوج ہوتی سوچوں اور بند ہوتی آنکھوں کے

ساتھ اسے یقین تھا وہ اب کبھی اٹھ نہیں پائے گا، گہری تاریکی میں جانے سے پہلے اسے اپنی موت کا یقین آ چکا تھا۔

☆☆☆

چھ ماہ لگے تھے اسے اس سانحے سے سنبھلنے میں اور اس میں زیادہ ہاتھ میاں صاحب کی کوششوں کا تھا، وہ اسے اکثر سمجھاتے رہتے تھے۔

''یہ مت سمجھیے گا کہ آپ کے شکوے مجھے غلط یا بے جا لگے ہیں بلکہ میں تو چاہتا ہوں آپ انہیں اپنے رب سامنے رکھیں جواب کیا ہوگا میں نہیں بتا سکتا مگر آپ کے دل کو تسلی دے دے گا یہ یقین دلا سکتا ہوں، مگر ایک بات یاد رکھیے گا انسان کو ہمیشہ سے آزمائش کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے، آزمائش ضروری ہوتی ہے پہچان کرنے کے لئے بھی پہچان کروانے کے لئے بھی، ہوسکتا ہے کچھ چیزوں کے لئے آپ کو بھی آزمایا گیا ہو مگر آپ خوش نصیب ہیں آپ کی آزمائش طویل نہیں تھی، آپ کو گھر چھوڑنا پڑا یہ بڑی بات تھی آپ کو دربدر نہیں کیا گیا یہ اس سے بھی بڑی بات ہے۔''

وہ اسے احساس دلاتے۔

''ہر انسان کو زندگی میں بہت کچھ ملتا ہے آپ کو بھی ملے گا۔'' وہ اسے یقین دلاتے۔

اسے احساس ہو گیا اسے یقین آ گیا تبدیلی دل سے شروع ہوئی اور ساری ذات کو اپنے حصار میں لیتا شروع کر دیا، اللہ اور بندے کے درمیان بہت سارے تعلق ہوتے ہیں مگر جو سب سے مضبوط تعلق ہے وہ محبت کا ہے جو بندے کو اپنے اللہ سے ہو یا اللہ کو اپنے بندے سے اور اب اس نے اس تعلق کی مضبوطی کو محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

پاکستان میں یہ شام کا ٹائم تھا جب دلاور عباس کے پی اے کو فارن آفس سے کال موصول ہوئی تھی، دلاور عباس کے پاس اس وقت ہیلتھ منسٹری سے منسلک چند افراد کا وفد آیا بیٹھا تھا جب ان کے پی اے نے انہیں فارن آفس سے آنے والے کال کے بارے میں مطلع کیا تھا، فارن آفس سے آنے والی کال غیر متوقع نہیں تھی وہاں ان کے چند یار غار موجود تھے اور اس طرح کی کالز اکثر آیا کرتی تھیں، انہوں نے بہت خوشگوار موڈ میں کال ریسیو کی تھی، دوسری طرف سے دی جانے والی اطلاع اتنی غیر متوقع اور تکلیف دہ تھی کہ وہ صدمے اور دکھ سے کتنی ہی خاموش رہے تھے۔

''ہیلو عباس صاحب!'' دوسری طرف ان کی خاموشی پر ان کے لائن پر ہونے کی تصدیق چاہی گئی تھی۔

''جی میں سن رہا ہوں۔'' پانچ لفظی جملہ بہت مشکل سے ان کے منہ سے برآمد ہوا تھا، دوسری طرف سے انہیں تمام معلومات دے کر فون بند کر دیا گیا تھا، اگلے چوبیس گھنٹے بعد وہ اور ان کی بیوی سان فرانسکو کے اس ہاسپٹل میں موجود تھے جہاں پچھلے دو روز سے ان کا بیٹا ایڈمیٹ تھا، شدید ترین نروس بریک ڈاؤن ہونے اور ابھی تک ہوش میں نہ آنے کی وجہ سے وہ ابھی تک آئی سی یو میں تھا، اس کی زندگی کو شدید خطرہ تھا اور ڈاکٹرز زیادہ پرامید نہیں تھے، ان کی بیوی کی حالت بہت خراب تھی، اپنی اولاد سے بہت زیادہ جذباتی وابستگی نہ ہونے کے باوجود بھی بہر حال وہ ماں تھیں اور اپنی اولاد کی تکلیف انہیں رلانے پر مجبور کر رہی تھی۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گا ناں؟'' وہ بار بار یہ تصدیق کرتے ہوئے خود بھی روئی تھی انہیں بھی

رلاتی تھی، وہ اسے تسلی دیتے اور خود دعا کرتے تھے وہ پوری رات اور اگلا پورا دن انہوں نے وہاں اسی حالت میں گزارا تھا اور اس سے پہلے کہ ان کی امیدیں دم توڑ تیں اسے ہوش آ گیا تھا، اسے نئی زندگی عطا کر دی گئی تھی۔

اگلا پورا ویک اسے ہاسپٹل میں ہی رکھا گیا تھا اور ڈسچارج کرنے کے پندرہ دن بعد وہ اسے پاکستان لے آئے تھے، پچھلے پچیس دن سے وہ دونوں مسلسل اس کے ساتھ تھے، زندگی میں پہلی بار وہ دونوں اپنی ہر مصروفیت پس پشت ڈالے اس کی پٹی سے لگے بیٹھے تھے، اس کے باپ کو اپنی تمام اہم میٹنگز اور کام بھولے ہوئے تھے اس کی ماں نے پچھلے پچیس دنوں میں ایک بار بھی اس فیشن ویک کا نام تک نہیں لیا تھا جس کی تیاری وہ پچھلے چھ ماہ سے گزر رہی تھیں، وہ دونوں ایک مصروف سرکاری افسر اور ایک مشہور فیشن ڈائنرنیز کے بجائے صرف ماں باپ بنے ہوئے تھے اور ماں باپ تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔

پہلی بار ہوش میں آنے کے بعد سے لے کر واپس پاکستان آنے تک وہ بالکل خاموش رہا تھا اور اس کی یہ خاموشی اگلے تین سال تک برقرار رہی تھی، اس کے والدین ہر طرح سے اس کا خیال رکھتے تھے، اس کی ماں اپنا زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنے لگی تھی، اس کے باپ نے آفس سے آنے کے بعد باہر جانا ختم کر دیا تھا، ژالے اور اس کی بیوی رات گئے تک اس سے گپ شپ لگاتے، وہ سارے اس کے اپنے تھے اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھنے کی کوشش کرتے تھے وہ جانتے تھے وہ بکھرا ہوا ہے اور وہ سب اسے سمیٹنے کی کوشش کرتے تھے، عذیر لندن سے ایک ماہ کے لئے آیا تھا، وہ اس کا سب سے قریبی دوست تھا اور اس کا دکھ بانٹنے آیا تھا وہ سب اس کے ساتھ تھے اور ان سب کے ساتھ ہونے کے باوجود اس کے اندر کی تنہائی کم نہ ہوتی، وحشتیں اسے گھیر رکھتیں، بعض سانحے انسان کو پورا کا پورا تبدیل کر دیتے ہیں وہ بھی بدل گیا تھا، اس نے بولنا چھوڑ دیا اس کی باتیں ختم ہو گئیں تھیں، وہ کئی کئی ٹائم کھانا نہیں کھاتا اور اسے بھوک نہ لگتی، وہ کئی کئی راتیں جاگ کر گزارتا اور اسے نیند نہ آتی، پہلے وہ کبھی کبھار سگریٹ پیتا تھا اب باقاعدہ ڈرنک کرنے لگا تھا، وہ گھر بہت کم رہتا اور جب تک رہتا اپنے کمرے میں بند رہتا۔

سارا سارا دن وہ گھر سے غائب رہتا ساری ساری رات اس کا باپ اس کے انتظار میں گزارتا، دوست، احباب جاننے والے ملنے والے عزیز رشتے دار اسے ملنے کو ترستے اور کبھی ملتے تو انہیں یقین نہ آتا کہ وہ شہالے عباس ہے، یشل ابراہیم کے بارے میں اس نے پھر کبھی بات نہیں کی تھی، کبھی اس کا نام نہیں لیا تھا مگر پھر وہ شہالے عباس بھی نہیں رہا تھا، وہ بدل گیا تھا اور اس حد تک بدل گیا تھا کہ دیکھنے والوں کو حیرت نہیں ہوتی تھی دکھ اور افسوس ہوتا تھا۔

''انسان سے کی جانے والی محبت بھی بڑی عجیب چیز ہوتی ہے یہ آپ کو ''کبھی'' نہیں چھوڑتی یہ آپ کو ''کہیں'' کا بھی نہیں چھوڑتی۔''

☆☆☆

ایک سال کے بعد وہ واپس بہاولپور آ گیا تھا، اس کے باپ نے اپنی کوشش اور تعلقات استعمال کرتے ہوئے ایک سال کی لیو منظور کروائی تھی اب اسے ڈیوٹی جوائن کرنی تھی، اس کا باپ اس کے واپس بہاولپور جانے کے حق میں نہیں تھا وہ اس کی لاہور پوسٹنگ کروانا چاہتا تھا، اپنے باپ کی تجویز کو اس نے سختی سے رد کیا تھا،

اس کا باپ اس کی طرف سے ذرا بھی مطمئن نہیں تھا اور وہ نہیں تھا چاہتے تھے کہ اس حرکتوں کی وجہ سے ان کے خاندان کا نام خراب ہو، لاہور میں وہ پھر بھی اس پہ چیک رکھ سکتے تھے اس نے اسے سمجھانے اور منانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

''آپ اطمینان رکھیں میری حرکتیں جیسی بھی ہیں آپ کے لئے وہ کبھی مسئلہ نہیں بنے گی۔'' اپنے باپ کو یقین دلانے کے بعد وہ واپس بہاولپور آ گیا تھا۔

اگلے دو سال اس نے بہاولپور میں کم اور باقی ساری دنیا میں پھرتے زیادہ گزارے تھے، اس کے متعلق ہر رپورٹ انتہائی غیر تسلی بخش ہوتی تھی اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اب تک پنجاب پولیس سے نکالا جا چکا ہوتا اس کے خلاف اگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی تو وجہ اس کا باپ تھا، اس کے خاندان کے تمام افراد کسی نہ کسی اہم پوسٹ پر تھے اور مسئلہ یہ تھا وہ سب اس کی سپورٹ کو اس کے پیچھے کھڑے تھے، جہاں تک اس کی بات تھی اسے ان ساری چیزوں سے فرق نہیں پڑتا تھا، اس پر چیزیں اثر کرنا چھوڑ چکی تھی، وہ ایک عورت دوسروں کے لئے اگر کچھ نہیں تھی تب بھی اس کے لئے ساری دنیا تھی، وہ اس کے لئے اس کی زمین اس کا آسمان تھی اب دنیا نہیں رہی تھی وہ زمین نہیں رہی تھی وہ آسمان نہیں رہا تھا، وہ اس کے لئے سکون تھی، وہ سکون جواب کہیں نہیں تھا اور جسے ڈھونڈنے وہ دنیا کے ہر اس کونے میں گیا تھا، جہاں اسے لگتا تھا وہ اسے مل سکتا ہے ہر وہ کام کیا جس میں مل سکتا تھا پر سکون نہیں ملتا، وہ عورتوں کے قریب جاتا اسے ان سے وحشت ہونے لگتی اور وہ وہاں سے بھاگ جاتا، وہ اسے بھلانے کو ڈرنک کرتا وہ اسے اور شدت سے یاد آنے لگتی۔

وہ اس عورت کے چہرے کو بھولنا چاہتا وہ ہر چیز میں اس چہرے کو دیکھتا، وہ عہد کرتا وہ اب کبھی اس کے بارے میں نہیں سوچے گا اور باہر نکلتے ہی وہ ہر چہرے میں اسے کھوجتا۔

رات تین بجے کا وقت تھا جب لاہور سے آتے ہوئے اس کی گاڑی اچانک بند ہو گئی تھی، وہ بہاولپور کی حدود میں داخل ہو چکا تھا اور مزید آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ گھر پہنچ جاتا، اس نے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی اسے اگلی تین چار بار کی کوشش کے بعد بھی ناکامی ہوئی، اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارتے اس نے گاڑی کو دو چار گالیاں دی تھیں، پھر باہر نکل آیا، رات اس نے اچھی خاصی پی لی تھی اور اب آنکھوں کے آگے تنی دھند اور دماغ پر چھایا خمار اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر رہا تھا، باہر نکل کر اس نے اردگرد نظر دوڑا کر آس پاس کے علاقے کو پہچاننے کی کوشش کی تھی، گہری تاریکی کسی بھی چیز کے واضح نظر آنے میں حائل تھی، اس نے سیل نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اسے یاد آیا وہ اپنا موبائل لاہور اپنے دوست کے گھر ہی چھوڑ آیا ہے جیکٹ کی جیب سے لائٹر نکال کر اس نے لائٹ آن کی اور چند قدم آگے بڑھا، مین روڈ سے چھوٹی سڑک پر آنے میں اسے محض دو منٹ ہی لگے تھے، یہ کوئی رہائشی ایریا تھا، اسٹریٹ لائٹس بجلی نہ ہونے کی وجہ سے بند تھیں، اس لئے اسے چلنے میں ذرا دقت کا سامنا تھا، لیکن پھر بھی وہ چل رہا تھا، رات کے اس پہر اس انجان علاقے میں یونہی بے مقصد چلنا اسے اچھا لگ رہا تھا، مزید پندرہ منٹ تک وہ ایسے ہی بے مقصد گھومتا رہا تھا۔

یونہی پھرتے ٹہلتے وہ ایک مسجد کی سیڑھی پہ آ بیٹھا تھا، مسجد بند تھی اور دروازے پہ تالا پڑا تھا،

اس نے ایک بار بھی مسجد کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی، اندر جانا تو دور کی بات تھی۔

"السلام علیکم!" وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے گھٹنوں میں سر دے لیا تھا، آنکھیں بند کی تو عجیب سی خماری چھانے لگی تھی جب السلام وعلیکم کی آواز بہت قریب سے ابھری تھی، آواز نرم اور دھیمی سی تھی، اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا، ٹارچ لئے کھڑا وہ شخص حلاوت بھرے انداز میں مسکرایا تھا، اس نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا اور اپنی نظریں پھر سے جھکا لیں تھیں، وہ شخص اسے کوئی مصیبت کا مارا مسافر سمجھا تھا اور اس نے ہمدردی بھرے لہجے میں اس کے وہاں موجود ہونے کی وجہ پوچھی تھی۔

انتہائی روکھے لہجے میں اس نے اپنے وہاں موجود ہونے کی وجہ انتہائی اختصار سے بیان کی تھی اور اس شخص کی مدد کی آفر کو رد کرتے اس نے ایک بار پھر سر گھٹنوں پر رکھ لیا تھا۔

"آپ اندر آ جائیں یہاں کافی ٹھنڈ ہے۔" اس کے روکھے لہجے کو نظر انداز کر کے اسے اندر آنے کی دعوت دی گئی تھی، انداز اتنا نرم تھا کہ وہ انکار نہیں کر پایا، ان کے پیچھے چلتے ہوئے وہ مسجد کے اندر آ گیا تھا، زندگی میں پہلی بار وہ کسی مسجد میں آیا تھا، عید شب برات پر بھی اس نے کبھی مسجد جانے کی زحمت نہیں کی تھی، اس نے آج تک بھی نماز نہیں پڑھی تھی پڑھتا تو تب جب اسے آتی، اسے نماز آتی ہی نہیں تھی، بچپن میں اسے نماز یاد کروائی گئی تھی مگر کبھی پریکٹس نہ کرنے کی وجہ سے وہ اسے کب کا بھول چکا تھا، اس کے خاندان میں مذہب نامی چیز کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور تقریباً اس کے تمام کزنز کا یہی حال تھا، اسلام اور اس کے بنیادی احکامات اس کے علم میں ضرور تھے مگر انہیں کبھی فالو کرنے کی اس نے کوشش نہیں کی تھی، ان کے لئے مسلمان ہونے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔

وہ بھی مذہب کو سائیڈ پر رکھنے والا شخص تھا، اسے اندر لا کر انہوں نے ہیٹر آن کیا تھا۔

"میں تہجد پڑھ لوں۔" کہہ کر وہ نماز پڑھنے لگے تھے، وہ بیٹھے بیٹھے بنا کسی تاثر کے انہیں دیکھتا رہا تھا اور اپنے وہاں موجود ہونے کی وجہ سوچ رہا تھا۔

"میرا نام عبدالکریم ہے۔" نماز سے فارغ ہو کے وہ اس کے قریب آ گئے تھے۔

"مجھے شہالے عباس کہا جاتا ہے۔" جواباً ان کا مصافحہ کے لئے بڑھا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے اپنا نام بتایا تھا۔

"اس شہر میں نئے ہیں؟" انہوں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں میں پچھلے چار سال سے یہاں ہوں۔" اب اس کا لہجہ کافی حد تک ٹھیک ہوتا جا رہا تھا، انہوں نے اس سے اس کے کام کے بارے میں پوچھا تھا جواباً وہ انہیں اپنے عہدے سے آگاہ کرنے لگا تھا، وہ نہ چونکے نہ ٹھٹکے معمول کے انداز میں سر ہلاتے رہے تھے، وہ مزید آدھا گھنٹہ وہاں رکا تھا، پھر اس نے ان سے جانے کی اجازت لی تھی۔

"ضرور جائیں، البتہ دوبارہ پھر بھی ضرور آیئے گا مجھے خوشی ہو گی۔" اس سے مصافحہ کرتے انہوں نے کہا تھا، اس نے سر ہلایا اور خدا حافظ کہہ کر باہر آ گیا تھا۔

عبدالکریم صاحب سے اس کی دوسری ملاقات ہاسپٹل میں ہوئی تھی اس کے ایس ایچ او کا بہت شدید قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ اس کی عیادت کے لئے آیا تھا، ایس ایچ او کے پڑوسی

عبدالرشید کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ بھی اس کی عیادت کے لئے وہ موجود تھے، انہوں نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا تھا اور وہ بہت گرمجوشی سے اس سے ملے تھے جواباً اس کا انداز کافی لیا دیا سا اور سرسری قسم کا تھا بہت عرصہ ہوا اس نے تکلفات نبھانے چھوڑ دیے تھے، بعد میں اسے اپنے رویے پر شرمندگی محسوس ہوئی تھی اور غالباً اسی شرمندگی کو مٹانے کے لئے وہ ایک بار پھر وہاں آیا تھا۔

اسے اپنے سامنے دیکھ کر انہوں نے کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا، بلکہ اسے دیکھ کر وہ خاصے خوش ہوئے تھے اس کی شرمندگی میں اضافہ ہوا تھا، اس دن وہ تقریباً دو گھنٹے وہاں موجود رہا تھا ان کی گفتگو مٹھاس بھری اور لہجہ بہت نرم تھا اور اسے انہیں سننا اچھا لگ رہا تھا، اگلے ایک ماہ میں وہ دو بار ان سے ملنے آیا تھا اور اگلے چھ ماہ میں اکثر وہاں آنے لگا، وہ ان کے بہت قریب آ گیا تھا، اس نے انہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔

''آپ یہ سب بھولنے کی کوشش کریں۔''

تب انہوں نے اسے کہا تھا۔

''آپ یہ اس لئے کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ نہیں جانتے وہ عورت میرے لئے کیا تھی، وہ عورت میرے لئے میری پوری کائنات تھی، کچھ لوگ آپ کے لئے اہم ہوتے ہیں کچھ اہم نہیں ہوتے ناگزیر ہوتے ہیں، کچھ لوگوں کا ہونا ہی سب کچھ ہوتا ہے، وہ آپ کے ساتھ ہوتے ہیں ہر چیز آپ کے پاس ہوتی ہے، وہ ساتھ نہ رہیں ہر چیز آپ کو چھوڑ جاتی ہے، وہ عورت میرے ساتھ تھی مجھے جینے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ عورت میرے ساتھ نہیں ہے مجھے بات کرنے کے لئے بھی وجہ تلاش کرنی پڑتی ہے اور آپ کہتے ہیں میں اسے بھول جاؤں آپ بتائیں میں اسے کیسے بھول جاؤں؟''

وہ اونچا لمبا مرد یہ سب کہتے بے ساختہ رو پڑا تھا، وہ تاسف سے اسے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

نماز اس نے پہلی بار ان کے کہنے پر پڑھی تھی، رفتہ رفتہ وہ اس کی روٹین میں شامل ہو گئی تھی، وہ دونوں مسجد میں ہی ملتے تھے وہ ان سے ملنے کے لئے وہاں ہی آیا کرتا تھا وہ کبھی ان کے گھر نہیں گیا تھا، نہ ہی ابھی تک انہوں نے اسے گھر لے جانے کی کوشش کی تھی۔

''آیئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔'' انہوں نے عصر کی اذان دینے کے بعد کہا تھا، انہوں نے آج سے پہلے اس سے کبھی اس بارے میں سوال نہیں کیا تھا اصرار نہیں کیا تھا آج بھی انہوں نے معمول کے انداز میں کہا تھا اور انکار نہیں کر پایا تھا سر ہلا کر وہ وضو کرنے لگا تھا، زندگی کی پہلی نماز اس نے اس چھوٹی سی مسجد میں میاں عبدالکریم کی امامت میں پیچھے پڑھی تھی۔

''آپ دعا نہیں مانگتے؟'' نماز کے بعد وہ خاموشی سے باہر آ گیا تھا اور صرف اس دن ہی نہیں بعد میں بھی انہوں نے کئی بار محسوس کیا تھا وہ دعا نہیں مانگتا تھا تب ایک بار انہوں نے پوچھا تھا، اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''مانگا کیجئے یہاں آ کے سب مانگتے ہیں آپ بھی مانگا کریں۔''

''یہاں مانگنے سے کیا سب کچھ مل جاتا ہے؟ اللہ سے مانگنے سے مل جاتا ہے۔''

''اللہ دے دیتا ہے؟'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''جی اللہ دے ہی دیتا ہے، مگر یاد رکھیے گا اللہ وہی دیتا ہے جو آپ کے حق میں بہتر ہوتا ہے

لیکن جو نہیں دیتا اس کی حقیقت آپ پر ضرور کھول دیتا ہے، تو اللہ سے مانگتے رہیں تب تک جب تک وہ چیز مل نہیں جاتی یا تب تک جب تک اس کی حقیقت کھل نہیں جاتی۔"

"آپ جانتے ہیں سکون کیا ہوتا ہے اور یہ کس چیز میں ہوتا ہے؟" رفتہ رفتہ اس نے اپنی زندگی میں ٹھہراؤ آتے محسوس کیا تھا، اس کی بے چینی اس کی وحشت کم ہوئی تھی، لیکن ختم نہیں ہوئی تھی، وہ آج بھی باتیں بھول جاتا تھا، وہ آج بھی چہرے کھوجتا تھا، سکون ابھی بھی کہیں نہیں تھا، وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا تھا اور اسے پیشل ابراہیم یاد آ جاتی۔

وہ نماز بھول جاتا تھا، کچھ چیزیں اپنے مقام پر آ گئی تھیں کچھ ابھی بھی اپنے مقام سے غائب تھیں، اس نے ایک بار ان سے ذکر کیا تھا، وہ دونوں نماز فجر کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے۔

"ہم دونوں یہاں موجود ہیں تو وجہ ایک ہی ہے "محبت" مدار الگ الگ ہیں آپ یہاں موجود ہیں تو وجہ ایک انسان کی محبت ہے میں یہاں موجود ہوں تو وجہ اس انسان کو بنانے والی کی محبت ہے، اللہ اور انسان سے کی جانے والی محبت میں جو بنیادی فرق ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی محبت آپ کو کبھی بہادر نہیں رہنے دیتی اللہ کی محبت آپ کو کبھی کمزور نہیں ہونے دیتی، انسان کو ایک نہ ایک دن آپ کو چھوڑنا ہوتا ہے اور انسان چھوڑ ہی تو جاتے ہیں اللہ آپ کو کبھی چھوڑتا نہیں ہے، آپ اسے چھوڑ بھی دیں تو سب بھی نہیں، صرف اس لئے کہ آپ اس کے بندے ہیں اس لئے بھی کیونکہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے۔"

"جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں آزمایا نہیں جاتا" اس نے کہا، وہ مسکرائے۔

"آزمائش تو ہوتی ہی محبت میں ہے پھر بھی وہ سب کو نہیں آزماتا انہیں ہی آزماتا ہے جو اس کی محبت کے دعوے دار ہوتے ہیں۔"

"میں نے یہ دعوہ کبھی نہیں کیا مجھے کیوں آزمایا گیا ہے؟" جواباً وہ بولا، وہ ایک لمحے کو چپ ہوئے تھے، پھر مسکرا کر بولے۔

"آپ کو آزمایا نہیں گیا، آپ کو تو بچایا گیا ہے۔" وہ کتنی ہی دیر ساکت نظروں سے انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

پچھلے ایک ہفتے سے وہ لاہور میں تھا، اس کی ماں کی طبیعت کچھ خراب ہے، اس کے باپ نے اسے کال کر کے بتایا تھا اور اگلے دن ہی وہ لاہور آ گیا تھا، وہ پورا ہفتہ اس نے اپنی ماں کے ساتھ گزارا تھا، انہیں ہاسپٹل لانا لے جانا، ان کی میڈیسن اور خوراک کا خیال رکھنا وہ ایک ذمہ دار بیٹے کی طرح اپنا فرض ادا کر رہا تھا اور اس میں آنے والی تبدیلی اس کے ماں باپ کے لئے حیرت اور مسرت کا باعث بن رہی تھی، خصوصاً اس کا دین کی طرف رجحان یہ چیز ان کے لئے خاصے اچنبھے کا باعث تھی، بہر حال جو بھی تھا وہ ٹھیک ہو گیا اور ان کے لئے سب سے بڑی بات یہی تھی، ایک ویک وہاں گزارنے کے بعد وہ واپس بہاولپور آ گیا تھا، آتے ساتھ ہی اس نے میاں صاحب سے رابطہ کیا تھا، پچھلے پندرہ دن کی مصروفیات نے اسے ان سے بات کرنے کا موقع نہیں دیا تھا، آج ٹائم ملا تو فون کیا، وہ پچھلے تین چار روز سے بیمار تھے کال کرنے پہ اسے پتہ چلا تھا، اس نے ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر آنے کی اجازت مانگی تھی، جو انہوں نے خوشدلی سے دے دی تھی، وہ ان کے گھر آیا تھا اور اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا، ان کا گھر اس کی

سوچ سے بھی زیادہ سادہ اور معمولی تھا، گھر میں ضرورت کی چند ہی چیزیں تھیں۔

ان کے مالی حالات کا اسے صحیح معنوں میں اب اندازہ ہوا تھا اور اسے ان کی اطمینان بھرے انداز کو دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی، وہ ہر بات پر شکر کرتے تھے اور وہ انہیں دیکھ کر رہ جاتا تھا، وہ پہلی بار ان کے گھر آیا تھا آخری بار نہیں اس کے بعد بھی کئی بار وہ ان کے گھر آیا تھا، ان کی بیوی بھی بہت اچھی خاتون تھیں اور اس سے بہت اچھے طریقے سے ملتی تھیں، ان کی دو بیٹیاں تھیں ایک شادی شدہ تھی دوسری ان کے ساتھ ہی ہوتی تھی، مگر اس نے بھی اسے دیکھا نہیں تھا، وہ اسے بیٹھک میں بٹھاتے تھے سوائے پہلی بار کے وہ بھی گھر کے اندرونی حصے کی طرف نہیں گیا تھا، اسن علی ان کی بیٹی کے بارے میں اس نے کئی بار سنا تھا ان کی باتوں میں کئی بار اس کا تذکرہ ہوتا تھا، اس نے بھی اسے دیکھا نہیں تھا اور نہ ہی ایسی کوئی خواہش بھی اس کے اندر ابھری تھی۔

☆☆☆

آنے والے دو سالوں میں اس کی پوسٹنگ پہلے سیالکوٹ اور وہاں سے واپس لاہور ہو گئی تھی، یہ وہ دو سال تھے جب پہلی بار اس نے اپنی جاب کو سنجیدگی سے لیا تھا اور اس کا شمار پنجاب کے چند سنجیدہ اور فرض شناس پولیس آفسران میں ہونے لگا تھا، انہی دو سالوں میں اس نے اپنی زندگی کے دو مشکل ترین کیسز حل کیے تھے، ان دو سالوں نے اس کی اپنی ذات میں بھی بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوئیں تھیں، وہ بہت باوقار سنجیدہ اور بردبار قسم کی شخصیت بن چکا تھا، اس نے مثبت سوچ کے ساتھ چلنا شروع کر دیا تھا، وقت کے ساتھ اللہ سے اس کا تعلق بہت مضبوط ہو چکا تھا، اس نے اللہ کی نعمتوں کو سمجھنا اور ان کا شکر ادا کرنا شروع کر دیا تھا اور ایسا کرنے سے اس کے اندر کی بے چینی اور وحشت ختم ہونے لگی تھی، ان دو سالوں میں اس کا رابطہ میاں عبدالکریم کے ساتھ مسلسل رہا تھا اور وہ کئی بار صرف ان سے ملنے بہاولپور گیا تھا، زندگی میں بھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے جو آپ کو راستہ دکھاتا ہے وہی آپ کا محسن ہوتا ہے وہی آپ کا رہبر ہوتا ہے اس کے محسن میاں عبدالکریم تھے، وہی اس کے راہبر بھی تھے۔

☆☆☆

یہ وہ وقت تھا جب اسے لگنے لگا تھا کہ اس کی زندگی میں ہر چیز اپنے مقام پر آتی جا رہی ہے اس نے پرسکون رہنا شروع کر دیا تھا، اس نے چیزوں کو قبول کرنا اور اللہ کی رضا میں راضی رہنا شروع کر دیا تھا، اس کی زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا اور یہ ٹھہراؤ طوفان میں تب تبدیل ہوا تھا جب چیف منسٹر آف پنجاب کے جواں سال بیٹے کے قتل کی انوسٹی گیشن اس کے سپرد کی گئی تھی، قتل سے صرف آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ چیف منسٹر کے آفس سے لوٹا تھا۔

ڈی آئی جی اور آئی جی پنجاب کے علاوہ چند دوسرے آفسران بھی سی ایم ہاؤس میں ہونے والی میٹنگ میں شریک تھے، پنجاب میں لا اینڈ آرڈر کی بگڑتی حالت اور ان کے ڈیپارٹمنٹ کے چند افسران کے مالیاتی سکینڈلز سی ایم کے لہجے کو سخت اور پیشانی پر موجود بلوں میں اضافے کے لئے کافی تھے۔

میٹنگز خاصے تلخ ماحول میں ہوئی تھی اور وہاں سے واپس آنے کے بعد اس کا موڈ بھی خاصا آف تھا، چائے منگوا کر پیتے ہوئے وہ اپنے کولیگ سے میٹنگ کے حوالے سے ہی بات کر رہا تھا جب اس کے اے ایس پی نے اسے چیف

منسٹر کے بیٹے کے مرڈر کی اطلاع دی تھی، مرڈر اسی کے علاقے میں ہوا تھا، انتہائی عجلت میں وہ آفس سے نکلا تھا، جائے وقوع سے ہاسپٹل اور وہاں سے سی ایم ہاؤس پنجاب کی پوری پولیس پھرکی کی طرح گھوم رہی تھی۔

گورنمنٹ کا پریشر، میڈیا کا پریشر اور سب سے بڑھ کر عوام کا پریشر، لا اینڈ آرڈر کنٹرول کرنا، کسی عام رشید، رحیم کا مرڈر نہیں ہوا تھا موجودہ سی ایم کے بیٹے کا مرڈر ہوا تھا، ڈی آئی جی سے لے کر تھانے میں موجود سپاہی ہی تک سب ہی الرٹ تھے سب ہی پریشان تھے، وہ بھی اطلاع آنے سے لے کر ابھی تک تھانے میں ہی تھا یا پھر سی ایم ہاؤس اور ہاسپٹل کے چکر مرڈر اس کے ایریا میں ہوا تھا اس لئے زیادہ فوکس بھی اسے کیا جارہا تھا، میڈیا کے نمائندوں کے چبھتے سوالات، تلخ جملے طنزیہ تبصرے، وہ بہت سکون سے جواب دے رہا تھا، وہ بہت طریقے سے حالات کنٹرول کر رہا تھا، چیف منسٹر کی اپنی حالت خاصی خراب تھی اور وہ فی الحال کسی بھی قسم کا بیان دینے سے قاصر تھا، البتہ تحقیقاتی ٹیم سے ہیڈ کے طور پر اس نے شہالے عباس کا نام لیا تھا۔

''پوری پنجاب پولیس میں اس وقت تین آفسر جن پر مجھے اعتماد ہے ان میں ایک تم بھی ہو کوشش کرنا میرا یہ اعتماد برقرار رہے۔'' وہ ان کے پاس تعزیت کے لئے گیا تھا جب انہوں نے کہا تھا اس نے بہت بہترین اور مناسب الفاظ میں انہیں اور میڈیا کو یقین دلایا تھا کہ وہ اس یقین کو بھی ٹوٹنے نہیں دے گا، آنے والے چند دنوں میں انوسٹی گیشن ٹیم نے اپنا کام شروع کر دیا تھا، ابتدائی رپورٹ کے مطابق قتل کچھ مسلح افراد کا زبردستی گاڑی روکے جانے پر کی جانے والی مذاحمت پر کی جانے والی فائرنگ کے نتیجے میں ہوا تھا، اندر کی کہانی کچھ اور تھی اس کا علم پوری پنجاب پولیس کو تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے آفس میں تھا اور خاصا مصروف تھا، ان دنوں صحیح معنوں میں اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں مل رہی تھی، وہ نبیل حیات کے ساتھ بیٹھا اپنے سامنے فائل کھولے چند اہم پوائنٹس ڈسکس کر رہا تھا جب اس کے سیل پر کسی انجان نمبر سے کال آنے لگی تھی، دو بار کال ڈراپ کرنے کے بعد بالآخر تیسری بار اس نے پک کر لی تھی۔

''ہیلو۔'' اس کی مصروف سی ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے آنے والی ہیلو کی آواز نے اسے چند سیکنڈز کے لئے ساکت کر دیا تھا، بہت مصروف ہونے، ذہنی طور پر وہاں حاضر نہ ہونے اور پانچ سال بعد اس آواز کو سننے کے باوجود بھی پہچاننے میں اسے سیکنڈ بھی نہیں لگا تھا۔

یہ وہ آواز تھی جسے وہ کبھی بھول نہیں سکتا تھا، وہ اسے بھول سکتا ہی نہیں تھا، پانچ سال تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتے تھے پانچ صدیاں بھی گزر جاتیں تب بھی اس آواز کو پہچاننے میں اسے سیکنڈ ہی لگتا تھا، وہ آواز عام نہیں تھی وہ عام ہو ہی نہیں سکتی تھی وہ آواز یشل ابراہیم کی آواز تھی۔

پانچ سال بعد وہ ایک بار پھر سے سان فرانسسکو میں موجود تھا، اس شہر میں جس کے بارے میں اس کا خیال تھا وہ کبھی لوٹ کے نہیں آئے گا، وہ یہاں یشل کیانی کے بلانے پر آیا تھا وہ اس عورت کو انکار نہیں کر پایا تھا نہ تب جب وہ یشل ابراہیم تھی ناں اب جب وہ یشل کیانی تھی، پانچ سال بعد، شہر وہی تھا جگہ وہی تھی ٹائم وہی تھا اور وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے وجود بھی وہی تھے۔

یشل نے اسے وہاں کیوں بلایا تھا اس بات

کا اندازہ تھا اسے احسان باجوہ کے مرڈر میں کس کا ہاتھ ہے یہ چیز اب تک معمہ بن رہی تھی، اس کے لئے، اگلے سال ہونے والے جنرل الیکشن میں احسان باجوہ کے مد مقابل کھڑے ہونے امیدوار پر انوسٹ ہونے والی رقم کہاں سے آ رہی تھی اور کس کی تھی اندازہ ہو گیا تھا اسے اور اب فیصل کیانی شاید یشل کیانی کے ذریعے اسے رپورٹ بدلنے کے لئے مجبور کرنا چاہتا تھا، یہ آخری اندازہ غلط تھا وہ اسے مجبور نہیں کرنا چاہتا تھا وہ اس سے ڈیل کرنا چاہتا تھا، یشل کیانی اسے کسی گم گشتہ محبت کا واسطہ دے کر مجبور کرنے نہیں آئی تھی وہ دو کاروباری لوگوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھ کر اس سے معاملہ طے کرنے آئی تھی اس کا اندازہ اسے یشل کی باتوں سے بہت جلد ہو گیا تھا، اسے لگتا تھا یشل ابراہیم سے بچھڑ کر وہ بدل گیا ہے، اسے آج پتہ چلا تھا کہ اس سے دور جا کر یشل ابراہیم بھی بدل سکتی تھی اور اس قدر بدل گئی تھی کہ اسے یشل ابراہیم کو پہچاننے میں دقت ہو رہی تھی۔

''تو تم یہاں میری قیمت طے کرنے آئی ہو؟'' کافی کا دوسرا کپ تھا جو پیتے اس نے عام سے لہجے میں سوال کیا تھا۔

''اونہوں میں یہاں تمہاری قیمت ادا کرنے آئی ہوں طے کرنے کا کام میں تم پہ چھوڑتی ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''قیمت اگر میں نے طے کی تو ادا کرنا تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا۔''

''تم میرے بارے میں وہ اندازے لگانے کی کوشش کرو جو فضول اور بے معنی ہوں۔'' پہلی بار یشل کیانی نے اس کی طرف دیکھا تھا، اس نے سر جھٹکا۔

''کیا چاہیے تمہیں؟'' سوال اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کیا گیا تھا۔

''دینا تمہارے بس کی بات نہیں۔'' پلک اس نے بھی نہیں جھپکی تھی، وہ چند سیکنڈز اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی تھی پھر بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے ذرا سا پیچھے ہوئی تھی اور بولی۔

''تمہیں یشل ابراہیم چاہیے؟'' انداز تھا، یقین تھا سوال تھا، وہ خاموش رہا تھا اور اس کی خاموشی پر وہ پھر سے مسکرائی تھی، وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا اس عورت کے اگلے چند الفاظ اس کے پرخچے اڑانے والے تھے۔

''وہ شخص میرا شوہر ہے اور اسے بچانے کے لئے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں، بات اگر قیمت ادا کرنے کی ہی ہے تو میں سب کچھ دے سکتی حتی کہ چند گھنٹوں چند دنوں یا چند ہفتوں کی اپنی رفاقت بھی۔'' وہ پہلی بار چونکا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ٹائم گزارنے کو تیار ہوں۔'' اطمینان بھرے لہجے میں یشل کیانی نے آفر نہیں کی تھی شہالے عباس کو پتھر کر دیا تھا۔

تو یہ تھی وہ عورت جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ اس دنیا میں موجود کوئی دوسری عورت اس جیسی نہیں ہو سکتی، یہ تھی وہ عورت جس کے پیچھے ساری دنیا چھوڑ رکھی تھی، یہ تھی وہ عورت جس کے پیچھے اس نے اپنا آپ بھلا دیا تھا، یہ تھی وہ عورت اور یہ تھی اس کی حقیقت، وہ اس کے ساتھ وقت گزارنے کو تیار تھی اور اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا مرد بھی ہوتا تو کیا پھر بھی، وہ مزید کچھ سوچ نہیں پایا تھا۔

وہ وہاں سے کب اور کس طرح سے اٹھا تھا اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا، یشل ابراہیم سے اس نے کیا کہا تھا اسے خبر نہ ہو سکی تھی، بہت ساری حقیقتیں تھیں جو اس پر کھلی تھیں بہت ساری

حقیقتیں تھیں جنہوں نے اسے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا، اس پر پیشل ابراہیم کی حقیقت کھلی تھی وہ آج تک اس عورت کو مجبور سمجھتا رہا تھا اسے آج اندازہ ہوا تھا وہ عورت مجبور نہیں تھی وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی جنہیں مجبور کیا جا سکتا ہو، وہ صرف اس عورت کا تراشا ہوا بت نہیں تھا جو ٹوٹا تھا وہ اس عورت پر کیا جانے والا وہ یقین بھی تھا جو کبھی متزلزل نہیں ہوا تھا، اسے اس محبت پر دکھ نہیں ہوا جو اس نے اس عورت سے کی تھی اسے اس محبت پر شرمندگی ہوئی جو وہ اس عورت سے کرتا رہا تھا، پانچ سال پہلے اسی رات اسی پر اسی شہر میں انہی جگہوں پر وہ جس چیز کے لئے رو رہا تھا وہ محبت تھی پانچ سال بعد بھی اسے رلانے والی چیز محبت ہی تھی، پانچ سال پہلے بہائے جانے والے آنسوؤں میں دکھ تھا تکلیف تھی اذیت تھی نہ ملنے کا شکوہ تھا بچھڑ جانے کی شکایت تھی، پانچ سال بعد بہائے جانے والے آنسو صرف تشکر کے تھے۔

"اللہ آپ کو وہی دیتا ہے جو آپ کے حق میں بہتر ہو جو نہیں دیتا اس کی حقیقت آپ پر ضرور کھول دیتا ہے۔"

پانچ سال پہلے اس کے کانوں میں گونجنے والی آوازوں نے اس کے احساس زیاں کو بڑھا دیا تھا، پانچ سال بعد گونجنے والی اس واحد آواز نے اسے سجدے میں گر جانے پر مجبور کر دیا تھا، ہر شخص پر حقیقت نہیں کھولی جاتی وہ خوش قسمت تھا اس پر کھول دی گئی تھی۔

ٹھنڈی برفیلی سڑک پر رات کے اس پہر سجدے میں سر رکھے اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس حقیقت کے کھلنے پر شکر کے آنسو بہائے یا اس حقیقت کو دیر سے سمجھنے پر ندامتوں کے۔

[illegible] کے لئے پوری دنیا تھی، وہ وہاں سے جا رہا تھا وہ عورت اس کے لئے کچھ بھی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

اسے واپس پاکستان آئے دو ہفتے ہو گئے تھے، تمام تر تحقیقات پوری ایمانداری اور غیر جانبداری سے کرنے کی رپورٹ تیار کر کے اس نے آگے بھجوا دی تھی اور اس سلسلے میں اس نے کسی بھی دباؤ کو قبول نہیں کیا تھا، وہ آج کل چھٹی پر تھا پچھلے دنوں دن رات کام کرنے کے بعد اب وہ چند دن فری ہو کے گزارنا چاہتا تھا، وہ اس وقت اپنے طالب علمی کے چند دوستوں کے ساتھ موجود تھا جب اسے میاں صاحب کی کال موصول ہوئی تھی۔

"کیسے ہیں؟" سلام دعا کے بعد انہوں نے پوچھا تھا اسے ان کی آواز خاصی نقاہت زدہ سی محسوس ہو رہی تھی، وہ انہیں اپنی خیریت سے آگاہ کرتا ان کی خیریت پوچھ رہا تھا۔

"اگر مناسب سمجھیں تو کل تک ملنے کے لئے آ جائیے گا ہو سکتا ہے پھر موقع نہ مل سکے۔"

وہ چونک گیا پریشان ہوا اور کل کے بجائے شام کو ہی ان کے پاس تھا، پے در پے ہونے والے دو ہارٹ اٹیکس، وہ اس وقت بھی ہاسپٹل میں تھے وہ اور ان کے ساتھ ان کی چھوٹی بیٹی۔

اس نے پہلی بار امن علی کو دیکھا تھا، مناسب سی شکل وصورت، احساس ذمہ داری اور مضبوطی، وہ بہت خاص نہیں تھی مگر بہت عام بھی نہیں تھی۔

"آپ کو مجھے پہلے آگاہ کرنا چاہیے تھا۔" اس نے اپنائیت بھرے لہجے میں شکوہ کیا تھا، وہ دھیمے سے مسکرائے، وہ ان کے بستر پر ہی بیٹھ گیا تھا، ان کی بیٹی دوسری سائیڈ پہ موجود تھی وہ سیب چھیل رہی تھی اس نے شہالے کی طرف دیکھنے کی

نہ کوشش کی تھی نہ ضرورت سمجھی تھی، شہالے نے بھی سرسری سی نظر اس پر ڈالی تھی وہ پوری طرح میاں صاحب کی طرف متوجہ تھا۔

آنے والے چند دن اس نے میاں صاحب کے ساتھ ہاسپٹل میں ہی گزارے تھے، امن کو اس نے میاں صاحب سے کہہ کر گھر بھجوانے کی کوشش کی تھی وہ عورت تھی اور اسے اس کا وہاں رہنا مناسب نہیں لگ رہا تھا، وہ نہیں مانی تھی، میاں صاحب کے دو چار بار کہنے پر اس نے رونا شروع کر دیا تھا، تب وہ خاموش ہو گئے تھے، میاں صاحب کی بڑی بیٹی بھی دن کو آ جاتی تھی، ان کی بیوی خود بیمار تھیں اور ہاسپٹل آنا جانا ان کے لئے ممکن نہیں تھا، میاں صاحب کی بڑی بیٹی کھانا وغیرہ بھی لاتی تھی اور ایک آدھ دفعہ کے انکار کے بعد مجبوراً میاں صاحب اور عذرا کے اصرار پر اسے ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا پڑتا تھا، کھانا کھاتے، چائے پیتے اٹھتے بیٹھتے عذرا اس سے کئی چھوٹی چھوٹی باتیں کر لیتی تھی، عموماً تجسس بھرے سوال، اس کے متعلق اس کے خاندان کے بارے میں، پھر اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں پھیلا کر حیرت کا اظہار کرتی اسے ہنسی آ جاتی، جسے وہ بمشکل ضبط کر پاتا تھا، امن نے بھی اس سے بات کرنا تو درکنار اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا، عذرا کے مقابلے میں وہ بہت سنجیدہ رہتی تھی، وہ بہت کم بولتی تھی اور مسکرانا تو ناممکن سی بات تھی۔

اس دن بھی میاں صاحب کی طبیعت اچانک سے بگڑی تھی، عذرا نے رو رو کر حال خراب کر لیا تھا وہ خود بھی پریشان ہو اٹھا تھا صرف وہ ایک امن تھی جو بہت مضبوط نظر آ رہی تھی، وہ پریشان تھی مگر اپنی پریشانی کو بہت بہترین انداز میں چھپائے ہوئے تھی، پورا دن اس نے عذرا کو سنبھالنے اور ڈاکٹرز کے پیچھے بھاگتے گزارا تھا اور پوری رات جائے نماز پہ بیٹھ کے روتے ہوئے دعا مانگتے، وہ ان دونوں کے سامنے نہیں روئی تھی وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے وہ اللہ کے سامنے رو رہی تھی جو اس کے لئے سب کچھ کر سکتا تھا۔

میاں صاحب نے اپنی طبیعت کے ذرا سا ہی سنبھلتے ہی اسے اپنے پاس بلایا تھا، انہوں نے تمہید نہیں باندھی تھی صاف انداز اپنایا تھا، امن علی کون تھی کہاں سے آئی تھی کیوں آئی تھی انہوں نے کچھ نہیں چھپایا تھا اور سب بتانے کے بعد انہوں نے اس کے سامنے درخواست رکھی تھی امن علی سے شادی کرنے کی درخواست۔

''وہ ایک اچھی عورت ہے میں دعوا نہیں کر رہا گواہی دے رہا ہوں، وہ آپ کے لئے ایک اچھی بیوی ثابت ہو گی میں اس کا یقین دلاتا ہوں آپ کو، اس عورت میں وہ سب کچھ ہے جو کسی بھی اچھی اور مکمل عورت میں ہونا چاہیے مگر جو چیز سب سے اہم ہے وہ اس کا کردار ہے، ایک عورت کے پاس اگر کچھ بھی نہ ہو ایک اچھا کردار ہو وہ عورت انمول ہوتی ہے ایک عورت کے پاس سب کچھ ہو ایک اچھا کردار نہ ہو وہ عورت بے مول ہوتی ہے اور امن ایک انمول عورت ہے اس بات کا اطمینان میں آپ کو دلاتا ہوں، آپ نے زندگی میں بہت سارے لوگوں کے لئے بہت کچھ کیا ہو گا، اپنے ماں باپ کے لئے، رشتے داروں کے لئے دوستوں کے لئے، چاہنے والوں کے لئے، جاننے والوں کے لئے، آپ ایک کام اللہ کے لئے کر دیں آپ اللہ کے لئے امن علی سے شادی کر لیں۔'' وہ انہیں انکار پہلے بھی نہیں کرتا اب تو ایک لفظ بھی نہیں بول پایا تھا۔

☆☆☆

امن نے انتہائی بے یقین نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا، وہ جھوٹ نہیں بولتے یہ بات وہ جانتی تھی وہ سچ کہہ رہے ہیں یہ ماننے میں بھی اسے تامل تھا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اسے لگا اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے اس نے دوبارہ ان سے پوچھا تھا، انہوں نے اپنی بات پھر سے دوہرائی تھی۔

''میں نے شہالے عباس کے ساتھ آپ کا رشتہ طے کر دیا ہے، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اسے حیرت تھی جو اس کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔

''آپ کو اپنے پاس رکھتے ہوئے میں نے اللہ سے آپ کی ذمہ داری اٹھانے اور نبھانے کا وعدہ کیا تھا مجھے خوشی ہوگی اگر آپ مجھے میری ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھانے دیں گی تو۔'' ان کی اگلی بات نے اسے خاموش کر دیا تھا، تمام معاملات انتہائی جلدی اور خوش اسلوبی سے طے ہوئے تھے مسجد میں نکاح اور سادگی سے رخصتی ہوئی تھی، وہ رخصتی سے پہلے اس کے پاس آئے تھے۔

''مجھے اندازہ ہے اس ناراضگی کا جو اس وقت آپ کے دل میں میرے لئے ہے اور میں اس بات سے بھی ناواقف نہیں ہوں کہ آپ میرے اس فیصلے سے فی الحال نہ مطمئن ہیں نہ خوش اس کے باوجود آپ نے میرا مان رکھا میں اس کے لئے آپ کا مشکور ہوں، میں نے آپ کو بیٹی بنایا تھا اور میں نے حتی الامکان کوشش کی ایک اچھے باپ کے فرض کو نبھانے کی، اس کے باوجود مجھ سے کوئی بھی کوتاہی ہوئی ہو میں چاہوں گا یہاں سے جانے سے پہلے آپ اس کے لئے مجھے معاف کر دیں۔'' اس نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''جہاں تک شہالے کا تعلق ہے وہ ایک اچھا انسان ہے اور اچھے انسان اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کی قدر کی جائے اور ان سے عزت اور اچھے سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے، آپ کی شادی کا فیصلہ میرا ذاتی فیصلہ تھا کوشش کیجئے گا اسے مجھے بھی فیصلے کے لئے پچھتانا نہ پڑے۔'' اس نے بمشکل سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

نئے جگہ انجانے لوگ اسے جتنا بے چین ہونا چاہیے تھا اتنی نہیں تھی، بعض دفعہ چیزیں اللہ پہ چھوڑ دینی چاہیں، اس نے بھی یہی کیا تھا حالانکہ دل ہزاروں وسوسوں اور خدشوں سے اٹا پڑا تھا۔

امن علی کے ساتھ اپنی زندگی کی شروعات اس نے پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ کی تھی، وہ پوری عزت کے ساتھ اسے اپنی زندگی میں لایا تھا اور اس نے ہمیشہ اس مقام کو برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی، اس نے اسے ہر وہ چیز ہو وہ آسائش دینے کی کوشش کی تھی جو وہ اسے دے سکتا تھا، وہ امن علی کو خوش رکھے گا اس نے میاں صاحب سے وعدہ نہیں کیا تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ وہ ایسا ہی کرے گا اور اس نے ایسا ہی کرنے کی کوشش کی تھی مگر یہ دوسری طرف موجود بے نیازی تھی یا سرد مہری تھی جس نے اس کی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا، اس کی ہر پیش قدمی کا جواب سرد مہری سے دیا جاتا تھا، وہ اس کے لئے گفٹس لاتا وہ دیکھے بغیر رکھ دیتی۔

وہ اسے باہر لے جانے کی آفر کرتا وہ انکار کر دیتی، وہ اس سے باتیں کرنے کی کوشش کرتا، اس کے مشاغل اس کی دلچسپیاں جاننے میں دلچسپی ظاہر کرتا وہ ہوں ہاں میں جواب دے کر

اِدھر اُدھر ہو جاتی، وہ خوش نہیں تھی اس بات کا اندازہ بہت جلد لگا لیا تھا اس نے کیوں خوش نہیں تھی اسے اس چیز کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

آنے والے دو سالوں میں ان کی فیملی میں اضافہ اسامہ کی صورت میں ہوا تھا، اسامہ کی پیدائش اس کی پوری فیملی کے لئے بہت بڑی خوشی تھی جس کی سیلبریشن ایک ماہ تک جاری رہی تھی، اپنے ماں باپ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی بہت خوش تھا، اللہ نے اسے اپنی نعمت سے نوازا تھا، اس موقع پر بھی جو چیز اس کے لئے حیرت اور اچنبھے کی بات تھی وہ امن کا رویہ تھا وہ اب بھی خوش نظر نہیں آ رہی تھی۔

''تمہیں خوش ہونا چاہیے اللہ نے تمہیں اتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے۔'' رات اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے کہا تھا، وہ رو رہی تھی اس دیکھ کر اس نے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کی تھی، شہالے عباس نے اس کی یہ حرکت دیکھ لی تھی۔

''میں خوش ہوں۔'' وہ بدقت مسکرائی تھی، وہ گہری سانس لے کر رہ گیا تھا، اس کا رویہ آج بھی اس کے لئے سوائے الجھن اور حیرت کے کچھ بھی نہیں تھا۔

اسے لگتا تھا اسامہ کے بعد امن کا رویہ ٹھیک ہو جائے گا، یہ بات صرف اس کی خوش فہمی تھی اس بات کا اندازہ اسے آنے والے دنوں میں ہو گیا تھا وہ پہلے سے بھی زیادہ روکھی ہو گئی تھی، وہ اس کے ساتھ اسامہ کو بھی نظر انداز کرتی، وہ ہر وہ کام کرتی جو اسے غصہ دلا سکتا ہو، اسامہ سے لاپرواہ ہونا یہ وہ چیز تھی جو وہ برداشت نہیں کر پایا تھا، دو سالوں میں پہلی بار وہ بولا تھا۔

دو سال اس نے صبر کیا تھا، پہلی بار اس کے ہاتھ سے یہ چیز نکلی تھی، جواب میں اس عورت کی بدتمیزی نے اسے ششدر کر دیا تھا۔

''میں نے زندگی میں پہلی بار کوئی نیکی کی ہے آپ میری اس نیکی کو میرے لئے پچھتاوا مت بنائیں۔'' بمشکل خود پر ضبط کرتے اس نے کہا تھا وہ چند لمحوں کے لئے چپ رہ گئی تھی، پھر اسی خاموشی سے وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی، اگلے دو دن وہ خاموش رہی تھی اور تیسرے دن اس نے دھماکہ کر دیا تھا اسے شہالے عباس سے طلاق چاہیے تھی۔

شہالے عباس نے اس سے شادی کیوں کی تھی یہ ایک معمہ تھا اس کے لئے اور ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب اسے بہت سوچنے پہ بھی نہیں مل رہا تھا، اس کی الجھن تب سنبھلی تھی جب شادی کے پہلے روز اس نے شہالے کی ماں کی اپنی دیورانی سے کی جانے والی گفتگو اتفاقاً سن لی تھی، اپنی طرف سے وہ دونوں بہت دھیمی آواز میں بات کر رہی تھیں۔

''شہالے کو یہی لڑکی ملی تھی ساری دنیا میں؟'' شہالے کی چچی نے تمسخر بھری نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھتے انگلش میں پوچھا تھا، انہیں سو فیصد یقین تھا سامنے بیٹھی لڑکی کے سر پر گزری ہو گی ان کی بات وہ اسے زیادہ سے زیادہ میٹرک پاس سمجھ رہی تھیں، شہالے کی ماں نے بیزاری بھرے انداز میں سر جھٹکا تھا۔

''تم جانتی ہو اسے وہ شروع سے ہی کتنا رحم دل ہے، ترس کھا کر شادی کی ہے اس نے، نیکی کرنے کا شوق ہو رہا تھا اسے۔'' اس کی ماں نے وہ چند الفاظ نہیں کہے تھے امن علی کو اس کی اپنی نظروں میں ہی گرا دیا تھا۔

رحم، ہمدردی، ترس یہ وہ الفاظ تھے جن سے نفرت تھی اسے یہ وہ الفاظ تھے جن کے ساتھ زندگی گزری تھی اس کی، بچپن میں جب اس کا

تعارف احسان علی کی بیٹی کے طور پر کروایا جاتا تھا لوگ چہ چہ کی آواز نکالتے اسے رحم بھری نظروں سے دیکھتے، وہ احسان علی کی بیٹی ہے، اس کی ماں ایک غریب عورت ہے، ان کے پاس کھانے کو پیسے نہیں، اس کا باپ جواری ہے، ان کے گھر سوکھی روٹی قہوے یا گرم پانی کے ساتھ کھائی جاتی ہے، وہ جہاں جاتی یہ ساری کہانی انہی الفاظ کو آگے پیچھے کر کے دوہرائی جاتی اور لوگ تاسف کا اظہار کرتے اور ترس بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے، وہ چھوٹی تھی سمجھ نہیں تھی بڑی ہوئی لوگوں کی ترس بھری نظریں اسے عجیب لگتیں، بیزار کرتیں اور رفتہ رفتہ اسے ان سے نفرت ہونے لگی، وہ سکول جاتی ساتھی لڑکیاں بریک ٹائم کینٹین جاتیں، سموسے چاٹ آلو کے چپس، اس کے پاس ٹافی خریدنے کے پیسے نہیں ہوتے وہ خاموشی سے گراؤنڈ کے ایک کونے میں بیٹھ جاتی اور نوٹ بک پر جھک جاتی، ایک بار ایک ٹیچر نے دیکھا نوٹس کیا اور پھر مجبور کر کے اگلوا لیا، پھر ساتھ لے جا کر کینٹین گئیں اور چاٹ کی پلیٹ اس کے ہاتھوں میں تھما کر اسٹاف روم میں لے آئیں، تمام ساتھی ٹیچرز کے سامنے اس کی کہانی اور اپنی نیکی، وہ چاٹ کی پلیٹ جوں کی توں رکھی رہیں، وہ ایک چمچ تک نہیں کھا سکی، ٹیچرز کی رحم بھری نظریں اور ساتھ بیٹھیں ٹیچر کا فخریہ انداز لوگ آپ یہ رحم نہیں کھاتے آپ کا تماشہ بناتے ہیں، اسے یقین آ گیا تھا۔

اسے شہباز عباس کے ساتھ نہیں رہنا تھا، جو شخص ترس کھا کر اسے اپنے گھر میں لایا تھا اس کے ساتھ رہنا اس کے بس کی بات نہیں تھی، وہ زندگی میں ہر چیز برداشت کر لیتی، اپنی خودداری اور عزت نفس کو مٹی کیسے کر لیتی، آج اس کی ماں بتا رہی تھی اس نے ترس کھایا ہے کل وہ خود جتانے لگتا اس نے ترس کھایا ہے، وہ اس کل سے ڈرتی تھی، حالانکہ ان دو سالوں میں کئی بار وہ اس شخص سے متاثر ہوئی کئی بار وہ اس کی اچھائیوں کی معترف ہوئی، وہ شخص اتنا اچھا تھا کہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس سے متاثر نہ ہوا جائے۔

اور بالآخر اس نے جتا دیا تھا، وہ کل جس سے وہ ڈرتی تھی وہ کل آ گیا تھا، اسے سمجھ آ گیا وہ پچھلے دو سالوں سے اس کے برے رویے کو کیوں برداشت کر رہا تھا، وہ اپنی نیکی کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اس کے باوجود وہ کبھی اس کے قریب نہیں

ہوئی وہ جانتی تھی ایک دن آئے گا جب اسے اس شخص کو چھوڑنا پڑے گا، اس شخص نے نیکی کی تھی کافی تھا اب اس کو نبھانے بھی یہ ضروری نہیں تھا، اس کی زندگی میں پہلے ہی بہت سارے دکھ تھے وہ نہیں چاہتی تھی ان میں مزید اضافہ ہو۔

اس نے بہت آہستگی کے ساتھ اندر قدم رکھا تھا اور اندر آتے ساتھ ہی وہ ٹھٹک گیا تھا۔

وہ رو رہی تھی اسے تکلیف ہوئی، وہ آگے بڑھا اس کے قریب آیا اور اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''امن!'' اس نے بہت آہستگی سے دوسری بار اس کا نام لیا تھا، اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا، وہ اس عورت کو چھوڑنے آیا تھا اور اب اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اسے روک لے، مگر وہ بے بس تھا، اس عورت کو چھوڑنا اگر اس کے بس کی بات نہیں تھی تو اسے روکنا بھی اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔

''تم جانتی ہو میں نے تم سے شادی کیوں کی تھی؟'' اس نے بہت افسردہ لہجے میں پوچھا تھا۔

''تمہیں ترس آ گیا تھا مجھ پر رحم کھایا تھا تم نے مجھ پر۔'' اس نے روتے ہوئے یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں ترس آیا تھا مجھے تم پہ مگر تم سے شادی میں نے ترس کھا کر نہیں کی تھی اس محبت کے لئے کی تھی جو مجھے اللہ سے ہو گئی ہے۔'' امن نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں شہا لے عباس ہوں ایک ٹھکرایا ہوا انسان۔'' پہلی بار وہ اس کے سامنے اپنا آپ کھول رہا تھا وہ بے یقینی سے اسے سن رہی تھی، تھی سلجھتی تھی اور غلط فہمی دور ہونے والی تھی۔

''مجھے لگتا ہے مجھے محبت ہو گئی ہے تم سے۔'' وہ سالوں بعد یہ وہ پہلا اعتراف تھا جو اس نے ساری کہانی سنانے کے بعد کیا تھا۔

''آج سے پہلے تم نے یہ کبھی نہیں بتایا۔'' اس نے روتے ہوئے پہلا شکوہ کیا تھا۔

''میں اب ہر روز بتایا کروں گا۔'' اس نے پہلا یقین دلایا تھا، وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے وہ رو رہی تھی اس کی انگلیاں اس کے رخساروں پہ تھیں وہ اس کے آنسو اپنی پوروں پہ چن رہا تھا۔

''میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ برا ہی کیا میں اس کے لئے شرمندہ ہوں۔''

''تم آئندہ بھی اس بات کو نہ دہرانا مجھے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔'' اس کے آنسو روانی سے بہنے لگے تھے، یہ وہ شخص نہیں تھا جس سے محبت ہو جاتی یہ وہ شخص تھا جس سے عشق کیا جاتا۔

''تم نے کبھی میری لائی چیزیں استعمال نہیں کیں۔'' شکوے آہستہ آہستہ بڑھنے لگے تھے۔

''مجھے اپنا آپ کبھی اتنا معتبر نہیں لگا۔'' اس نے سر جھکا کر اعتراف کیا تھا۔

''میں آج تک نہیں بتا پایا تمہیں کہ تم میرے لئے بہت خاص ہو۔'' اس نے بہت نرمی سے اس کے ہاتھ کو چھوا تھا۔

''تم نہ بھی بتاؤ تب بھی مجھے اپنی خوش قسمتی کا یقین ہونے لگا ہے۔'' اپنے ہاتھ پہ رکھے اس کے ہاتھ کو اس نے محبت سے دیکھا تھا اور پھر اپنا دوسرا ہاتھ اس کے گندمی مضبوط ہاتھ پہ رکھ دیا تھا، دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرائے، وہ دونوں وہ لوگ تھے جو ٹھکرائے ہوئے لوگ تھے اور وہ دونوں ہی وہ لوگ تھے جو چنے ہوئے لوگ تھے۔

☆☆☆

فرزانہ حبیب

ہمارے ارمانوں سے سجاؤ شاہ وقت اور محل بناؤ
اپنا تو فٹ پاتھ ٹھکانہ ہے دیکھ کر ہم کو مت شرماؤ

"میرے دوستوں اور محنت کش بھائیوں آپ کو معلوم ہے کہ یکم مئی "یوم مزدور" کے نام سے منسوب ہے، یہ دن شکاگو میں خون میں ڈوبے مزدوروں کے اعزاز میں مختص کیا گیا ہے اس دن یہ قرارداد پاس (منظور) ہوئی کہ صرف چھ سے آٹھ گھنٹے کی اجرت یہ مزدور کام کریں گے اور اوورٹائم کی صورت میں الگ سے اجرت دی جائے گی اسے کے علاوہ تمام مزدوروں کو میڈیکل اور دیگر بنیادی سہولیات فراہم کی جائیں گی، مگر افسوس اس دن ہمارے یہ بڑے بڑے کاروباری سرمایہ دار تقاریر اور سیمینار تو کرتے ہیں مگر عملی طور پر وہ ان کے حقوق سے طوطا چشمی برتتے ہیں، بھائیوں! ہمارے بہت سے بھٹوں اور فیکٹریوں میں سخت چلچلاتی دھوپ میں کام کرنے والے مزدور بھائیوں کو تو اس دن کی اہمیت کا بھی نہیں پتہ، وہ اس دن بھی اپنی روزی، روٹی کمانے میں مشقت کرتے گزار دیتے ہیں اور رات کو تھک کر سو جاتے ہیں کوئی ان کا پرسان حال نہیں اب ہمارے مزدور بھائی راشد کی مثال لیں وہ پچھلے دس سال سے اس فیکٹری میں نہایت ایمانداری اور محنت سے کام کر رہا تھا بعض اوقات بغیر کسی صلے اور اضافی تنخواہ کے بھی کام میں لگا رہتا، جس کے خون اور پسینے کی کمائی دولت سے ہمارے یہ سرمایہ دار مالکان، محل کھڑا کر رہے ہیں، ان کے بچے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہیں باہر کی امپورٹڈ لباس اور دیگر آسائش انہیں مہیا ہے اور وہ بڑی بڑی گاڑیوں میں گھومتے ہیں جبکہ اس کا بچہ سرکاری اسکول جاتا ہے جہاں تعلیم تو دور کی بات بنیادی ضرورتوں کی بھی فقدان ہے، وہ خود بیچارہ میلوں کی مسافت پیدل طے کر کے علی الصبح فیکٹری آتا ہے پچھلے مہینے بھی اس فیکٹری میں کام کرتے ہوئے اس کا دایاں ہاتھ مشین میں آ گیا وہ اپنے گھر کا واحد کفیل تھا جس کے دم سے اس کے گھر کا چولہا جل رہا تھا، مگر اس پر ہمارے سیٹھ صاحب نے سوائے ہمدردی کے دو جھوٹے بولوں کے اور کیا کیا؟ بجائے اس کی اتنے سالوں کی محنت کے صلے میں بروقت علاج کرواتے، اس کا بازو کٹ گیا اس اس کی باپردہ مجبوراً بیوی گھروں کے کام کاج کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال رہی ہے، مگر سیٹھ صاحب کو اس کے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس کی جگہ وہ کسی اور غربت کے مارے کی مجبوری خرید لیں گے اور اس طرح ان کی دولت کے خزانے میں اضافہ ہوتا جائے گا، ابھی بھی وقت ہے میرے بھائیوں، سوچو ذرا، کل کو ہم میں سے بھی کسی کے ساتھ ایسا سلوک ہو سکتا ہے، کیا تم سب اسی طرح سسکتے، بلکتے زندگی گزار دو گے تمہاری اولاد، حسرت اور احساس کمتری کی فضا میں پرورش پائیں گی اور اپنی چھوٹی چھوٹی معصوم خواہشات کا گلا گھونٹتے رہیں گی؟ نہیں اب وقت آ گیا ہے ہم سب کو اپنے حقوق کے تحفظات کے لئے آواز اٹھانی ہے، تو تم سب میرے ساتھ ہو؟"

"ہاں ہم سب ایک ساتھ ہیں ندیم بھائی زندہ باد، لیبر یونین زندہ باد۔"

ہمیں	ہمارا	حق	دو
ورنہ	فیکٹری	بند	کرو

ہر طرف مزدوروں کا پرجوش نعرہ تھا، ندیم جو کچھ مہینے پہلے ہی عدیل گروپ آف انڈسٹریز میں مزدوروں کے انچارج کے طور پر نامزد ہوا تھا اس نے اپنی سمجھداری اور سلجھی ہوئی عادت کی وجہ سے جلد ہی تمام ملازموں کے دلوں میں ایک خاص مقام بنا لیا سب اس کی باتوں پر عمل کرتے

تھے، اس نے فیکٹری کے ایک اور سینئر ملازم عامر کے ساتھ مل کر لیبر یونین تشکیل دی تھی اور آج اسی سلسلے میں ان کی میٹنگ تھی، مزدوروں اور ملازمین کے جوش وخروش نے ندیم اور عامر کے دلوں میں مزید امید کی کرن روشن کر دی تھی انہیں یقین تھا جیت ان کی ہوگی اور اب مزدوروں کے حقوق کا کوئی استحصال نہیں کر سکے گا۔

☆☆☆

''سر! باہر تمام مزدوروں نے ندیم کی شہہ پر احتجاج اور ہڑتال کیا ہوا ہے، وہ ایک ہفتے سے کام نہیں کر رہے سارے آرڈر پڑے ہیں اگر یہی حال رہا تو......'' منیجر نے ڈرتے ڈرتے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''ارے کرنے دو ان کو احتجاج اور وہ ندیم اس کو تو میں دیکھ لوں گا، جوانی کا نیا نیا جوش ہے جو انقلابی باتیں کر رہا ہے جب گھر میں فاقہ ہوں گے بہنیں بن بیاہی بیٹھی رہیں گی تو آ کر یہی ندیم اور عامر میرے پاؤں پڑ کے معافی مانگیں گے، گڑ گڑائیں گے پھر میں ان کو حقوق اور مطالبات کا مطلب بتاؤں گا، بغاوت اور احتجاج کا نتیجہ خود بھگتیں گے ہونہہ۔'' سیٹھ جبار نے نفرت اور زہر آلودہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم پریشان نہ ہو بس یہ چار دن کا ڈرامہ ہے اس کے بعد سب کچھ معمول کے مطابق ہو جائے گا، ابھی آرڈر پورا کرنے میں مہینہ پڑا ہے جب ان مزدوروں کے خالی پیٹ فاقے سے کلبلائیں گے ان کے بچے بھوکے مریں گے تو ساری اکڑ نکل جائے گی پھر ان بھکاریوں کی، اس کے بعد دن رات آٹھ گھنٹے کی اجرت پر چوبیس گھنٹے کام کروا کر اپنا آرڈر پورا کرواؤں گا۔'' سیٹھ جبار نے اپنی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ منیجر صاحب کو بتایا منیجر بھی ان کی ذہانت کا قائل ہو گیا اور بے فکر ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

اس شہر میں مزدور جیسا در بدر کوئی نہیں
جس نے سب کے گھر بنائے اس کا گھر کوئی نہیں

''عامر آج کہیں سے پیسے کا انتظام ہوا؟ گڑیا کی حالت بہت خراب ہے محلّہ کے ڈاکٹر کی دوا سے اسے بالکل افاقہ نہیں ہو رہا اسے ہسپتال لے کر جانا پڑے گا سوچ لو عامر، اگر میری لخت جگر میری گڑیا کو کچھ ہوا ناں تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' رمشا نے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا عامر کے چہرے پر پھیلی مایوسی اور اداسی سے وہ سمجھ گئی تھی کہ آج بھی وہ ناکام لوٹا ہے۔

''کیا کروں؟ میں کوشش کر تو میں رہا ہوں، صبح کا نکلا رات میں گھستا ہوں، مارا مارا پھرتا ہوں، تمہیں کیا لگتا ہے مجھے اپنی بچی کی فکر نہیں۔'' عامر نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''ہوں اگر تمہیں فکر ہوتی تو اس طرح اچھی خاصی فیکٹری کی ملازمت چھوڑ کر نہیں بیٹھتے، مجھے بتاؤ ذرا جس ''لیبر یونین'' کے کہنے پر تم نے اس طرح قدم اٹھایا احتجاج کیا، کچھ فائدہ ہوا اس کا، اچھی بھلی دال روٹی چل رہی تھی، گزارا ہو ہی رہا تھا ناں، مگر پتہ نہیں تمہارے دماغ میں کہاں سے اپنا حق حاصل کرنے کا بھوت سوار ہو گیا؟ یاد رکھو، میری سلائی کے پیسے سے صرف دال روٹی آ سکتی ہے، ہاں گھر کا کرایہ، بجلی گیس کے بل اور اب گڑیا کی دوا کا انتظام کیسے ہوگا؟ عامر میں کہہ رہی ہوں یہ بلاوجہ کی ضد چھوڑ دو اور فیکٹری کے مالک سے معافی مانگ کر پھر سے کام پر جانا شروع کر دو، یاد رکھو ہم غریبوں کے کوئی حقوق نہیں ہوتے ہم پیدائشی مزدور ہیں اور مزدوری کرتے ہی ہماری ہڈیاں گھس جائیں گی لہٰذا

زندگی کی سانسیں بحال رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا، یہ بڑے لوگ کبھی ہم غریبوں کا حق نہیں دیں گے۔" رمشا نے عامر کو سمجھانے کی کوشش کی، عامر نے پرسوچ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو، مگر وہ ندیم صاحب ہے ناں، لیبر یونین کے لیڈر انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ جیت ہماری ہوگی، بس تھوڑے دن کی اور تکلیف ہے اگر اسی طرح ہم ان سرمایہ داروں سے دبتے رہے تو کوئی ہمارا پرسان حال نہیں ہو گا، ہمارے خون پسینہ کی محنت پر یہ بڑی بڑی عمارتیں، پلازہ بنا کر اپنی تجوریاں بھرتے رہیں گے اور ہم اسی طرح غریب رہیں گے، کیا تو نہیں چاہتی کہ ہماری بیٹی کسی اچھے اسکول میں پڑھے اس کا بھی کسی اچھے خاندان میں عزت کے ساتھ رشتہ ہو جہاں اسے کوئی جہیز نہ لانے پر طعنے نہ دے سکے جیسے تو نے ساری زندگی میری مرحوم ماں سے اپنی غربت اور جہیز نہ ملنے کی وجہ سے طعنہ سہا وہ تو میں تمہارے ساتھ تھا تمہیں کبھی اکیلے نہیں چھوڑا مگر ضروری ہے کہ ہماری گڑیا کو بھی کوئی ایسا بھلا مانس انسان ملے جو دو کپڑوں میں اسے قبول کر لے۔" عامر نے رمشا کو سمجھاتے ہوئے تسلی دی، رمشا نے مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

باتیں تو عامر کی بھی اپنی جگہ ٹھیک تھیں لیکن گھر کی بدحالی، بیٹی کی بیماری، ان کے لئے ایک آزمائش تھی وہ خاموشی سے عامر کے لئے اندر کھانا لینے چلی گئی جبکہ عامر وہیں صحن میں بچھی چارپائی پر آنکھیں موند کر لیٹ گیا۔

☆☆☆

عامر کا تعلق ایک نچلے طبقے کے خاندان سے تھا میٹرک تک تعلیم حاصل کر کے ایک فیکٹری میں ملازمت کرلی پھر اس کی شادی ماموں زاد کزن رمشا سے ہوگئی جو ایک سلیقہ مند لڑکی تھی، اس نے عامر کے کم تنخواہ اور اپنے سلائی کے ہنر سے گھر کا چولہا چلائے رکھا، اس کی ساس لالچی قسم کی خاتون تھیں انہیں رمشا کے جہیز نہ لانے کا ہمیشہ قلق رہا، جس کا وہ رمشا کو اکثر طعنہ دیتی رہتی تھیں مگر وہ عامر کی محبت اور تسلی پر صبر سے تمام باتوں کو برداشت کرتی، زندگی بہت خوشحال نہ سہی مگر بہت بری بھی نہیں گزر رہی تھی، لیکن ابھی دو مہینے پہلے عامر کے دماغ میں فیکٹری میں آنے والے نئے لڑکے ندیم نے یہ بات ڈال دی کہ ان سے بہت کم اجرت میں کام کروایا جا رہا ہے، آٹھ آٹھ گھنٹے اوور ٹائم لگانے کے باوجود صرف اتنی تنخواہ ملتی جس سے بمشکل گزارا ہوتا لہٰذا اب اس نے ندیم کے ساتھ مل کر لیبر یونین تشکیل دی کچھ مزدوروں نے تو اس کا ساتھ دیا مگر کچھ نے اپنے گھر کی بدحالی کی وجہ سے ہار مان لی اور عامر اور ندیم کا مزید ساتھ دینے سے انکار کر دیا مگر عامر اور ندیم اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے، اب پچھلے ایک ہفتے سے ان لوگوں نے کام کی ہڑتال کر رکھی تھی، مگر فیکٹری کے مالک کے خلاف نعرہ بازی، پتھراؤ کا بھی ابھی تک کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔

رمشا کی باتوں اور گڑیا کی حالت سے وہ بھی شاید اب شکست کھانے لگا تھا بیٹی کی بیماری نے اسے اندر تک توڑ کر رکھ دیا تھا آج ہی وہ کسی خیراتی ہسپتال سے اپنی تین سالہ بیٹی کا معائنہ کروا کر آیا تھا ڈاکٹر نے بہتر خوراک اور مہنگی دوائیں لکھ کر دی تھیں مگر اب تو گھر میں فاقے کی نوبت آگئی تھی گڑیا بھوک اور بیماری سے کملا کر رہ گئی تھی رمشا بھی اس سے خفا رہنے لگی تھی لہٰذا عامر نے سوچ لیا تھا کہ وہ ندیم کے ساتھ مزید احتجاج

کرنے سے انکار کر دے گا، اپنے فیصلے پر نہ چاہتے ہوئے وہ عمل کرنے کا سوچ چکا تھا، کل صبح اسے ہر حال میں فیکٹری جا کر اپنی ملازمت کی بحالی کے لئے فیکٹری کے مالک سے التجا کرنی تھی چاہے اسے اس کے پاؤں ہی کیوں نہ پڑنے پڑے وہ اپنی بچی کے خاطر اپنی انا اور عزت نفس کا بھی گلہ گھونٹ دے گا، یہ سب سوچتے اس نے یاسیت سے آنکھ موند لیں۔

☆☆☆

''اوہ بیگم صاحبہ صبح صبح کہاں کی تیاری ہے؟'' سیٹھ جبار نے ناشتہ کرتے ہوئے مسز جبار سے پوچھا۔

''ارے بس وہی یوم مزدور پر کل ایک سیمینار ہے اسی سلسلے میں آج ہماری NGO کی میٹنگ ہے میں تو بیزار ہو گئی ہوں فارمیلٹی نبھاتے نبھاتے۔'' مسز جبار نے اکتائے ہوئے لہجے میں چائے پیتے جواب دیا۔

''پتہ نہیں کس نے یہ یوم مزدور بنایا تھا؟ ان مزدوروں اور ملازموں کے تو دماغ عرش معلٰی پر پہنچ گئے ہیں ہڈ حرام کام تو ڈھنگ سے کرتے نہیں اور اپنے حقوق، تنخواہ میں اضافہ اور دیگر سہولیات کے لئے آواز اٹھانا شروع کر دیتے ہیں، آج کل میری فیکٹری میں بھی مزدوروں نے ناک میں دم کیا ہوا ہے، ایک ہفتے سے کام بند کر رکھا ہے سمجھ نہیں آ رہا اٹلی نے جو ماربل کے شو پیسز (Show Pieces) کا آرڈر دیا ہے وہ بروقت کس طرح پورا ہو گا۔'' سیٹھ جبار نے بھی کچھ اکتائے اور فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

''ارے تو آپ انہیں نکال باہر کریں مزدوروں کی ہمارے ملک میں کمی ہے کیا؟ ہر کوئی یہاں بے روزگار اور غربت کا مارا ہے مجبوری میں ان سے کم اجرت میں بھی کام لیا جا سکتا ہے۔''

مسز جبار نے نخوت سے ناک چڑھاتے ہوئے مشورہ دیا۔

"کہتی تو آپ ٹھیک ہیں مگر بات میڈیا تک پہنچ چکی ہے اور آپ کو معلوم ہے میڈیا تو اپنی Rating کے لئے اس طرح کی خبروں کی تلاش میں رہتے ہیں، حالات میری سمجھ سے بے قابو ہوتے جا رہے ہیں اگر یہی حالات رہے تو نہ صرف بزنس میں خسارہ ہوگا بلکہ مارکیٹ میں بنی بنائی ساکھ بھی متاثر ہوگی اور میری حریف کمپنی کو یہ ٹینڈر حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں؟" سیٹھ جبار نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"ہوں!" مسز جبار نے فال درست کرتے ہوئے ملازمہ کو آواز دی۔

"اری کمبخت کہاں مر گئی کب سے آوازیں دے رہی ہوں کام چور کہیں کی آئے دن بہانے بازیاں، ابھی کل ہی ملکہ عالیہ فرما رہی تھیں کہ اسے اپنی پوتی کے داخلے کے لئے کچھ ایڈوانس میں پیسے چاہیے ہونہہ اب ان جیسے فقراء بھی ہماری برابری کریں گے جیسے ان کے بچے سرکاری اسکولوں میں پڑھ کر منسٹر لگ جائیں گے۔" مسز جبار نے سارا غصہ وقار دار ملازمہ پر نکالا، ملازمہ آنکھوں میں نمی لئے وہاں سے چلی گئی مجبوری کے آگے اس کی عزت نفس کچلی جا رہی تھی مگر غربت نے ہاتھ باندھے رکھنے پر مجبور کر رکھا تھا، عدیل جو کافی دیر سے اپنے والدین کی بے حسی اور سفاکی میں لپٹی گفتگو سن رہا تھا اسے تاسف نے آگھیرا۔

"ممی مجھے یقین نہیں آ رہا آپ وہی ویل ایجوکیٹڈ وومن ہے جو خواتین اور غریبوں کے حقوق کے لئے بڑی بڑی تقریریں کرتی ہیں مگر آپ کا دوسرا رخ اتنا بدصورت ہوگا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، کیا غریب انسان نہیں ہوتے؟ یاد رکھیں یہ سب اللہ کا دیا ہے وہ مالک کل ہے وہ جب چاہے ہم سے چھین کر سڑک پر لا سکتا ہے تو پھر اللہ کے دیئے گئے مال میں کس بات کا غرور؟ مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے میں جو لندن کی اعلیٰ یونیورسٹی سے ہیومن رائٹس میں ماسٹرز کر کے آیا ہوں مگر میرے گھر میں ہی اتنی جاہلیت کا مظاہرہ، اور پاپا آپ جو میرے آئیڈیل، ملک کے کامیاب مایہ ناز بزنس مین ہیں مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی کامیابیوں کے تاج پر غریبوں کی مجبوریاں اور آہوں کے آنسو ٹکے ہوئے ہیں، کل میں فیکٹری گیا تھا مگر وہاں کی حالت دیکھ کر مجھے افسوس ہو رہا ہے مزدوروں کے ساتھ اتنا برا سلوک صرف انہیں چند روپے سارے دن کی محنت کے بعد دی جاتی ہے، کوئی میڈیکل یا دوسری بنیادی سہولت نہیں، ندیم سے میری بات ہوئی تھی، اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ لوگ حق پر ہیں اور آپ انہیں ہڈ حرام کہہ رہے ہیں سوچیے ذرا ان کی وجہ سے آج آپ نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی پراڈکٹ بروقت ایکسپورٹ کرتے ہیں، ان کے محنت کش ہاتھوں سے ہی کروڑوں روپے کما رہے ہیں اور ہاں آج عامر نامی ایک شخص بھی آیا تھا اس کی حالت زار دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے اتنی بے حسی، اس کی معصوم بچی شدید بیمار ہے مگر علاج کرانے کے بھی اس کے پاس پیسے نہیں، وہ میرے آگے ہاتھ پیر جوڑ رہا تھا، اپنی اس غلطی کی معافی مانگ رہا تھا جو اس نے کی ہی نہیں، اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھانا کہاں کا جرم ہے، یورپ جیسے ممالک میں بھی غریبوں کی عزت کی جاتی ہے ان کے بنیادی جائز حقوق پورے کیے جاتے ہیں اور ہم امت مسلمہ ہو کر بھی اپنی اسلامی

تعلیمات سے آنکھیں موڑیں ہوئے ہیں یہی وجہ ہے ہمارا ملک تنزل کی طرف جا رہا ہے، ہمارے نبیؐ کا ارشاد ہے "مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو" اور ممی آپ کو پتہ ہے آپؐ نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو کیا حکم دیا تھا یہی کہ ایک دن وہ گھر کا سارا کام کریں گی اور ان کی ملازمہ آرام کرے گی اور دوسرے دن ان کی ملازمہ کام کرے گی جبکہ وہ آرام کریں گی، سبحان اللہ کیا ہم اپنے آقا حضرت محمدؐ کی چہیتی بیٹی سے بڑھ کر ہو سکتے ہیں، وہ جو جنت کی شہزادی ہیں ان کو بھی ملازمہ کے ساتھ برابری کے سلوک کا حکم دیا گیا، افسوس ہم با حیثیت مسلمان اپنی اصل تعلیمات اور اصول و ضوابط کو بھول چکے ہیں جبکہ چائنا جو ہمارے بعد آزاد ہوا ہے وہ ترقی کی راہ میں ہم سے آگے ہیں کیونکہ انہوں نے ہماری تعلیمات پر عمل کیا یہاں تک امریکہ جیسے ترقی یافتہ مستحکم ملک میں بھی ہر سال وزیر اعظم اور ان کی بیگم عام مزدوروں کی طرح کام کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اس کا مقصد اپنے ملازموں کو یہ احساس دلانا ہوتا ہے کہ وہ بحیثیت انسان ہمارے برابر ہیں، مگر یہاں اتنی زبوحالی، غریبوں کی عزت نفس کو کچلا جا رہا ہے اور ماما آپ کا ان غریب ملازمین کے ساتھ اتنا نازیبا سلوک۔" عدیل نے تاسف سے کہا۔

عدیل ان کا اکلوتا بیٹا حال ہی میں لندن سے ڈگری لے کر لوٹا تھا آج اس نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں، ان کے دلوں پر جمی بے حسی کی گرد صاف کر دی تھی دونوں اپنے نازیبا رویے پر شرمسار تھے۔

"بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو واقعی ہم غلطی پر تھے، غریب بھی ہماری طرح انسان ہیں گھر میں وعدہ کرتا ہوں کل یکم مئی ان مزدوروں کے لئے ایک نیا روشن دن لے کر طلوع ہوگا میں نہ صرف ان کی تنخواہ بڑھاؤں گا بلکہ میڈیکل کی سہولت بھی فراہم کروں گا، عامر کی بیٹی کا مکمل علاج کراؤں گا راشد کی بھی سالانہ فنڈز میں سے امداد کروں گا اور ہر سال یکم مئی جو مزدوروں کا عالمی دن ہے اس دن کوئی ملازم کام نہیں کرے گا انہیں ایک دن کی تنخواہ اور چھٹی پیشگی ادا کی جائے گی تاکہ اس دن وہ بھی ہماری طرح اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بھرپور طریقے سے گزار سکیں، بے شک معاشی ترقی و استحکام میں یہ مزدور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔" سیٹھ جبار نے ایک نئے عہد اور نئی امنگ کے ساتھ تلافی کی۔

"اور میں بھی بیٹا وعدہ کرتی ہوں صرف NGO کو ظاہری نمود و نمائش اور اپنی جھوٹی شہرت کے لئے استعمال نہیں کروں گی بلکہ غریب عورتوں کی ہر طرح سے مدد کروں گی انہیں ہنر سکھا کر اس قابل بناؤں گی کہ وہ باعزت طریقے سے نہ صرف اپنی روٹی کما سکے بلکہ معاشرے میں فخر سے سر اٹھا کر چل سکیں۔" مسز جبار نے بھی عہد کیا۔

پھر واقعی یکم مئی "یوم مزدور" عامر، ندیم اور رمشا کے لئے خوشحالی اور ترقی کا پیغام لے کر آیا تھا کاش ہمارے ملک میں ندیم اور عدیل جیسے نوجوانوں کا عزم، حوصلہ اور مثبت سوچ تمام امیر طبقوں کے دلوں تک پہنچ جائے تو ملک میں غربت و افلاس کا خاتمہ ہو جائے۔

☆☆☆

مجھے آواز دے لینا

روبینہ سعید

ارمان نے بائیک بوگن ویلیا کی بیلوں سے ڈھکے خوبصورت گھر کے سامنے روکی اور جلدی سے اتر کر بیل پر ہاتھ رکھا دور کہیں گھنٹی کی جلترنگ سی سنائی دی، ذرا دیر میں ہی دروازہ کھل گیا، حسب توقع گیٹ ایمن نے ہی کھولا تھا۔

''اتنی دیر۔'' وہ ناراضگی سے بولی۔

''دیر۔'' وہ بڑبڑایا اور کلائی آنکھوں کے نزدیک کر کے گھڑی میں ٹائم دیکھا۔

''ابھی اتنی دیر بھی نہیں ہوئی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ایمن کو دیکھا، ایمن برا سا منہ بناتے ہوئے اندر کی طرف بڑھی، پھر اس کی طرف رخ کر کے بولی۔

''تمہارا بس چلے تو گھر کا تو رخ ہی نہ کرو۔'' ارمان نے بائیک اندر لا کر کھڑی کی۔

''ماموں اور ممانی سو گئے؟'' اس نے گھر کے اندر جاتی ہوئی ایمن کو پکارا۔

''امی تو سو گئی ہیں، لیکن پاپا شاید جاگ رہے ہیں۔'' ارمان تیز تیز چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، ہاتھ بڑھا کر سوئچ آن کیا اور الماری سے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا، آج وہ بہت تھک گیا تھا، پہلے آفس سے ہی دیر ہو گئی تھی پھر نعمان مل گیا تھا اور وہ اسے زبردستی دوستوں میں گھسیٹ کر لے گیا، دوستوں سے گپ شپ میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا، وہ فریش ہو کر واش روم سے باہر آیا اور تولیہ صوفے کی طرف اچھال دیا، ریموٹ لے کر وہ بیڈ پہ آ بیٹھا، تب ہی ایمن دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی، اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

''ارے۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''کھانا تم کیوں لائیں، اماں رحمہ کہاں گئیں؟''

مکمل ناول

''اماں رحمہ نو بجے اپنے گھر چلی جاتی ہیں اور ذرا گھڑی دیکھو بارہ بج کر بیس منٹ ہو گئے ہیں، کہاں تھے اب تک؟'' وہ جو بولتے بولتے یکدم رکی تو ارمان جو اسے بے خودی سے دیکھے جا رہا تھا اس کے یکدم خاموش ہوتے ہی ہڑبڑا گیا۔

''میں...... میں نے کہاں جانا تھا؟'' اس نے گہری سانس لے کر ٹرے اپنے آگے سرکائی۔

''ایمن تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے کہ میرے لئے مت جاگا کرو، اگر ممانی کو پتہ لگ گیا تو جانتی ہو گھر میں طوفان آجائے گا۔''

''امی کو کیسے پتہ لگے گا۔'' ایمن مزے سے بولی اور سالن کے ڈونگے میں سے سالن پلیٹ میں ڈالا۔

''کیوں؟'' ارمان سراپا سوال بن گیا۔

''ممانی کو کیسے پتہ نہیں لگے گا؟''

''ارے بابا کھانا تو کھاؤ۔'' ایمن جھنجلا گئی۔

''امی خود نو بجے سے ہی نیند کی دوا لے لیتی ہیں، پھر ڈپریشن دور کرنے کی جو دوا لیتی ہیں اس سے بھی ان کا سر بوجھل رہتا ہے، اچھا اب تو۔'' اس نے ارمان کو تفصیل بتانے کے بعد اسے کھانے کی طرف متوجہ کیا، ارمان نے کھانا شروع کیا اور ایمن اسے سارے دن کی تفصیل بتانے لگی، ارمان بھی جانتا تھا کہ یہ کانچ سی لڑکی جب تک اسے پورے دن کی روداد نہیں سنا دے اسے چین نہیں آئے گا، ارمان اس کی باتوں کے جواب میں محض ہوں ہاں کرتا رہا، وہ مسلسل بولے جا رہی تھی نجانے کیا کیا۔

''اچھا دو منٹ رکو، میں ابھی آئی۔'' ایمن بولتے بولتے یکدم رکی اور اٹھ کر بھاگ گئی، ارمان کے لئے یہ صورتحال کوئی نئی نہیں تھی وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا، یقیناً کوئی چیز وہ اسے دکھانے کے لئے لائی ہے، وہ ٹرے ایک طرف کھسکا کر سیدھا ہو بیٹھا اور ریموٹ اٹھا کر چینل سرچ کرنے لگا، تب ہی دروازہ کھول کر ایمن اندر آئی۔

''ارمان...... یہ دیکھو۔'' وہ پھولے پھولے سانسوں سے بولی، ارمان سمجھ گیا ایمن بھاگتی ہوئی اوپر کی منزل پر اپنے کمرے تک گئی ہے اور اب اسی طرح واپس آئی ہے۔

''خدا خیر کرے، کیا ہے؟'' اس نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔

''ارمان...... یہ دیکھو۔'' اس نے دونوں ہاتھوں میں تھامے ڈریسز اس کی طرف بڑھائے۔

''اچھا رکو۔'' ارمان نے ڈریسز ہاتھ میں پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ ایمن نے ڈریسز واپس کھینچ لئے۔

''اب دیکھو'' اس نے ڈریسز اپنے ساتھ لگائے۔

''کل سارہ کی برتھ ڈے ہے۔'' وہ اشتیاق سے بولی، ارمان کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

''تم بتاؤ کون سا ڈریس پہنوں؟ یہ والا۔'' اس نے دائیں ہاتھ میں پکڑا ڈریس اپنے ساتھ لگایا۔

''یا پھر یہ والا۔'' اب ایمن نے بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈریس اپنے ساتھ لگایا، ارمان نے غور سے اسے دیکھا نجانے کب اس کی آنکھیں ایمن کے خواب دیکھنے لگی تھیں اسے پتہ ہی نہیں چلا، اب بھی وہ کھو سا گیا۔

''بتاؤ نا۔'' ایمن کی آواز اسے واپس کھینچ لائی، وہ ہڑبڑایا۔

''ہاں..... کیا ہے؟'' وہ بوکھلا سا گیا، ایمن نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''میں مسلسل بول رہی ہوں اور تم سن ہی نہیں رہے۔'' وہ روٹھی روٹھی آواز میں بولی۔

''اچھا بابا۔'' ارمان نے گہری سانس لی۔

''جو مرضی پہن لو۔'' ایمن نے دونوں ڈریسز لپیٹ لئے اور دروازے کی طرف بڑھی اور ارمان کی جان نکل گئی وہ جانتا تھا ایمن ناراض ہوگئی ہے۔

''اچھا سنو۔'' وہ ریموٹ پھینک کر اٹھا۔

''وہ بلیک والا پہن لو۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے احسان کرنے کی۔'' وہ تنک کر بولی۔

''میں پہن لوں گی کوئی سا بھی۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

''رکو، ایمن سنو تو۔'' ارمان بوکھلا کر بیڈ سے نیچے اترا۔

''کوئی ضرورت نہیں میرے پیچھے آنے کی، کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی کہ تم آؤ تو کچھ بات کروں، سارا دن گھر میں پاگلوں کی طرح اکیلی گھومتی ہوں، پاپا آفس میں، تم بھی ساتھ چلے جاتے ہو، مما کی اپنی معروفیات ہیں، مجھے تو تم سب نے بے کار اور فضول شے سمجھا ہوا ہے۔'' اس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

''اچھا بابا سوری۔'' وہ واقعی پشیمان تھا، اپنی یہ نازک سی کزن اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

''ایسا کرو یہ بلیک والا پہن لو۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' ایمن فوراً مان گئی، ارمان حیران رہ گیا، ایمن فوراً مان نہیں سکتی، ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔

''اور وہ..... ارمان..... مجھے سارہ کے گھر چھوڑ آؤ گے۔'' اس نے رک رک کر کہا جانتی تھی ارمان کو یہ کام بہت ناگوار لگتا ہے۔

''ہیں..... کیا؟..... جی نہیں سوری..... معاف کرو میں کوئی تمہارا ڈرائیور ہوں؟'' اب ارمان نروٹھے پن سے بولا۔

''دیکھو نا ارمان۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''ہرگز نہیں، ڈرائیور کے ساتھ جاؤ۔'' ارمان نے ریموٹ دوبارہ اٹھالیا۔

''ڈرائیور نے کل کی مما سے چھٹی مانگی ہے۔'' وہ اس کے نزدیک آگئی۔

''تو میں کیا کروں۔'' ارمان نے چینل سرچ کرتے ہوئے کہا۔

ایمن کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی مگر ارمان نے اس کی طرف دیکھنے سے جان بوجھ کر گریز کیا، ایمن کی آنکھیں یکا یک نمکین پانی سے بھر گئیں، وہ پیر پٹختی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور جھٹکے سے دروازہ کھولا، ارمان نے اس کی طرف دیکھا اور زیر لب مسکرا دیا، اس سے پہلے کہ ایمن کمرے سے نکل جاتی ارمان نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''کتنے بجے جانا ہے؟'' جواب میں ایمن نے زوردار آواز سے دروازہ بند کر دیا، ارمان بند دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا، تب ہی دروازہ دوبارہ کھلا اور ایمن نے اندر جھانکا۔

''شام کو سات بجے۔'' اور واپس بھاگ گئی ارمان بے اختیار ہنس پڑا۔

☆☆☆

ارمان، ایمن کی پھپھو کا بیٹا تھا، والدین کی اچانک حادثے میں وفات ہونے کے بعد ارمان کے نانا یعنی ایمن کے دادا حشمت علی اسے اپنے

ساتھ لے آئے، وہ ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ اسے کسی چیز کی کمی نہ ہو مگر ان کی بہو فاخرہ بیگم کا رویہ اس سے بہت زیادہ ہتک آمیز تھا، جب تک حشمت علی زندہ رہے انہوں نے اکلوتی بیٹی کی اکلوتی نشانی کو سینے سے لگا کر رکھا مگر ان کے مرنے کے دیر تھی کہ ارمان کو لگا وہ اب یتیم ہوا ہے، اگرچہ ایمن کے والد شہزاد صاحب نے والد صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ننھے ارمان کے سب غم سمیٹنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر فاخرہ بیگم کو اس سے خدا واسطے کا بیر تھا وہ تو اگر انہیں تھوڑا بہت شوہر کا ڈر نہ ہوتا تو سسر کے آنکھیں بند کرتے ہی کسی فالتو سامان کی مانند اسے گھر سے نکال باہر کرتیں اور کسی یتیم خانے میں پہنچا کر دم لیتیں مگر شوہر کی مضبوط آڑ ارمان کو حاصل تھی رہی سہی کسر ایمن نے پوری کر دی تھی وہ ارمان کے آگے پیچھے گھومتی ماں کے برے سلوک کی تلافی کرنے کی کوشش کرتی ایسی صورتحال میں اکثر ایمن بھی فاخرہ بیگم کے عتاب کا شکار ہوتی مگر چوری چھپے وہ ارمان کا خیال رکھنے کی کوشش کرتی، کوئی بھائی بہن نہ ہونے کی وجہ سے ایمن اکیلے پن کا شکار تھی، وہ سارے دن کی روداد جب تک ارمان کو سنا نہیں لیتی تھی اسے چین نہیں آتا تھا، فاخرہ بیگم ارمان کو ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں اگرچہ ارمان انہیں خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا مگر جتنا وہ فاخرہ بیگم کو خوش کرنے کی کوشش کرتا اتنا ہی زیادہ فاخرہ بیگم چڑ جاتی تھیں ایسے میں ارمان کا ننھا سا ذہن یہ گرہ نہ سلجھا نہ پاتا کہ آخر ممانی کو اس سے کیا پرخاش ہے۔

ایسے ہی ماحول میں پروان چڑھ کر وہ دونوں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے، ارمان ایم بی اے کر کے وقتی طور پر شہزاد صاحب کی فیکٹری جوائن کر چکا تھا لیکن فاخرہ بیگم کے ہتک آمیز سلوک سے دلبرداشتہ ارمان چپکے چپکے باہر کے کسی ملک میں جانے کی پلاننگ کر رہا تھا، لیکن کچھ عرصے سے اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ جانے کی کوشش بھی کرے تو ایمن کو چھوڑ کر نہیں جا سکے گا، نجانے کیوں کچھ دنوں سے اس کا دل بار بار ایمن کی جانب کھنچتا تھا، اسی لئے وہ ڈرنے لگا تھا کہ اگر ممانی کو اس کے جذبات کی بھنک بھی پڑ گئی تو نجانے وہ کیا کر بیٹھیں، وہ اب زیادہ سے زیادہ گھر سے باہر رہنے کی کوشش کرتا تھا، آفس سے اٹھ کر بے مقصد باہر وقت گزارنے کی کوشش کرتا مگر ایمن تھی کہ اس کے انتظار میں جاگتی رہتی، ابھی بھی سارہ کی سالگرہ میں جانے کا پروگرام وہ بنا کر بیٹھی تھی، سارہ ایمن کی کلاس فیلو تھی اور ایمن اس کی سالگرہ میں نہ جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

☆☆☆

ارمان، ایمن کو سارہ کے گھر چھوڑنے کے بعد نعمان کے گھر آ گیا، دونوں ڈرائینگ روم میں بیٹھے تھے چائے پی جا چکی تھی، تب ہی نعمان کی چھوٹی بہن ہادیہ ہاتھ میں ایک لفافہ لئے اندر داخل ہوئی۔

''ارمان بھائی، سمجھالیں نومی بھیا کو۔'' وہ اتنی ہی بے تکلف تھی ارمان سے۔

''کیوں میں نے کیا کر دیا؟'' نومی جو صوفے پر پڑا تھا، حیران سا اٹھ کر بیٹھ گیا، ارمان بھی مسکرا دیا۔

''کیا ہوا گڑیا؟''

''دیکھیں نا، اب تو نومی بھیا خیر سے پولیس انسپکٹر بن گئے ہیں اب تو امی کی بات مان لیں۔'' وہ ارمان کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کون سی بات؟'' ارمان جو پوچھنا چاہتا

تھا مگر اس سے پہلے ہی نعمان پوچھ بیٹھا۔
''امی نے اتنے سارے رشتے دیکھے ہیں مگر یہ کسی پر حامی ہی نہیں بھر رہے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ ارمان کے سامنے میز پر رکھ دیا۔
''ارمان بھائی اب یہ لفافہ پڑا ہے اس میں درجن بھر لڑکیوں کی تصویریں ہیں اور امی نے کہا ہے کہ نومی بھیا جس پر ہاتھ رکھیں گے ہم وہاں رشتہ لے کر جائیں گے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
نومی دوبارہ صوفے پر لیٹ گیا، بے زاری اس کے چہرے سے عیاں تھی، ہادیہ نے لفافہ کھول کر تصویریں نکالیں اور ارمان کے ہاتھ میں تھما دیں۔
''لیں ارمان بھائی دیکھیں، نومی بھیا تو ہمیشہ ایسے ہی تنگ کریں گے چلیں آئیں ہم لڑکی پسند کرتے ہیں، یہ دیکھیں یہ کیسی ہے؟'' اس نے ایک تصویر اٹھا کر نومی کے آگے لہرائی، نومی نے سرسری نظر ڈالی اور اٹھا کر غور سے دیکھا۔
''یہ......'' وہ چلایا۔
''اتنی بڑی۔'' وہ دوبارہ صوفے پر گر گیا۔
''اس کے ساتھ کھڑا ہو کر میں کیسا لگوں گا، سب کہیں گے خالہ کے ساتھ کتنے چھوٹے سے خالو کھڑے ہیں۔'' ہادیہ اور ارمان قہقہہ مار کر ایک ساتھ ہنسے، نعمان اطمینان سے دوبارہ صوفے پر لیٹ کر پاؤں جھلانے لگا۔
''اچھا چلیں یہ نہ سہی، چلیں یہ بتائیں کہ یہ کیسی ہے۔'' ہادیہ نے اب جو تصویر اٹھائی تو اشتیاق کے مارے نومی پھر صوفے سے آدھا اٹھ گیا۔
''ہاں کون سی؟'' وہ تصویر دیکھ کر منہ بنا کر ہادیہ کو دیکھنے لگا۔
''اُف؟'' اس نے آنکھیں میچ لیں اور دوبارہ صوفے پر گر گیا۔
''اب کیا ہوا؟'' ارمان مسکرایا۔
''ابے اس کے بال تو دیکھ؟'' نومی نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔
''اتنے گھنگھریالے بال، ابے میں تو ساری زندگی اس کی الجھی زلفیں ہی سلجھاتا رہوں گا۔'' ارمان نے غور سے تصویر دیکھی واقعی لڑکی کے بال بہت زیادہ گھنگھریالے تھے اور اس کے سر پر چھتا سا بنا ہوا تھا۔
''ارے ہاں۔'' ارمان کھل کر مسکرایا۔
''یہ تو ہے۔'' ارمان نے ساری تصویریں ہادیہ کو تھما دیں۔
''ارمان بھائی۔'' ہادیہ زچ ہو گئی۔
''آپ تو ہیلپ کریں نا۔'' اس نے تصویریں دوبارہ ارمان کے ہاتھ میں پکڑا دیں۔
''امی کہہ رہی ہیں کہ بھیا سے کہیں ان میں سے لڑکی پسند کرلیں، تاکہ امی پھر رشتے وغیرہ کی بات کریں اور ہاں ہم سارہ کی برتھ ڈے میں جا رہے ہیں آپ اطمینان سے تصویریں دیکھیں اور لڑکیاں سب اچھی ہیں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت اور نومی بھیا......'' وہ نومی کی طرف مڑ گئی۔
''آپ جس تصویر پر ہاتھ رکھو گے میں مما کو منالوں گی اس لڑکی سے رشتے کے لئے، یہ آپ کی بہن کا وعدہ ہے ہادیہ برہان احمد کا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور گھر کے اندر چلی گئی۔
''یار تو کیا چاہتا ہے؟'' ارمان نے تصویریں ٹیبل پر واپس ڈال دیں، تصویریں اس کے اس طرح ڈالنے سے بکھر سی گئیں۔
''یار اب تو، تو انجان نہ بن۔'' نعمان نے شکوہ کیا۔
''تو یار، نہ، خود امی سے بات کرتا ہے اور

نہ مجھے کرنے دیتا ہے پھر ایسی صورت حال میں کسی کو الہام تو ہوگا نہیں کہ نعمان احمد ولد برہان احمد اپنی بہن کی دوست سارہ احتشام احمد کو چپکے چپکے پسند کر بیٹھے ہیں، تو ایسا کر یہ تصویریں دیکھ اور لڑکی پسند کر، کیونکہ تجھ میں ہمت نہیں ہے کچھ کرنے کی۔'' ارمان نے تصویریں سمیٹنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''یار میرا تو خیال تھا کہ ہادیہ کو علم ہے وہ خود ہی سب سنبھال لے گی۔'' وہ افسردگی سے بولا۔

''مجھے کیا پتہ تھا کہ ہادیہ خود ہی......'' وہ صوفے پر لیٹ گیا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

ہم تم سے جدا ہو کے
مر جائیں گے رو رو کے

اس نے اونچی آواز میں گانا شروع کیا، ارمان تصویریں اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''یار آواز تو ہلکی رکھ، کانوں کے پردے پھاڑ رہی ہے۔''

یہ دنیا یہ محفل
میرے کام کی نہیں
میرے کام کی نہیں

اس نے کروٹ لیتے ہوئے گانا تبدیل کیا۔

''اُف بے سرے، بس کر دے۔'' وہ مسکرایا۔

''اب کیسے بس کر دوں، اب تو یہ غمزدہ گانے ہی میرا مقدر ہیں۔'' نومی نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا تو ارمان کو تصویریں دیکھتے ہوئے پایا وہ جی جان سے جل گیا۔

''دیکھ دیکھ...... تو اچھی طرح لڑکیوں کی تصویریں دیکھ، تیرے جیسے ہی ہوتے ہیں جو دوست کو مصیبت میں دیکھ کر مزے لیتے ہیں۔'' اس نے دوبارہ بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

دوست دوست نہ رہا
پیار پیار نہ رہا
زندگی ہمیں تیرا
اعتبار نہ رہا

وہ دردناک آواز میں گا رہا تھا۔

''نومی......ی......ی......ی۔'' یکا یک ارمان چلایا، نومی نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں، ارمان کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی۔

''کیا ہوا؟ کیا ہادیہ نے ان تصویروں میں کرینہ کپور اور کترینہ کیف کی تصویریں بھی تو نہیں رکھ دیں۔''

''بھائی!'' ٹھیک اسی وقت ہادیہ نے اندر جھانکا، دونوں ادھر متوجہ ہو گئے۔

''میں امی سے کہہ دیتی ہوں کہ آپ کو کوئی لڑکی پسند نہیں آئی۔'' وہ شرارت سے مسکرائی۔

''ہاں ہاں جاؤ کہہ دو، نہیں آئی مجھے کوئی لڑکی پسند۔'' وہ بیزاری سے چلایا، ہادیہ اندر واپس چلی گئی۔

''ارے یہ کیا کر دیا تو نے۔'' ارمان چیخا۔

''کیوں کیا ہوا؟ انکار ہی تو کرنا تھا سو کر دیا۔'' اس نے چادر سر سے لے کر پاؤں تک تان لی، ارمان نے جھٹکے سے چادر کھینچ کر گولہ سا بنا کر دور پھینکی۔

''یہ دیکھ۔'' ارمان نے ہاتھ میں پکڑی تصویر اس کی نظروں کے سامنے لہرائی، نومی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تصویر دیکھی سارہ کی مسکراتی ہوئی تصویر ارمان کے ہاتھ میں تھی۔

''یہ کہاں سے آئی۔'' وہ اچھل کر صوفے پر اٹھ کر بیٹھا۔

''ان تصویروں کے ڈھیر میں سے نکلی ہے۔'' اس نے ٹیبل پر پڑی تصویروں کی طرف اشارہ کیا۔

''مطلب ہادیہ جانتی ہے سب کچھ۔''

ارمان بولا۔

''اب بھاگ ہادیہ کے پیچھے، وہ امی کو کہنے گئی ہے کہ تمہیں کوئی تصویر پسند نہیں آئی۔'' یہ سنتے ہی نومی چھلانگ لگا کر صوفے سے اترا۔

''ہادیہ...... میری بہن...... ہادیہ۔'' وہ چیختا چلاتا اندر کی طرف بھاگا، جونہی اس نے کھینچ کر دروازہ کھولا، ہادیہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا، سامنے ہی ہادیہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''ہاں بھیا...... کیوں میرے نام کی دہائیاں دے رہے ہیں۔''

''ہادیہ...... وہ......'' اس کا سانس پھول رہا تھا، ہادیہ سے ہنسی نہیں تھم رہی تھی۔

''ہادیہ...... ہادیہ...... مجھے...... یہ لڑکی...... پسند ہے۔'' اس نے سارہ کی تصویر ہادیہ کے ہاتھ میں تھمائی، ہادیہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''اور میری ٹریٹ۔'' اس نے ہاتھ آگے پھیلایا۔

''او...... ہاں ہاں...... کیوں نہیں۔'' نومی نے پینٹ کی جیب سے والٹ نکالا، ابھی کھولا ہی تھا کہ ہادیہ والٹ اچک کر بھاگی۔

''ہادیہ...... ہادیہ سارے نہیں...... ہادیہ۔''

وہ اس کے پیچھے بھاگا، ارمان بھی ڈرائینگ روم سے نکل آیا تھا، وہ بھی ہنس رہا تھا، ہادیہ نے اپنے کمرے میں پہنچ کر لاک لگا لیا۔

☆☆☆

سارہ، ہادیہ اور ایمن کلاس فیلو تھیں، تینوں کا ایک دوسرے کے گھر خوب آنا جانا تھا، تینوں بی ایس سی کے امتحانات کے بعد رزلٹ کے انتظار میں تھیں، ہادیہ کا رشتہ اس کی امی اپنی بہن کے منجھلے بیٹے سے طے کر چکی تھیں اب چاہتی تھیں کہ نعمان کا رشتہ بھی کر یں، سارہ ویسے بھی انہیں پسند تھی، بیٹے کا رجحان وہ محسوس کر چکی تھیں اسی لئے چاہتی تھیں کہ سارہ کی امی سے رشتے کی بات کر لی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی امی اس کا رشتہ کہیں اور طے کر دیں، آج سارہ کی سالگرہ کی تقریب میں وہ چاہ رہی تھیں کہ اس کی امی سے رشتے کے لئے گھر آنے کی اجازت مانگیں۔

☆☆☆

رات گئے ایمن کو لے کر ارمان واپس آیا، ایمن بہت خوش تھی، وہ سارے راستے مسلسل بولتی ہوئی آئی تھی، ارمان کو سالگرہ کی ایک ایک تفصیل بتاتے ہوئے وہ راستے میں اونچا اونچا بول رہی تھی، باتوں ہی باتوں میں گھر آ گیا، ایمن اندر چلی گئی ارمان نے گاڑی پارک کی اور چابی انگلی پر جھلاتا ہوا اندر بڑھا، برآمدے میں وہ پہنچا تو ٹھٹک کر رک گیا، ایمن شہزاد صاحب کے کمرے کے ساتھ ٹیک لگائے افسردہ سی کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟'' ارمان نے اشارے سے پوچھا، جواب میں ایمن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی، ارمان ہکا بکا کھڑا تھا، تب ہی وہ اندر سے آنے والی آوازیں سن کر چونک اٹھا، ماموں نے اس کا نام لیا تھا۔

''تم سے بڑی بے وقوف عورت میں نے زندگی میں کہیں دیکھی۔'' شہزاد صاحب کی آواز آئی۔

''ارمان سے شادی کر دو گی ایمن کی تو ساری زندگی نظروں کے سامنے رہے گی، ارمان دیکھا بھالا ہے، میرا اپنا خون ہے، مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز ہے۔''

''بس کر دیں، ارمان...... ارمان...... ہر وقت کی تکرار سن کر میں تنگ آ جاتی ہوں، میں نے پتہ نہیں اسے اپنے گھر میں کیسے برداشت کیا

ہوا ہے، ورنہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ۔"

"اچھا اچھا، بس کر دو، گڑھے مردے نہیں اکھیڑتے ہم آج کا معاملہ زیر بحث لاؤ۔"

"آج کا معاملہ ابھی میں نے آپ کو بتایا تو ہے کہ کل دلاور بھائی آنا چاہ رہے ہیں باقاعدہ رشتہ لے کر ایمن کا اور رشتہ لانے کی تو محض رسم ہے ورنہ میں تو راضی ہوں رشتے پر۔"

"تم نے ایمن سے پوچھا ہے؟" انہوں نے خود پر ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"اُن سے کیا پوچھنا، اسے بھلا کیا اعتراض ہوگا، بھلا کیا کمی ہے ایاز علی میں، خوبصورت ہے، زمین جائیداد کا مالک ہے، وسیع بزنس ہے اور آپ کو کیا چاہیے۔" ان کی تیز آواز باہر تک سنائی دی۔

"اونہہ، زمین جائیداد۔" شہزاد صاحب نے ہنکارہ بھرا۔

"نہ تعلیم، نہ طور طریقے، بس جائیداد، زمین...... اللہ جانے بزنس کیا ہے تمہارے بھتیجے کا، کیونکہ مجھے تو آج تک بزنس کی سمجھ نہیں آئی کہ کرتے کیا ہیں تمہارے بھائی صاحب، جب ان سے ملو ایک نیا ہی بزنس بتاتے ہیں، مجھے تو شک ہی ہے کہ کہیں فراڈ وغیرہ نہ ہو۔"

"ارے بس رہنے دیں۔"

"آپ کو تو بس اپنے بھانجے کے سوا سب ہی فراڈ لگتے ہیں، ایک آپ سچے اور ایک آپ کا بھانجا باقی سب فراڈ...... ہیں نا۔"

"ہاں تو ہے میرا بھانجا لاکھوں میں ایک، تم بتاؤ کیا کمی ہے ارمان میں، خوبصورت ہے، پڑھا لکھا ہے، صاحب جائیداد ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارے اپنے گھر میں رہتا ہے ساری زندگی تمہاری بیٹی تمہاری نظروں کے سامنے رہے گی اور پھر......"

"بس کریں۔" ممانی کی آواز آئی۔

"نہیں تم مجھے یہ بتاؤ کہ آخر کیا کمی ہے ارمان میں۔"

"کوئی کمی نہیں ہے ارمان میں، ماسوائے اس کے کہ وہ سلمٰی کا بیٹا ہے اور آپ اتنے بھی ننھے منے نہیں ہیں کہ سب کچھ بھول گئے ہوں اور اگر آپ بھول گئے ہیں تو میں سب یاد رکھے ہوئے ہوں، ارمان کو جب جب میں دیکھتی ہوں سب کچھ میرے سامنے پھر چلنے لگتا ہے۔" ممانی کی آواز میں اشتعال بھرا ہوا تھا۔

تب ہی دروازہ کھلا اور شہزاد صاحب باہر نکلے، ارمان کو وہاں پا کر وہ ٹھٹک گئے، ارمان کا دھواں دھواں چہرہ دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ وہ سب کچھ سن چکا ہے وہ اسے شانوں سے تھام کر اسٹڈی روم میں لے آئے، انہیں فاخرہ بیگم پر غصہ آ رہا تھا، جس ماضی سے انہوں نے اب تک ارمان کو لاعلم رکھا تھا اس کی جھلک فاخرہ بیگم کی باتوں سے ارمان پر عیاں ہو گئی تھی۔

"بیٹھو یہاں۔" انہوں نے صوفے پر ارمان کو بٹھایا۔

"فاخرہ کی بکواس تو کبھی ختم نہیں ہوگی، پتہ نہیں اس عورت کا کیا انجام ہوگا، جب دیکھو طوفان اٹھا کر رکھتی ہے۔" وہ نجانے کسے وضاحتیں دے رہے تھے ارمان بالکل ساکت بیٹھا تھا۔

"ایمن آ گئی؟" انہوں نے اسے بالکل چپ دیکھ کر پوچھا مگر وہ ہنوز اسی طرح بیٹھا رہا۔

"ارمان میں کچھ پوچھ رہا ہوں بیٹا۔" انہوں نے اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا، شہزاد صاحب کو اس کی آنکھوں میں نمی نظر آئی۔

"ماموں میں کون ہوں؟" اس کے لب ہلے۔

''میری امی نے ممانی کا کیا بگاڑا ہے، آپ ہمیشہ ٹالتے آئے ہیں، آج بتا دیں ماموں میں اب بڑا ہو چکا ہوں، ہر اچھی بری بات سننے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔''

''نہیں بیٹا، کوئی ایسی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے ارمان سے نظریں چرائیں۔

''نہیں ماموں ایسی کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور، ورنہ ممانی مجھے ایسی کھا جانے والی نظروں سے کیوں دیکھتیں، وہ ہمیشہ میرے ساتھ ایسا رویہ رکھتی رہی ہیں جیسے میں کوئی اٹھائی گیرا ہوں، یا...... یا۔'' اس کی آواز رندھ گئی، وہ بے اختیار اٹھ کر ارمان کے صوفے پر آ کر بیٹھے اور انہوں نے اپنے بازوؤں میں اسے سمو لیا۔

''نہیں میرے بچے، تو ایسا کیوں سوچتا ہے، فاخرہ تو ہے ہی اجڈ گنوار، تو کیوں اٹھائی گیرا ہونے لگا، تو...... تو میرا ہیرا بیٹا ہے، دیکھ اللہ نے مجھے بیٹا نہیں دیا تو مجھے کبھی کوئی غم نہیں ہوا کیونکہ اس نے تیری صورت کتنا شاندار بیٹا مجھے دیا۔'' انہوں نے اس کی پیشانی کو چوما۔

''مجھے بتا کیا آج تک میری محبتوں میں کوئی کمی آئی ہو تو بتا؟'' وہ اسے اپنے سینے سے لگائے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں ماموں۔'' اس نے تڑپ کر ان کے سینے سے اپنا سر اٹھایا۔

''میں نے تو کبھی خود کو آپ کا بھانجا نہیں سمجھا بلکہ بیٹا سمجھا کیوں کہ آپ کی محبت ہی ایسی شدید اور والہانہ ہے کہ...... کہ......''

''آپ کی بے لوث محبت ہی تو ہے جو مجھے جینے کا سہارا دیتی ہے ورنہ یقین کریں ممانی کے رویے سے دلبرداشتہ ہو کر کتنی بار میرا جی چاہا کہ اس گھر سے بھاگ جاؤں لیکن ماموں پھر ہر دفعہ آپ کی محبت پیروں کی زنجیر بن جاتی ہے، لیکن ماموں میری ایک درخواست مان لیں، مجھ پر ایک احسان اور کر دیں، اگر آپ کہیں تو میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں ماموں، مجھ پر میرا ماضی کھول دیں پلیز، میری بے چینی، اضطراب ختم کر دیں ماموں، مجھے بتا دیں کہ ممانی کی آنکھوں میں کیسی نفرت ہے میرے لئے، کیوں وہ مجھ سے ایسا ذلت آمیز سلوک کرتی ہیں بتا دیں ماموں پلیز بتا دیں۔'' شہزاد صاحب اس دن اس کے بے حد اصرار پر ہار گئے اور انہوں نے جو خود سے عہد کیا تھا کہ ارمان کو کبھی کچھ نہیں بتائیں گے آج اسے یوں ٹوٹتا بکھرتا دیکھ کر بتانے پر مجبور ہو گئے اور ماضی پر پڑے ہوئے گرد آلود پردے اٹھاتے چلے گئے۔

☆☆☆

عظمت علی شہر کے مضافات میں ایک شاندار حویلی میں رہتے تھے، ان کا گارمنٹس کا وسیع و عریض کاروبار تھا، گھر میں روپے پیسے کی ریل پیل تھی، ان کو اللہ نے دو ہی بیٹے عطا کیے: حشمت علی اور ان سے تین سال چھوٹے شوکت علی، دونوں بیٹے فرمانبردار اور ذہین تھے، پڑھائی سے فارغ ہو کر دونوں باپ کے کاروبار میں شریک ہو گئے، عظمت علی نے وقت پر دونوں کی شادیاں بھی کر دیں، وقت تھوڑا سا اور آگے سرکا، حشمت علی کو اللہ نے دو بچوں سے نوازا، شہزاد علی اور ان سے پانچ برس چھوٹی سلمٰی، اسی طرح سے شوکت علی کو بھی اللہ نے دو ہی اولادیں عطا کیں بڑی فاخرہ اور ان سے تین برس چھوٹا دلاور علی۔

عظمت علی چاہتے تھے کہ ان کا خاندان ہمیشہ اسی طرح سے اکٹھا رہے انہوں نے اماں بی سے مشورہ کیا اور ایک دن دونوں بیٹوں او بہوؤں کو بٹھا کر پوتے پوتیوں کے رشتے طے کر دیے اور شہزاد علی کا رشتہ فاخرہ سے اور دلاور علی

رشتہ سلمیٰ سے طے کر کے عظمت علی اور اماں بی مطمئن ہو گئے، ان کے خیال میں اب ان کا خاندان ہمیشہ اکٹھا رہتا، کچھ عرصہ گزرا تو شہزاد علی کی پڑھائی جیسے ہی ختم ہوئی، ان کی شادی فاخرہ سے کر دی گئی، ابا میاں نے ساتھ ہی دونوں بیٹوں میں کاروبار برابر برابر تقسیم کر دیا تاکہ ان کے بعد کوئی جھگڑا نہ ہو، شہزاد علی اور فاخرہ کی شادی کے سال بھر بعد ہی ابا میاں جو ایک رات سوئے تو پھر نہیں اٹھے ان کے پیچھے پیچھے کچھ عرصے بعد ہی اماں بی بھی راہے عدم ہوئیں، ابا میاں کے مرنے سے پہلے دونوں بھائیوں نے ابا میاں اور اماں بی کی رضا مندی سے اپنی اپنی رہائش الگ کر لی تھی، سلمیٰ ان دنوں سکول سے نکل کر کالج میں پہنچی تھی، دلاور کا دل پڑھنے لکھنے میں نہیں لگتا تھا نہ وہ باپ کے ساتھ فیکٹری جاتا تھا، سارا دن موٹر سائیکل لئے گھومتا رہتا، بس وقت سلمیٰ کی چھٹی ہوتی، بائیک لئے وہاں پہنچ جاتا، سلمیٰ کو اس کی ایسی حرکتیں دیکھ دیکھ کر غصہ آتا، سلمیٰ اسے اگنور کرتی تو فاخرہ کے ہاتھ پیغام بھیجنا شروع کر دیئے، پھر نجانے کیسے سلمیٰ اپنے کالج میں پڑھانے والے لیکچرار شایان احمد کی محبت میں گرفتار ہو گئی کہ اسے دنیا میں شایان کے علاوہ کچھ بھائی نہیں دیتا تھا، پھر گھر میں اس وقت فاخرہ نے کہرام اٹھا دیا جب شایان احمد کے گھر والے رشتے کے سلسلے میں آئے، ان کے جانے کے بعد کون سا ایسا الزام تھا، جو فاخرہ نے سلمیٰ پر نہ لگایا ہو، سلمیٰ بھی تن کر فاخرہ کا مقابلہ کر رہی تھی، حشمت علی اسی وقت گھر میں داخل ہوئے تھے انہوں نے جو یہ مقابلہ دیکھا تو سر تھام کر رہ گئے، پڑھے لکھے تھے جانتے تھے معاملہ کیسے سلجھانا ہے مگر فاخرہ نے فون کر کے اپنے ماں باپ اور بھائی کو اسی وقت بلوالیا ان کے نزدیک سلمیٰ دلاور کی منگیتر تھی، سلمیٰ نے سوچا بھی کیسے کہ وہ خاندان سے باہر شادی کر سکتی ہے، شوکت علی کی بیوی بیٹی اور بیٹے کے آگے ایک نہیں چل رہی تھی، وہ بھائی سے بار بار معافی مانگ رہے تھے جبکہ فاخرہ، دلاور اور ان کی ماں رضیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سلمیٰ کے ساتھ کیا کر ڈالیں، رضیہ نے فون کھڑکا کر اپنے خاندان کے رشتے داروں کو کل اکٹھا ہونے کے لئے کہا اور حشمت علی کو کہا کہ کل تیار رہیں ہم کل نکاح پڑھا کر لڑکی لے جائیں گے، اس دن فاخرہ بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ چلی گئی، اس رات حشمت علی سر پکڑ کر بیٹھے تھے، ایک طرف بیٹی کی خوشیاں تھیں دوسری طرف ان چاہا رشتہ تھا جس کا کوئی انجام نہیں تھا وہ خوب سوچ سمجھ کر کام کرنے کے عادی تھے انہوں نے شایان احمد کو بلوایا اور بات چیت کے بعد اسے مخلص پایا انہوں نے شہزاد علی سے مشورہ کیا اور اسی رات سلمیٰ کا نکاح شایان کے ساتھ کر دیا اور یہ تاکید کر دی کہ اب وہ ان لوگوں سے نہیں ملیں گے کیونکہ دلاور اسے ڈھونڈتا پھرے گا، اگلے دن دلاور علی کی خود ساختہ بارات جب آئی تو دلہن کو غائب پا کر کہرام مچ گیا، دلاور علی واقعی پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈنے نکلا تھا، فاخرہ اور اس کی ماں رضیہ نے شور مچا دیا کہ لڑکی بھاگ گئی، حشمت علی چیخ چیخ کر کہتے رہے کہ وہ بھاگی نہیں ہے بلکہ میں نے خود اس کی رخصتی کر دی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا، بارات کے ساتھ آئے ہوئے لوگ حشمت علی کو ذلیل کرتے رہے، اس خود ساختہ بارات کے ساتھ ان کے بھائی شوکت علی نہیں آئے تھے، دلاور نے ہر ممکنہ جگہ سلمیٰ کو ڈھونڈا مگر نجانے اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا، دلاور نے سلمیٰ کو برباد کرنے کی قسم کھائی تھی۔

فاخرہ بیگم بھائی کو مسلسل بڑھاوے دیتی رہتی تھیں شہزاد علی بیوی کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے پھر تنگ آ کر انہوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

پھر تین سال ایسے ہی گزر گئے کہ اچانک ایک دن خبر آئی کہ ایک پہاڑی علاقے میں بس کا کسی کار سے حادثہ ہوا ہے اور اس میں سوار میاں بیوی موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے جبکہ دو سال کا بچہ معجزانہ طور پر بچ گیا، میاں بیوی شایان اور سلمٰی تھے، پولیس نے سلمٰی کے شناختی کارڈ پر درج ایڈریس پر رابطہ کیا اور حشمت علی اس طرح ارمان کو لے آئے، فاخرہ نے بہت ہنگامہ اٹھایا اور ارمان کے یہاں آنے پر، لیکن حشمت علی نے اسے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ رہنا ہے تو یہاں رہو ورنہ وہ شہزاد علی سے کہہ کر اسے طلاق دلوا دیں گے، تو وہ تھوڑا چپ ہو گئی مگر اس نے ہمیشہ ارمان کو سلمٰی کے بیٹے کے روپ میں دیکھا اسے سلمٰی سے جتنی نفرت تھی وہ اس نے ساری ارمان کی طرف منتقل کر دی، پھر ارمان تقریباً تین سال کا تھا جب ایمن پیدا ہوئی، شادی کے تقریباً سات سال بعد ایمن پیدا ہوئی تھی، لہٰذا باپ اور دادا کی آنکھوں کا تارا بن گئی، کچھ عرصے بعد حشمت علی بھی انتقال کر گئے اور اس طرح ارمان شہزاد علی کی زیر نگرانی آ گیا۔

☆☆☆

شہزاد صاحب ماضی میں کھوئے ہوئے تھے اور ارمان ان کے قدموں میں دم بخود بیٹھا سن رہا تھا۔

''بیٹا یقین کرو، تمہاری ماں بھاگی نہیں تھی، اس کی شادی ابا جی نے اپنی مرضی سے کی تھی البتہ ابا جی نے جو سلمٰی اور شایان کو تلقین کی تھی روپوش ہونے کی وہ صرف حفاظتی نقطہ نظر سے کی تھی، کیونکہ دلاور ایک جنونی شخص ہے وہ سلمٰی کو بعد میں اس طرح کھوجتا رہا اور اب بھی فاخرہ اور دلاور تم سے اگر نفرت کا اظہار کرتے ہیں تو صرف اسی وجہ سے کہ تم سلمٰی کے بیٹے ہو، اس سلمٰی کے بیٹے جو اس کے بھائی کو ٹھکرا کر کسی اور سے شادی کر چکی تھی اور دلاور کو ایمن سے محبت نہیں ہے کہ وہ بھابھی کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے وہ صرف اس لئے ایمن کا رشتہ مانگ رہا ہے کہ شاید اس کی بھڑکتی ہوئی نفرت کچھ کم ہو سکے اور......'' ان کی نظریں اچانک دروازے کی طرف اٹھیں اور پلٹنا بھول گئیں، ایمن نجانے کب سے وہاں کھڑی تھی، اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں وہ نجانے کب سے روتی رہی ہے اسے دیکھ کر ارمان کا دل دکھ سے لبریز ہو گیا۔

☆☆☆

شام کو گھر میں خوب چہل پہل تھی، فاخرہ بیگم ملازمین کو ہدایتیں دیتی پھر رہی تھیں، شہزاد صاحب کے منع کرنے کے باوجود فاخرہ بیگم نے اپنے بھائی اور دلاور کو باقاعدہ رشتہ لینے کے لئے بلوا لیا تھا، شہزاد صاحب کا غصے سے برا حال تھا، تھوڑی دیر پہلے بھی ان دونوں کی بیڈ روم میں جھڑپ ہوئی تھی، وہ بیوی کو سمجھا رہے تھے مگر فاخرہ بیگم جھٹکے سے اکھڑ گئیں۔

''بس شہزاد صاحب، ارمان کا نام نہ لینا، اب میرا زمانہ ہے میں اپنی بیٹی کی شادی سلمٰی کے بیٹے سے نہیں ہونے دوں گی، اب اگر مجھے طلاق کی دھمکی بھی دیں گے تو مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا وہ وقت اور تھا جو میں ابا جی کی دھمکی میں آ گئی تھی، اب وہی ہو گا جو میں چاہوں گی۔'' وہ گرج رہی تھیں تب ہی ایمن اندر داخل ہوئی۔

''بے وقوفی مت کرو احمق عورت، ایاز کو تم نہیں جانتیں وہ کیسا ہے؟ اس کا کاروبار کیا ہے؟

مجھے آوارہ گردی کرتا ہوا اکثر ملتا ہے جبکہ ارمان.....'' وہ ایمن کو دیکھ کر کچھ چپ ہوئے۔

''پھر وہی ارمان۔'' انہوں نے شہزاد صاحب کی بات کاٹی۔

''میں تم دونوں باپ بیٹی کو بتائے دیتی ہوں اگر ارمان کا نام بھی لیا تو میں خود کو ختم کرلوں گی، پھر رونا دونوں بیٹھ کر مجھے۔'' وہ سفاکی سے کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں جبکہ ایمن جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی یکدم اس کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے وہ الٹے قدموں واپس پلٹی، شہزاد صاحب اسے پکارتے رہ گئے۔

''جاہل عورت، بچی کو پریشان کردیا۔'' وہ بڑبڑائے۔

☆☆☆

ارمان نے بیرون ملک جانے کی کوششیں تیز کردیں اور جلد ہی اس کو ملازمت ملنے کی نوید ملی، دلاور اور اس کی بیوی سائرہ رسم کر گئے تھے یہ اور بات کہ اس میں شہزاد صاحب شریک نہیں ہوئے تھے۔

شہزاد صاحب کچھ اور ہی پلاننگ کررہے تھے وہ سوچ رہے تھے کہ جو ان کے اباجی نے اپنی بیٹی کی بہتری کے لئے فیصلہ کیا تھا ویسا ہی فیصلہ انہیں بھی اپنی بیٹی کی بہتری کے لئے کرنا پڑے گا، وہ فیصلہ کر چکے تھے، ایمن کا نکاح ارمان سے کروانے کا، اسی لئے وہ گھر میں کچھ دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔

ارمان آج کل بہت مایوس تھا وہ سارا سارا دن گھر میں نہیں آتا تھا گھر بھی رات گئے آتا اور دروازہ بند کر کے بیٹھ جاتا، ایمن سے اس کا سامنا کئی دنوں سے نہیں ہوا تھا، اس دن وہ ابھی فیکٹری میں ہی تھا جب نعمان آگیا، وہ اسے لے کر گاڑی میں بیٹھا کر چل پڑا۔

''کہاں؟'' ارمان نے شیشے کے پار دیکھتے ہوئے پوچھا، نعمان نے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''کیوں خیریت؟'' وہ پریشان ہوا، نعمان خاموش رہا، ارمان پریشان ہوگیا۔

''یار بتایا کیوں نہیں۔'' جواب میں نعمان نے ایکسلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا، وہ آندھی طوفان کی طرح ڈرائیو کرتا ہوا آخر کار گھر پہنچ گیا۔

''چلو اترو۔'' اس نے زبان کھولی، ارمان کچھ نہ سمجھتے ہوئے نیچے اتر گیا۔

''چل یار، جلدی چل ٹائم کم ہے۔'' نومی نے ارمان کو بازو سے دبوچا اور اندر لے گیا۔

''کہاں جانا ہے، کون سا ٹائم کم ہے۔'' ارمان اس کے ساتھ چلتے چلتے بولا، اندر لاؤنج میں اسے ایمن نظر آئی، وہ اسے یہاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''تم یہاں کیسے؟'' نومی اسے چھوڑ کر اندر چلا گیا، ذرا دیر بعد ہی وہ اندر سے دو بیگ اٹھائے برآمد ہوا، دونوں بیگ اس نے زمین پر رکھ دیئے، تب ہی ہادیہ ایک ٹوکری لے آئی وہ ارمان کو سب حیران کیے دے رہے تھے۔

''یہ سب کیا ہے ہادیہ؟'' وہ شاک میں تھا۔

''وہ ارمان بھائی......وہ......دراصل۔'' وہ ہکلائی۔

''میں بتاتا ہوں جگر۔'' نومی نے اسے صوفے پر بٹھایا۔

''میں نائٹ کوچ کے ٹکٹ لے آیا ہوں، ٹھیک دو گھنٹے بعد گاڑی کی روانگی ہے، کراچی میں میرے ماموں رہتے ہیں میں نے بات کر لی ہے، تم دونوں کل کراچی پہنچو گے اور کل ہی ماموں تم دونوں کا نکاح کروادیں گے میں تجھ سے رابطے میں رہوں گا، ادھر کے تمام معاملات

میں سنبھال لوں گا، بس اب تو جلدی سے اٹھا جا۔'' ارمان کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا، بولتے بولتے نومی رکا تو اس کی نظر اس کے چہرے پر پڑی۔

''نومی...... تو نے سوچا بھی کیسے کہ میں یہ سب کروں گا۔'' اس کی آواز میں دکھ ہی دکھ تھا اسے افسوس تھا کہ اس کا دوست اسے اب تک سمجھ ہی نہیں سکا۔

''یار سمجھنے کی کوشش کر اب کوئی راستہ نہیں ہے۔'' نومی زچ ہو کر بولا۔

''ہاں تو کیا ہوا؟ اگر راستہ نہیں ہے تو کیا کروں ایمن کو بھگا کر لے جاؤں۔'' وہ یکدم چلایا۔

''اور ایمن۔'' وہ اچانک اس کی طرف مڑا۔

''تم یہ سب کرنے پر کیسے راضی ہو گئیں، بولو؟ تمہیں اپنے باپ کا خیال نہیں آیا، کہ ان کے اوپر کیا بیتے گی جب لوگ تمہارے حوالے سے ان پر انگلی اٹھائیں گے بولو جواب دو۔'' اس نے ایمن کو شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

''ہاں تو کیا کروں میں۔'' ایمن بھی چلا اٹھی۔

''کیا مجھے جینے کا کوئی حق نہیں ہے، بولو۔'' ہادیہ جلدی سے پانی کا گلاس لینے گئی تو نومی بھی باہر آ گیا، وہ چاہتا تھا وہ دونوں خود ہی کچھ طے کر لیں۔

''ہاں ہے تمہیں جینے کا حق، کیوں نہیں ہے۔'' ارمان اس کے سامنے نیچے بیٹھ گیا، اس نے ایمن کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

''یہ کیسا جینا ہے ارمان جس میں تم نہیں ہو، بولو کیا میں جی سکوں گی ایسی زندگی۔'' وہ رو پڑی۔

''تو ایمی اس کا یہ بھی حل نہیں ہے کہ ہم گھر چھوڑ کر بھاگ جائیں، ذرا سوچو کیا ہو گا بعد میں، ہم تو نکل جائیں گے اور کل کے اخبار میں جانتی ہو کیا چھپے گا، شہزاد علی کی بیٹی شادی سے پہلے اپنے آشنا کے ساتھ فرار اور جانتی ہو ماموں کیا کریں گے یا تو دنیا والوں کے خوف سے گلے میں پھندا ڈال کر موت کو گلے لگا لیں گے یا پھر ہارٹ اٹیک کے ذریعے اسپتال پہنچ جائیں گے۔'' ایمن کا رونا اور شدت اختیار کر گیا۔

''اور جانتی ہو تمہاری امی اور دلاور ماموں میرے بارے میں کیا کہیں گے۔'' اس نے اسے پھر جھنجوڑا۔

''سب کہیں گے دیکھا جیسے سلمیٰ بھاگ گئی تھی ویسے ہی اس کا بیٹا ایمن کو بھگا کر لے گیا، یہی چاہتی ہو نہ تم بولو۔'' وہ یکا یک چلا کر بولا، ایمن اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''ارمان...... ارمان مجھے یہاں سے لے چلو، میں تمہارے بغیر کیسے جیوں گی، ارمان میں مر جاؤں گی، ارمان مجھے بچا لو، مجھے ایاز سے ڈر لگتا ہے ارمان، مجھے بچا لو، مجھے بچا لو ارمان۔'' وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''امی کی بات نہیں مانی تو وہ کچھ کھا لیں گی، اپنے دل کی مانتی ہوں تو پاپا کو خطرہ، میں کیا کروں ارمان، کیا کروں، بولو۔'' اس کی آواز پھٹ گئی، ارمان نے کرب سے آنکھیں میچ لیں، ایمن نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھے تھے۔

''مجھے تو بس یہ راستہ نظر آ رہا ہے کہ...... کہ...... میں ہی کچھ کھا کر اپنی زندگی ختم کر لوں۔'' یکا یک اس نے رونا بند کر کے ارمان کو دیکھتے ہوئے کہا، ارمان نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔" اس نے ایمن کو اچانک دونوں شانوں سے دبوچا اور ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

"سمجھ آئی تمہیں..... تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔"

"کیوں نہیں کروں گی، میں ایسا ضرور کروں گی نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔"

ارمان اسے کچھ دیر بے یقینی سے دیکھتا رہا پھر اس نے ایک زور دار تھپڑ اسے رسید کیا ایمن کا چہرہ دوسری طرف گھوم گیا، وہ بے یقینی سے اسے کچھ دیر دیکھتی رہی اسے ارمان کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے، ایمن پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ایمن، زندہ رہیں گے تو ملنے کی امید بھی ہو گی اور سنو میں ابوظہبی جا رہا ہوں۔" ایمن تڑپ کر سیدھی ہوئی۔

"اور تم اب بالکل بھی نہیں روؤ گی، قطعاً نہیں۔" اس نے ایمن کے آنسو صاف کیے۔

"جہاں ممانی کہیں، چپ چاپ شادی کر لینا، میں اب تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھوں گا تا کہ نئی جگہ تمہیں ایڈجسٹ ہونے میں آسانی ہو، میں اپنے ماموں کو بے آبرو نہیں کر سکتا، چاہے میری جان چلی جائے، میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا ایمن جس کے نتیجے میں لوگوں کی انگلیاں تم پر اٹھیں۔"

"لیکن ارمان!" ایمن رونا بھول چکی تھی۔

"بس اب نہیں بولنا" ارمان نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔

"ماں باپ کا حق زیادہ ہے میری نسبت اور ممانی تمہاری ماں ہیں وہ یقیناً تمہارے لئے اچھا ہی سوچیں گی۔"

ایمن بالکل خاموش تھی، ارمان اٹھ کر جا چکا تھا، تب ہی بادیہ اندر داخل ہوئی ایمن کی نظر اس پر پڑی، بادیہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی ایمن زار و قطار رو رہی تھی، تو می اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی، جس دن ایمن کو مایوں بٹھایا جانا تھا اس دن ارمان کی فلائٹ تھی، اس نے روانگی سے چند منٹ پہلے شہزاد صاحب کو فون کر کے اطلاع دی تھی ایک بجلی سی تھی جو ان پر گری تھی۔

"بیٹا! تم گھبراؤ نہیں، میں حالات کو سنبھال لوں گا۔" انہوں نے اس کو تسلی دی، چونکہ وہ بھانجے کی چاہت جانتے تھے۔

"بیٹا میں چاہتا ہوں کہ ایمن کا نکاح تم سے کروا دوں۔" ارمان نے بات کاٹی۔

"اور میں بھی اپنے ماں باپ کی طرح ایمن کو لے کر روپوش ہو جاؤں۔" اس کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

"نہیں ماموں، یہ مسئلے کا حل نہیں ہے، میں اپنے ماں باپ کو مزید رسوا نہیں کر سکتا۔" وہ یکا یک خاموش ہو گیا، شہزاد صاحب کو لگا لائن کٹ گئی ہے۔

"ارمان..... ارمان..... میرے بچے۔" وہ چلائے۔

"ماموں!" یکا یک ان کی آواز سنائی دی۔

"ہاں میری جان۔" وہ تڑپ کر بولے۔

"ماموں مجھے معاف کر دیجئے گا" اس کی آواز رندھ گئی۔

شہزاد صاحب کی آنکھیں بھیگ گئیں وہ کتنی دیر تک موبائل تھامے بیٹھے رہے، اتنی جلد بازی کی توقع انہیں ارمان سے نہیں تھی۔

☆☆☆

"کیا چکر تھا تمہارا اس کے ساتھ، جو عین مایوں والے دن وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا؟" ایازن

اس سے پہلا سوال کیا وہ جو دلہن بنی بیٹھی تھی اس کے پوچھنے پر ہکا بکا رہ گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' اس نے لپک کر اس کے بال مٹھی میں دبوچ لئے۔

''الو کا پٹھا نہیں ہوں میں۔'' اذیت کے مارے اس نے آنکھیں میچ لیں۔

''بولو کیا چکر تھا تم دونوں کا۔'' اس نے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا۔

''اللہ!'' بے اختیار ایمن کے حلق سے صدا بلند ہوئی۔

''تم کیا سمجھتی ہو میں کچھ نہیں جانتا۔'' اس نے اسے زوردار جھٹکا دیا، ایمن بیڈ کراؤن سے جا ٹکرائی۔

''رو..... ساری رات اپنے عاشق کو یاد کر کے رو، وہ بھی کہیں بیٹھا تمہاری یاد میں رو رہا ہوگا۔'' وہ نفرت سے گویا انگارے چبا رہا تھا۔

''اس گھر میں تمہیں سب کچھ ملے گا، سوائے محبت کے، وہ تمہارے پاس پہلے ہی وافر مقدار میں ہے، اس کی تمہیں ضرورت نہیں ہے، اس لئے میں جا رہا ہوں، وہاں جہاں میری محبت کی زیادہ ضرورت ہے۔'' وہ دھاڑ سے دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔

☆☆☆

ایمن کی زندگی ایاز کے گھر میں عذاب بن چکی تھی، ایاز نے ایمن کو تنگ کرنے کے لئے ارمان کا نام پکڑ رکھا تھا، وہ گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی، اس دن وہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی جب بالکل اچانک ایاز کچن میں اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

''کیا پک رہا ہے؟'' اس نے بڑے خوشگوار موڈ میں پوچھا، ایمن اچانک اس کے آنے سے گھبرا گئی۔

''پالک گوشت، چاول، دم کا قیمہ اور شاہی ٹکڑے۔'' اس نے جلدی جلدی بتایا، اس کے سامنے آج ایاز پہلی بار خوشگوار موڈ میں تھا۔

''ہوں۔'' اس نے پتیلی کا ڈھکن اٹھا کر جائزہ لیا۔

''ارمان کی پسند کا ڈنر ہے۔'' وہ اس کی طرف تھوڑا سا جھک کر پوچھ رہا تھا، ایمن کا چہرہ پل بھر میں دھواں دھواں ہو گیا اس نے زخمی نظروں سے ایاز کو دیکھا، ایاز کی نظروں میں اس کے لئے تمسخر ہی تمسخر تھا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے ایمن۔'' وہ غرایا تھا اور ایمن کی جان نکل گئی۔

''یہ ارمان کی پسند کا ڈنر ہے نا۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

''نن..... نن..... نہیں۔'' وہ ہکلائی۔

''جھوٹ بولتی ہے۔'' اس نے یکدم اس کی چٹیا اپنے ہاتھ میں دبوچی۔

''اپنے یار کی پسند کے کھانے بنا بنا کر خوش ہوتی ہے۔'' اس نے وہیں اس کی پٹائی شروع کر دی، وہ چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی۔

''کرے گی یاد اب اپنے عاشق کو۔'' اب اسے لاتوں سے مار رہا تھا، تب ہی ساس ہانپتی کانپتی بھاگی آئی اور اسے چھڑا گئی۔

''چھوڑ دے، مر جائے گی، ارے چھوڑ۔'' اور وہ بکتا جھکتا چلا گیا، جاتے جاتے بھی پاؤں زوردار ٹھوکر اسے مار کر گیا اور وہ اپنے نیلو نیل وجود کو نجانے کیسے گھسیٹتے ہوئے اپنی ساس کے سہارے اپنے کمرے تک آئی تھی، بیڈ پر گرتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''ارمان!'' بے اختیار اس کی زبان سے نکلا، اچانک اسے خیال آیا کہ ارمان کا نام اس

زبان پر آیا ہے اس نے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھا، اس کی سانس جا چکی تھی، اس نے اپنے منہ میں دوپٹہ ٹھونس لیا اور زور زور سے رونے لگی، نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی، رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی، اس نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا اور اس کی روح فنا ہو گئی سامنے ایاز بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا، وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی، ایاز نے اسے نظر بھر کر دیکھا اور دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا، کچھ دیر بعد اس نے ٹی وی آف کر دیا اور گنگنانے لگا۔

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

ایاز نے اس کی طرف دیکھا، وہ سہم گئی تھی۔

''ہاں جی خوابوں میں ملاقات ہو گی ارمان سے۔'' وہ اٹھ کر بیڈ پر آ گیا، وہ مزید سمٹ گئی۔

''گھبراتی کیوں ہو؟ کچھ نہیں کہوں گا۔'' وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔

''ویسے مجھے کبھی کبھی تم پر بڑا ترس آتا ہے، تمہارا عاشق تو بڑا ہی کم ہمت نکلا۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''تمہیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر بھاگ گیا، ہاہاہا، بے چاری ایمن۔'' وہ ہنسے جا رہا تھا، یکایک اس نے ایمن کا بازو دبوچ کر اپنی جانب گھسیٹا۔

''جس دن مجھے تمہاری عاشقی کا کوئی ثبوت مل گیا ایمن وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا، سمجھیں تم۔'' وہ اس کے کان کے بالکل قریب غرایا تھا، ایمن جی جان سے سہم گئی۔

تب ہی اس کا موبائل بول اٹھا اس نے ایمن کو دور دھکا دیا ایمن کے حلق سے سسکیاں نکلنے لگیں، ایاز نے فون آن کیا۔

''ہاں سویٹ ہارٹ۔'' وہ چہکا۔

''میں آ رہا ہوں، میں بھی تمہارے بغیر ادھورا ہوں، ویٹ فور می، آئی جسٹ کمنگ، نو نو، کوئی دیر نہیں، بس میں ابھی آیا۔'' ایاز نے موبائل آف کیا اور بیڈ سے نیچے اتر آیا۔

''لو ایمن ڈارلنگ، ہم تو چلے۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل سے کار کی چابی اٹھائی۔

''کسی کو میری یاد تڑپا رہی ہے۔'' اب وہ دراز کھول کر والٹ نکال رہا تھا۔

''میں کوئی ارمان تھوڑی ہوں کہ تم دن رات اسے یاد کرتی ہو اور وہ تمہاری پکار سنتا ہی نہیں۔'' اس نے والٹ جیب میں ڈالا۔

''اب دیکھ لو، ابھی مجھے سعدیہ نے آواز دی اور میں چلا۔'' وہ دروازے کے پاس پہنچ کر رکا، ایمن اسے ہی دیکھ رہی تھی، وہ دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگا نجانے اسے کیا یاد آیا وہ واپس ایمن کی طرف آیا، ایمن اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر جی جان سے سہم گئی، وہ اس کے پاس آ کر رک گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا، ایمن کی خوف کے مارے سانسیں اکھڑنے لگیں، اس نے اس کی بکھری لٹوں کو ہاتھ سے ایک سا کیا۔

''ویسے ڈارلنگ، اگر کبھی ارمان سے فرصت ملے تو مجھے پکار کر دیکھنا، میں فوراً تمہارے پاس بھی آ جاؤں گا، آئی پرامس۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کی لٹ کو اپنی انگلی پر لپیٹا۔

''اوکے بائے۔'' وہ اس کی لٹ کو چھوڑتے ہوئے بولا، ایمن ہکا بکا اسے جاتا دیکھتی رہی، دروازہ بند ہو چکا تھا۔

☆☆☆

ارمان ابوظہبی میں آ تو گیا مگر اس کا دل پاکستان میں پڑا ہوا تھا، دل کا درد بھلانے کے لئے وہ دن رات کام میں جتا رہتا تھا، ڈبل ڈبل

شفٹ میں کام کرتا، مگر پھر بھی پرسکون نیند نہ آتی، دماغ میں یہ خیال چپک کر رہ گیا تھا کہ اگر وہ ہمت کرتا تو ایمن کو اپنا سکتا تھا، جبکہ ماموں نے خود اسے کہا تھا، وہ تھکا ہارا ڈیوٹی سے واپس آتا تو نیند کوسوں دور ہوتی، ساری ساری رات کروٹیں بدلتے گزر جاتی، ذرا آنکھیں بند کرتا، ایمن کا رویا رویا چہرہ اس کے سامنے آجاتا اور وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتا۔

''ارمان مجھے بچالو، مجھے ایاز سے ڈر لگتا ہے ارمان۔'' اسے اپنے کمرے میں آتے ہی ایمن کی درد میں ڈوبی آوازیں سنائی دیتیں اور وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوتا اپارٹمنٹ سے باہر آجاتا، بے مقصد سڑکوں پر ٹہلتا رہتا، ساری ساری رات اسی طرح گزر جاتی، صبح اس کی سوجی آنکھیں دیکھ کر اس کے ساتھی وغیرہ استفسار کرتے اور وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو جاتا۔

''مجھے معاف کر دینا ایمن۔'' وہ اکثر بڑبڑاتا، اس کا روم میٹ رضوان چپ چاپ اس کے اضطراب اور بے چینی کو محسوس کرتا تھا مگر ابھی تک اس نے اس سے کچھ پوچھا نہیں تھا۔

☆☆☆
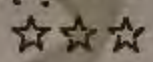
ایمن جب سے شادی کر کے گئی تھی واپس آئی ہی نہیں تھی، اس دن فاخرہ بیگم اور شہزاد صاحب دونوں بیٹی سے ملنے پہنچے، شام کا وقت تھا، لان میں دلاور اور سائرہ بیگم بیٹھے چائے پی رہے تھے، وہ دونوں وہیں بیٹھ گئے، سائرہ بیگم نے ملازمہ سے کہہ کر ایمن کو وہیں بلوا لیا اور کچھ خیال آنے پر جلدی سے خود اٹھ کر ملازمہ کے پیچھے لپکیں۔

''میں جاتی ہوں، شاید سو رہی ہو گی ایمن۔'' نجانے وہ کیسے وضاحتیں کرتی جا رہی تھیں۔

ایمن کوٹھی کے پچھواڑے واشنگ مشین لگائے ہوئے کپڑے دھو رہی تھی، کیونکہ ایاز کا حکم تھا کہ اس کا کوئی بھی کام ملازم نہیں کریں گے، بلکہ ایمن اس کا ہر کام کرے گی، ایمن بے چاری نے اس سے پہلے بھی واشنگ مشین نہیں لگائی تھی مگر اب یہاں وہ ملازمہ سے یہ کام بھی سیکھ چکی تھی، اس کو ستانے کے لئے ایاز ایک دن میں تین تین چار چار کپڑے تبدیل کرتا، ایمن ان کی دھوتی اور پریس کر کے ہینگ کرتی، ابھی بھی سائرہ بیگم کو یہی خیال آیا کہ کہیں ایمن ماں باپ کے سامنے اسی طرح اٹھ کر نہ آجائے، انہوں نے ایمن کو ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اس کے بیڈ روم میں لے آئیں، ملازمہ پہلے ہی اس کے لئے سوٹ کا انتخاب کر چکی تھی، انہوں نے ایمن کے ہاتھ میں کپڑے تھمائے اور واش روم کی طرف دھکیلا، وہ بھی کہیں چاہتی تھی کہ ماں باپ اسے برے حالوں میں دیکھیں اور دکھ اٹھائیں، لہٰذا چپ چاپ ان کی ہدایتوں پر عمل کر رہی تھی۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ باہر آئی تو ملازمہ نے جھٹ پٹ اس کے بال سنوارنے شروع کر دیئے، ہلکا سا میک اپ، گولڈ کی نفیس سی جیولری، وہ گڑیا سی لگ رہی تھی، سائرہ بیگم اطمینان کا سانس لیتی ہوئی باہر جا چکی تھیں ساتھ نصیحت کرنا نہیں بھولیں تھیں کہ ماں باپ کو کوئی بات نہیں بتانی کیونکہ ان کے نزدیک گھر قربانیوں سے ہی بنتے ہیں، وہ چپ چاپ باہر آگئی دل تو چاہ رہا تھا ماں کے سینے سے لگ کر خوب روئے اور پوچھے کہ کیا دیکھا تھا آپ نے اپنے بھتیجے میں، مگر وہ خود حیران تھی جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی زبان مسلسل جھوٹ پہ جھوٹ بول رہی تھی، تب ہی ایاز کی گاڑی گیٹ میں داخل ہوئی، ایاز کو

دیکھتے ہی ایمن کی روح فنا ہوگئی، ایاز سب سے بڑے بے تپاک انداز میں ملا اور وہیں بیٹھ گیا۔

''ایمن بیٹا اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہو؟'' شہزاد صاحب نے شفقت سے پوچھا۔

''لو جی پھوپھا جی، یہ بھی آپ نے خوب کہی۔'' ایاز نے چائے بنانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا، ایمن چائے بنانے لگی اس کے ہاتھ لرز رہے تھے، نجانے اب یہ کیا کہنے والا ہے اس نے چائے بنا کر کپ آگے بڑھایا۔

''پتہ نہیں کسے ہر وقت یاد کرتی رہتی ہے، میں تو جی بڑا سمجھاتا ہوں مگر اس کی سمجھ میں ہی کچھ نہیں آتا۔'' شہزاد صاحب اس کی گفتگو سن کر دم بخود بیٹھے تھے وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے انہوں نے ایک نظر ایمن پر ڈالی، کس قدر کمزور لگ رہی تھی، تو کیا ایسی زندگی گزار رہی ہے، فاخرہ بیگم کو بھی بھتیجے کی بات ہضم نہیں ہوئی۔

''ہوں تو یاد تو کرنا ہی ہے، جب تم ایک بار بھی ماں باپ سے ملوانے نہیں لائے تو وہ ماں باپ کو یاد بھی نہ کرے۔'' وہ بخوبی سمجھ رہی تھیں یہ اکلوتی بیٹی کو داماد کس کے نام کے طعنے دے رہا ہے مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھیں اپنی بیٹی پر کس طرح آنچ آنے دیتیں الٹا داماد پر ہی چوٹ کر ڈالی، ایمن جو چور سی بنی بیٹھی تھی۔

''اچھا'' وہ طنزیہ ہنسی ہنسا۔

''تو پھپھو اس میں بھی میرا قصور ہے۔'' اس نے چائے کا کپ میز پر رکھا۔

''پھپھو تمہارا دل نہیں بھرا، بیس سال سے بیٹی تمہارے پاس تھی اب اسے سسرال میں دل لگانے دو۔'' دلاور اور سائرہ چپ چاپ تماشا دیکھ رہے تھے، دلاور یہی تو دیکھنا چاہتا تھا سنی کے بھائی کا سر وہ جھکانا چاہتا تھا۔

''کیا مطلب؟'' شہزاد صاحب نے آنکھیں سکوڑ کر پوچھا۔

''وہ ماں باپ سے ملنے نہیں آ سکتی؟'' انہوں نے چائے کا کپ میز پر رکھا۔

''میاں، بیٹی کی شادی کی ہے، بیچا نہیں ہے جو وہ ماں باپ سے مل بھی نہیں سکتی۔'' ان کو غصہ ہی تو آ گیا۔

''تو لے جائیں، میری طرف سے ہمیشہ کے لئے لے جائیں، آپ کہو تو ابھی تین لفظ بول دیتا ہوں۔'' وہ سفا کی سے بولا اور کھڑا ہو گیا، اس سے پہلے کہ شہزاد صاحب کچھ کہتے ایمن رو پڑی، وہ اندر جا چکا تھا۔

''پاپا خدا کے لئے، آپ ابھی چلے جائیں۔'' فاخرہ بیگم حق دق تھیں، بھتیجے کا یہ روپ تو انہوں نے پہلے دیکھا ہی نہیں تھا، وہ تو سمجھ رہی تھیں بھائی ان کی اکلوتی بیٹی کو پھولوں کی طرح رکھے گا، مگر یہاں تو حالات ہی کچھ اور تھے۔

''دلاور بھائی!'' وہ غصے سے پھنکاریں تھیں۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''آپا حوصلہ رکھو۔'' دلاور نے تسلی دی۔

''آہستہ آہستہ دونوں میں انڈر سٹینڈنگ ہو ہی جائے گی۔''

''میں نے تو سمجھا تھا میری بیٹی یہاں بہت خوش ہے۔'' ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''ہاں تو خوش ہے کس چیز کی کمی ہے اسے، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا سب بہترین ہے۔'' سائرہ بیگم نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھابھی دیکھ رہی ہوں کتنا خوش ہے۔'' وہ دل گرفتگی سے بولیں۔

''چلیں شہزاد صاحب۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

سب کھڑے ہو گئے، وہ ایمن کے پاس آ گئیں اور اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''گھبرانا نہیں میری بچی۔'' انہوں نے اس کی پیشانی چومی تب ہی چونک اٹھیں، ایمن کے چہرے پر کان کے پاس اور ماتھے پر انہیں نیل کے سے نشان نظر آئے اگرچہ مدھم ہو چکے تھے مگر پھر بھی قریب سے دیکھنے پر محسوس ہو رہے تھے۔

''یہ کیا ہے ایمن؟'' وہ جی جان سے لرز اٹھیں۔

''وہ...... وہ۔'' ایمن ہکلائی، دلاور اور سائزہ بھی گھبرا گئے۔

''وہ...... مما...... دراصل میں...... گر پڑی تھی۔'' اس کے حلق میں جیسے آنسوؤں کا بڑا سا گولہ پھنس گیا۔

فاخرہ بیگم اور شہزاد صاحب حق دق کھڑے تھے شہزاد صاحب کو لگا ان کے دل میں ہلکا ہلکا درد اٹھا ہے۔ انہوں نے بیوی کا ہاتھ تھام لیا۔

☆☆☆

ارمان ڈیوٹی آف کر کے آیا تو اس کا روم میٹ رضوان کھانا بنا رہا تھا۔

''یار بڑے اچھے وقت پر آیا ہے۔'' رضوان اسے دیکھتے ہی بولا۔

''چل جلدی سے فریش ہو کر آ جا میں نے آج تیری بھابھی جیسی کڑاہی بنانے کی کوشش کی ہے ساتھ میں آج کشمیری چائے بھی پئیں گے۔''

ارمان مسکراتا ہوا فریش ہونے چلا گیا۔

دونوں کھانے کے دوران باتیں بھی کرتے جا رہے تھے، رضوان بڑا خوش تھا۔

''یار آج میں بڑا خوش ہوں، منزہ کا فون آیا تھا، پتہ ہے کنزہ کا رشتہ بھی آج پکا ہو گیا۔'' اس نے چھوٹی بیٹی کا نام لیا۔

''اچھا، یار یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے۔''

ارمان کو واقعی خوشی ہوئی تھی۔

''او یار اب تو رشتے آنے ہی آنے ہیں، اب ان کا باپ ابوظہبی میں جو ہے، سب کو پتہ ہے کہ سب کچھ ملے گا، ورنہ ایک وقت تھا کہ میری سمجھ نہیں آتا ہے کہ ان تین تین لڑکیوں کی شادی کیسے کروں گا وہ تو پھر تیری بھابھی نے حوصلہ پکڑا، اس نے اپنا زیور سارے کا سارا بیچ ڈالا، پھر میں یہاں آیا تو کچھ حالات سدھرے ورنہ ہمیں تو رشتے داروں نے بھی پوچھنا چھوڑ دیا تھا، بس یار اللہ ہی ہے غریبوں کا۔'' اس نے برتن اٹھا کر سنک میں رکھے اور چائے بنانے لگا۔

''ویسے یار کبھی تو نے نہیں بتایا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے۔'' ارمان اٹھ کر ہاتھ دھوتے واش بیسن پر آ گیا۔

''پیسہ کمانے اور کس لئے۔'' اس نے تولیہ سے ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا۔

''مگر کس کے لئے پیسہ کمانے آیا ہے تو۔'' رضوان کچن سے باہر آ گیا۔

''او...... یار...... کیا ضروری ہے کہ پیسہ کسی کے لئے ہی کمایا جائے۔'' ارمان جیسے زچ ہو گیا۔

''ہاں ضروری تو نہیں ہے کہ پیسہ کسی کے لئے کمایا جائے۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

''لیکن یار بندہ پردیس کسی کی خاطر ہی کاٹتا ہے۔'' ارمان خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں کسی کی خوشیوں کی خاطر وہ پردیس کاٹ رہا ہے۔'' وہ سوچ کر رہ گیا منہ سے کچھ نہ بولا، رضوان اٹھ کر کچن میں چلا گیا، چائے لا کر اس نے اس کے سامنے رکھی۔

''قسم سے مزہ آ جائے گا۔'' رضوان نے چائے کے کپ کو سونگھا، ارمان نے چائے کے کپ سے چسکی لی۔

''واقعی یار چائے تو شاندار ہے۔'' رضوان خوش ہو گیا۔

''یار ایک بات بتا۔'' اس نے کپ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بول۔'' ارمان نے صوفے سے ٹیک لگائی، رضوان کچھ دیر تک اسے غور سے دیکھتا رہا ارمان الجھ گیا اس کے انداز پر۔

''یار یہ...... ایمن کون ہے؟'' ارمان کو جو چائے پی رہا تھا اچھو لگ گیا، اس نے کپ میز پر رکھا اور بری طرح کھانسنے لگا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا، رضوان اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

رات کا نجانے کون سا پہر تھا، ایمن گہری نیند سوئی ہوئی تھی، سب ہی دروازہ زوردار آواز سے کھلا، وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی، اس کی نظر سامنے دروازے پر گئی، سامنے ایاز کھڑا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

ایمن اٹھ کر بیٹھ گئی، وہ دو قدم بڑھا کر آگے آیا اور لڑکھڑا گیا، ایمن اس کے جھومتے وجود کو دیکھ کر ہکا بکا تھی، اس نے یقیناً شراب پی ہوئی تھی، ایاز نے سنبھل کر پھر آگے بڑھنا چاہا مگر اس کے قدم پھر ڈگمگا گئے۔

ایمن نے اٹھ کر اسے سہارا دیا اور سہارا دیتی ہوئی بیڈ تک لے آئی، اس کے منہ سے ناگوار بو کے بھبکے آ رہے تھے، جو کہ ایمن کے لئے ناقابل برداشت تھے۔

''ایاز آپ نے شراب پی ہے؟'' وہ جو اس کے جوتے اتار رہی تھی پوچھ بیٹھی۔

''ہاں پی ہے۔'' ایاز کہنی کے سہارے اٹھ بیٹھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو، تمہارے باپ سے ڈرتا ہوں میں۔'' وہ نشے میں ڈوبی آواز میں بولا۔

''پی ہے میں نے، روز پیتا ہوں۔'' ایاز جو کہنی کے سہارے اٹھ کر بیٹھا تھا بیڈ پر گر پڑا، وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔

''امی!'' ایمن رو پڑی۔

''میں نے کیا کیا تھا ایسا، جس کی سزا آپ نے مجھے اس طرح دی۔''

☆☆☆

گھر آ کر فاخرہ بیگم مسلسل اپنے کمرے میں بند تھیں جبکہ شہزاد صاحب الگ ایمن کو لے کر پریشان تھے، وہ جانتے تھے شک زدہ زندگی گزارنا کتنا مشکل کام ہے اور ایمن کے چہرے پر نیل کے نشان کیسے تھے کیا ایاز اسے مارتا پیٹتا ہے، یقیناً ایسی ہی بات ہے ایمن کتنی ڈری سہمی بیٹھی تھی، ایاز کو آتا دیکھ کر وہ لرز گئی تھی انہوں نے واضح طور پر اس کی کیفیت میں تبدیلی نوٹ کی تھی، کیا ایمن ایسی ہی دردناک زندگی گزارے گی۔

فاخرہ بیگم بھی غم زدہ تھیں، وہ جب سے ایمن سے مل کر آئی تھیں مسلسل ڈپریشن کا شکار تھیں، دوا کھانے کے بعد بھی آرام و سکون مفقود تھے ان کی لاڈلی، نازک سی کلی کے چہرے پر نیل کے نشان، یہ تو انہوں نے نہیں سوچا تھا، یہ کیا ہو رہا ہے میری بچی کے ساتھ، وہ دو دن سے کمرے میں تھیں، بستر پر پڑی رہتی تھیں اماں رحمہ ان کو تسلی دلاسہ دے رہی تھیں انہوں نے اماں رحمہ سے کچھ بھی تو نہیں چھپایا تھا، ایمن ان کے ہاتھوں کی پلی بڑھی تھی، ان کے سر میں شدید درد اٹھا تھا، اماں رحمہ نے ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔

''اماں رحمہ، میری بچی کا کیا بنے گا، یہ میں نے کیا کر دیا۔'' وہ ایک ہی جملہ دہرا رہی تھیں۔

''اللہ مالک ہے بی بی جی وہ سب بہتر

کرے گا۔'' وہ تسلی دیتیں۔

☆☆☆

ایاز کے جوہر آہستہ آہستہ ایمن پر کھل رہے تھے، اس کی ذات کے رنگ ایمن ہر روز دیکھ رہی تھی، ایاز کا کوئی باقاعدہ کاروبار نہیں تھا، وہ کئی ممنوعہ کاموں میں بھی ملوث تھا، نشہ آور ادویات کا کام بھی کرتا تھا، غیر عورتوں سے اس کے تعلقات تھے اور تو اور شکیلہ نامی عورت سے اس نے نکاح بھی کیا ہوا تھا، ایمن کو یہ ساری باتیں آہستہ آہستہ پتہ چل رہی تھیں، وہ پل پل سسکتی تھی، اگر کبھی وہ بھولے سے کچھ ایاز کے مزاج کے خلاف بول جاتی تو پھر ایاز سارے لحاظ بھول جاتا ہے، گھٹیا الزامات سے اس کی روح چھلنی رہتی تھی، فاخرہ بیگم ایک ایسے ہی دن اچانک پہنچی تھیں، جب ایاز کا میٹر گھوما ہوا تھا، اس نے پھپھو کا بھی لحاظ نہیں کیا اور ایسے ایسے الزامات ایمن پر لگائے کہ فاخرہ بیگم کو لگ رہا تھا کہ اب ان کے دل کی حرکت بند ہونے والی ہے، کبھی بھتیجے کو دیکھتیں تھیں اور کبھی بیٹی کے دھواں دھواں چہرے کو، کتنا اچھا تھا ارمان، ان کے دل سے ہوک اٹھی، ایمن کا کتنا خیال رکھتا تھا، ایمن اس کے ساتھ کتنی خوش رہتی، یہ کیا کر بیٹھیں تھیں وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کی خوشیوں کو آگ لگا بیٹھیں تھیں، انہوں نے بھائی بھاوج سے مدد مانگی تو داور نے الٹا ایمن کو بانجھ قرار دے کر ان کے دکھوں میں مزید اضافہ کر دیا، وہ نجانے کیسے واپس آئی تھیں۔

☆☆☆

بات یہیں تک رہتی تو شاید قابل برداشت ہوتی مگر آدھی رات کو ایمن جب اجڑ کر طلاق نامہ ہاتھ میں تھام کر گھر پہنچی تو فاخرہ بیگم نے دکھ برداشت نہ کر سکیں اور اسی رات فالج کے شدید حملہ ان پر ہوا اور جسم کا ایک حصہ مفلوج ہو گیا ساتھ ہی ساتھ قوت گویائی بھی متاثر ہوئی، شہزاد صاحب کے دل کا درد بڑھتا جا رہا تھا، اکلوتی بیٹی اجڑ کر واپس آ چکی تھی، ان کے دن رات عجب بے کسی میں گزر رہے تھے ایمن کی دلجوئی کی بھرپور کوشش کر رہے تھے مگر بار بار تھک جاتے تھے، انہیں ارمان رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔

☆☆☆

ارمان ڈیوٹی آف کر کے آیا تو گھر میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا، نجانے کیوں دل پریشان سا تھا، بہت دیر وہ بے مقصد سڑکوں پر ٹہلتا رہا، رات گئے وہ گھر واپس آیا تو رضوان نے اسے کسی فون کے بارے میں بتایا، رضوان نے تاکید کی تھی کہ وہ کال بیک کرے، تب ارمان کو خیال آیا کہ وہ اپنا موبائل گھر بھول گیا تھا، اس نے فون آن کیا تو شہزاد صاحب کا نمبر دیکھ کر تڑپ اٹھا، بات کر کے وہ سیدھا ہوا تو واپسی کا فیصلہ کر چکا تھا، رضوان اس کے فیصلے سے متفق تھا۔

☆☆☆

بوگن ویلیا کی جھکتی ہوئی بیلیں دیکھ کر ارمان کے دل کو یک گونہ سکون نصیب ہوا، بیگ تھام کر وہ اندر آیا گھر میں داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی خوشی اسے محسوس ہوئی۔

''گھر پیارا گھر۔'' اس نے نم آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا، گھر کے سکون کو وہ ترس گیا تھا وہ آنکھیں بند کر کے گھر کی مخصوص مہک کو اپنے اندر اتار رہا تھا، تب ہی اماں رحمہ کی نظر اس پر پڑی۔

''ارمان بیٹا!'' وہ خوشی سے بے قابو ہوتی آواز میں چیخیں تھیں اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول لیں۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے ارمان بیٹا۔'' وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف بڑھیں۔

''آپ نے ذرا بھی نہیں سوچا کہ آپ کے بغیر اس گھر کا کیا ہوگا، دیکھ لیں ارمان بیٹا، بکھر گیا یہ گھر، ٹوٹ پھوٹ گیا یہ آشیانہ۔'' وہ جو اپنی جوانی اور بڑھاپا اس گھر میں گزار چکی تھیں اس گھر کے مقدر پر پھوٹ پھوٹ کر رودیں، ارمان نے ان کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

''ارمان بیٹا کچھ تو سوچا ہوتا، کچھ تو سوچتے ارمان بیٹے۔'' وہ روتے روتے بولیں۔

''مجھے معاف کر دیں اماں، میں آ گیا ہوں، اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کی بھی آنکھیں بھیگ گئیں۔

شہزاد صاحب ارمان کو دیکھ کر جی اٹھے تھے، فاخرہ بیگم مفلوج ہو چکی تھیں، ہلنے جلنے سے معذور تھیں، بولنے سے بے بس تھیں ایک نرس ان کی ہر وقت خدمت پر معمور تھی، شہزاد صاحب نے اسے سارے حالات بتائے جنہیں سن کر وہ بہت دکھی تھا، فاخرہ بیگم کے کمرے میں وہ کچھ دیر تک ان کے سرہانے بیٹھا رہا، تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر ایمن کے کمرے میں آ گیا، اماں رحمہ اور شہزاد صاحب نے اسے بتایا تھا کہ جب سے ایمن گھر واپس آئی ہے اپنے کمرے میں بند رہتی ہے نہ سب میں ملتی جلتی ہے نہ جتنی بولتی ہے بس وہ ہے اور اس کا کمرہ ہے۔

ارمان نے گہری سانس لے کر دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈالا، دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا سامنے کھڑکی میں اس کو ایمن کھڑی نظر آئی اس کا رخ باہر کی طرف تھا۔

''ایمن!'' اس نے اسے پکارا، ارمان کو لگا جیسے ایمن نے سنا ہی نہیں۔

''ایمن!'' اس بار اس نے نسبتاً اونچی آواز میں پکارا ایمن اس کی طرف بڑی، کچھ دیر تک ایمن اسے دیکھتی رہی۔

''ار...... ما...... ن۔'' اس کی آواز لرز گئی، ارمان کو دھچکا لگا تھا اسے دیکھ کر، یہ تو ایمن نہیں ہے وہ تھوڑا پیچھے ہوا، ہڈیوں کا ڈھانچہ زرد رنگت بے رونق چہرہ، بکھرے بال۔

''تم ارمان ہو؟'' ایمن بے یقین سے اسے دیکھ رہی تھی، اس کی حالت دیکھ کر ارمان کو دکھ ہو رہا تھا۔

''ہا...... ہا...... ں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا، تب ہی ایمن پر ایک تشنج کی سی کیفیت طاری ہو گئی، اس کا پورا جسم لرزنے لگا۔

''میں نے کہا...... تھا...... نہ...... میں نے کہا تھا نہ ارمان، نہ چھوڑ کر جاؤ مجھے، تم مجھے چھوڑ گئے ارمان چھوڑ گئے تم مجھے اس کے رحم و کرم پر۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''میں نے کتنا کہا تھا ارمان...... کتنا کہا تھا میں نے تم سے، مجھے ڈر لگتا ہے ارمان۔'' وہ زار و قطار رو رہی تھی، ارمان کا دل کٹتا جا رہا تھا اس کی حالت دیکھ کر ارمان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

☆☆☆

کبھی کبھی کسی ایک شخص کے ہونے نہ ہونے سے گھر والوں کے ماحول پر اتنا اثر پڑتا ہے یہ بات شہزاد صاحب کو اب سمجھ آ رہی تھی، ارمان کے آنے سے ان کی آدھی سے زیادہ پریشانی ختم ہو چکی تھی، وہ چاہتے تھے کہ ایمن اب خود کو سنبھالے اور دنیا کا سامنا کرے کب تک اس طرح کمرے میں بند رہے گی، ارمان نے شہزاد صاحب کے سامنے ایمن کو اپنانے کی خواہش کا اظہار کیا، شہزاد صاحب تو مانو دوبارہ جی اٹھے، وہ تو خود بھی چاہتے تھے مگر اس وقت ان کی ساری خوشی غارت ہو گئی جب ایمن نے شادی کرنے سے انکار کر دیا، شہزاد صاحب اسے قائل کر کر کے تھک گئے، مگر ایمن کی ناں ہاں میں نہیں بدلی،

آخر ارمان کو خود میدان میں آنا پڑا۔

☆☆☆

صبح کی روشنی اب آہستہ آہستہ دوپہر کی حدت میں تبدیل ہو رہی تھی، ایمن ٹیرس پہ بیٹھی کسی رسالے کی ورق گردانی میں مگن تھی تب ہی اچانک ارمان وہاں آ پہنچا۔

''تم پڑھ رہی ہو، یا صرف ہاتھ میں پکڑے بیٹھی ہو۔'' اس نے رسالہ اس کے ہاتھ سے اچک لیا، ایمن جو نجانے کن سوچوں میں گم تھی چونک اٹھی۔

''ارمان تم؟'' وہ اس کے بالمقابل کرسی سنبھال چکا تھا۔

''ہاں میں، تم کیا اسی طرح ہر وقت مراقبے میں گم رہتی ہو؟ جو گزر گیا اسے بھول کیوں نہیں جاتی ہو؟''

''نہیں..... نہیں تو۔'' وہ بوکھلا سی گئی۔

''اچھا چلو اٹھو، میرے ساتھ چلو۔'' اس نے رسالہ میز پر رکھا۔

''مگر کہاں؟'' اب اس نے ارمان کو غور سے دیکھا وہ نک سک سے تیار تھا، بلیک پینٹ آسمانی شرٹ کے ساتھ وہ پہلے سے زیادہ شاندار لگا، گلے میں جھولتی چین، چمچماتے جوتے، سلیقے سے بنے بال۔

''کیا بات ہے؟ کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے؟'' ارمان نے جو اسے اتنی توجہ سے خود کو دیکھتے پایا تو شرارت سے آنکھ دبا کر بولا، ایمن جھینپ گئی۔

''نہیں۔'' وہ گڑبڑا گئی۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' اس کا ازلی اعتماد نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

''شاپنگ کرنے۔'' ارمان نے کہا۔

''کیا لینا ہے؟'' وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

''یار! میں سوچ رہا ہوں شادی کر لوں۔'' وہ پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم..... تم..... شادی کر رہے ہو؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں یار!'' ارمان نے گہری سانس لی۔

''کتنے سالوں سے تمہاری آس میں بیٹھا تھا اور، اب آ کر موقع ملا تو تم نے ہری جھنڈی دکھا دی۔'' ارمان چہرے پر مصنوعی مایوسی طاری کر کے بولا۔

''ماموں جان بتا رہے تھے کہ تم نے منع کر دیا، تو..... اب تم ہی بتاؤ، کب تک ایسے تنہا زندگی گزاروں، تو پھر میں نے.....'' اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

''تم شادی کر رہے ہو؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مگر کس سے؟''

''وہ ابوظہبی میں میرے پڑوس میں لڑکی رہتی تھی۔''

''تم اپنی پڑوسن سے محبت کرتے تھے۔'' ارمان کو اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آئے۔

''نہیں تو..... وہ دراصل.....'' ایمن نے سر جھکا لیا۔

''میں کتنی بے وقوف تھی، میں ارمان کو یاد کر کر کے آدھی رہ گئی اور ارمان..... ارمان اپنی پڑوسن سے محبت کرتا رہا اور تو اور نوبت شادی تک پہنچ گئی، ہائے ارمان..... تم بھی روایتی مردوں کی طرح نکلے، ہرجائی اور بھنورا صفت۔'' ارمان نجانے کیا کیا کہے جا رہا تھا اور وہ نجانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔

''اب چلو جلدی سے اٹھ جاؤ۔'' یکا یک

ارمان نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا تو وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہوگئی۔

"فٹافٹ تیار ہو جاؤ، ہم نے دس منٹ میں نکلنا ہے۔"

"لیکن ارمان میں کیا کروں گی تم جاؤ۔"

"ایمن پلیز مجھے کیا پتہ شادی کی شاپنگ کیسے کرتے ہیں، ساری شاپنگ تمہاری پسند کی ہو گی۔"

"لیکن ارمان، میں شاپنگ کیسے کر سکتی ہوں، تم اپنی بڑو ہن، میرا مطلب ہے اپنی ہونے والی بیوی کو ساتھ لے جاؤ۔" وہ اچانک امڈ آنے والے آنسوؤں کو روک کر بہت ضبط سے بولی، ورنہ یہ احساس ہی جان نکالے دے رہا تھا کہ ارمان کسی اور کی طرف نہ صرف متوجہ ہو چکا ہے بلکہ شادی بھی کر رہا ہے۔

"وہ.... وہ تو شادی کے ایک دن پہلے...... یعنی مہندی والے دن پہنچے گی۔"

"لیکن اسے اگر میرے پسند کیے ہوئے ڈریسز پسند نہ آئے تو۔"

"یار کیوں پسند نہیں آئیں گے، اب اتنی بھی گئی گزری پسند نہیں ہے تمہاری، بس اب جلدی سے چلو، میرا خیال تو ہے کہ ایسے ہی چلو۔"

"نہیں نہیں، میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

وہ گہرا سا سانس لے کر بولی اور اٹھ کر اندر چلی آئی۔

"تمہارے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں لگے گا ایمن بی بی، کہ میں کیا کرنے لگا ہوں، تم خود بولو گی، قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے۔" ارمان نے مسکراتے ہوئے سوچا اور رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

☆☆☆
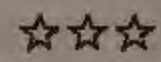
ارمان اور ایمن کو شاپنگ کرتے کافی دیر ہو چکی تھی، ایمن تھک چکی تھی، اسے بار بار رونا آرہا تھا اور ارمان اس کی کیفیت سے بے نیاز مسلسل شاپنگ کیے جا رہا تھا، وہ ہر چیز ایمن کی پسند سے خرید رہا تھا اور یہی بات ایمن کو دکھ پہنچا رہی تھی، ایسا تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ارمان کے ساتھ اس کی دلہن کے لئے شاپنگ کرے گی۔

وہ دونوں برائیڈل ڈریسز دیکھ رہے تھے، سیلز مین نے کئی طرح کے لہنگے ان کے سامنے پھیلائے ہوئے تھے۔

"ہاں ایمن کون سا اچھا ہے؟" ارمان نے ایمن سے پوچھا۔

"ارمان یہ تم خالص اپنی پسند سے لو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری ہونے والی بیوی کو میرا پسند کیا ہوا اگر پسند نہ آئے۔"

"اُفوہ ایمن میں نے کہا تو ہے کہ تم پسند کرو، باقی ساری فکریں چھوڑ دو، یہ بتاؤ یہ فیروزی اور پیازی کنٹراسٹ کیسا ہے؟" اس نے بھاری کامدار جھلملاتے لہنگے کی طرف اشارہ کیا، وہ چپ رہی۔

"ہاں ایمن بولو۔" وہ اسے چپ پا کر دوبارہ بولا۔

"ہاں اچھا ہے۔" وہ بے دم سے لہجے میں بولی، ارمان نے سیلز مین کو پیک کرنے کا اشارہ کیا۔

"ارمان نے یہ فیروزی اور پیازی کنٹراسٹ کیوں لیا ہے۔" ایمن نے دکھ سے سوچا۔

"جبکہ ارمان کو اچھی طرح پتہ ہے کہ یہ دونوں میرے فیورٹ کلرز ہیں، ارمان تم کتنے بدل گئے ہو؟" اس نے آنسوؤں کا گولہ اندر حلق میں دھکیلا۔

"اچھا اب تم اپنے لئے بھی کوئی خوبصورت سا ڈریس پسند کر لو۔" ارمان کی بات سے ایمن

ہڑبڑا گئی۔

''نہیں...... میں نے کیا کرنا ہے، میرے پاس بہت سارے کپڑے ہیں۔''

''ارے واہ، دلہا کی اکلوتی کزن اور پرانے کپڑے پہنے، ہرگز نہیں، چلو فٹافٹ کوئی اچھا سا سوٹ پسند کرلو۔'' ارمان کے پرزور اصرار پر ایمن نے اپنے لئے سنہری بارڈر کے ساتھ فیروزی کلر میں فراک پسند کی ارمان نے ادائیگی کی اور دونوں باہر آ گئے۔

''ارمان تم نے بتایا نہیں کہ تمہاری پڑوسن کا نام کیا ہے؟'' ایمن نے بالکل اچانک پوچھا اور ارمان کو بالکل اچانک زوردار کھانسی آ گئی اور وہ بری طرح کھانسنے لگا تب ہی ارمان کی نظر ایمن پر پڑی اس کا چہرہ یکدم خوف سے زرد پڑ گیا تھا، اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو گئے تھے، ارمان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور اس کے اعصاب تن گئے، بالکل سامنے ایاز کھڑا تھا، ارمان نے دوبارہ ایمن کو دیکھا، اس کا رنگ فق تھا، ایاز کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔

''ایمن!'' ارمان نے بے حد سرد آواز میں اسے پکارا، ایمن نے لاچارگی سے اسے دیکھا۔

''ڈرو نہیں، یہ اب تمہارا کچھ نہیں کرسکتا، آؤ گھر چلو۔''

''ارمان مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' ایمن روہانسی آواز میں بولی۔

''ڈرو مت۔'' ارمان نے ایاز کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ہوں نہ تمہارے ساتھ، چلو'' وہ اسے ساتھ لئے گاڑی تک آیا، پچھلا دروازہ کھول کر ہاتھوں میں پکڑے سارے شاپنگ بیگز پچھلی سیٹ پر رکھے، دروازہ بند کر کے واپس مڑا، اب اسے ایاز کہیں نظر نہیں آیا، شاید وہ جا چکا تھا۔

''چلو بیٹھو۔'' اس نے فرنٹ ڈور کھولا اور ایمن سیٹ پر گرسی گئی، ارمان نے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور سڑک پر لے آیا، تب ہی ایمن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اوکم آن ایمن۔'' اس نے تاسف سے ایمن کو دیکھا اور ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''ارمان تم نہیں جانتے اس شخص نے تمہارے نام کے مجھے کتنے طعنے دیئے ہیں۔'' ایمن ہچکیوں کے درمیان بولی، ارمان کے اعصاب تن گئے وہ بولتی جا رہی تھی جو کچھ اس کے اندر جمع تھا، ارمان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کرے، اس نے یکدم بریک لگائے۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' اس نے گاڑی کو واپس موڑا، ایمن بوکھلا گئی، اس کے ارادے واضح نظر آ رہے تھے۔

''نہیں ارمان نہیں۔'' وہ جو ابھی ٹشو سے آنکھیں رگڑ کر بیٹھی تھی پھر سے رو پڑی۔

''کیوں نہیں۔'' ارمان جارحانہ انداز میں بولا۔

''وہ تمہارے ساتھ جو مرضی کرتا رہے اور میں اسے پوچھوں بھی نہ۔''

''ارمان تمہیں اللہ کا واسطہ، ایسا مت کرو، اللہ نے پہلے ہی میری جان اس سے چھڑائی ہے، اب تم......'' ایمن سے بات بھی پوری نہیں ہوئی، اس نے سیٹ سے سر ٹکا لیا، ارمان نے جو اس کی طرف دیکھا تو اسے اس لڑکی پر بڑا ترس آیا، اس کی آنکھوں سے آنسو اب بھی بہہ رہے تھے، اس نے یکدم گاڑی روک لی۔

''اچھی تم نہ رو، اگر تم چاہتی ہو کہ میں نہ اس سے جھگڑوں تو، یقین کرو، میں کچھ نہیں کروں

گا۔'' اس نے ٹشو اٹھا کر اسے دیا، ایمن نے آنسو پونچھے۔

''تم نہیں جانتے ارمان وہ کتنا خطرناک ہے اور۔۔ اور۔۔۔۔'' ایمن رک گئی بولتے بولتے۔

''مجھے اس سے بہت ڈر لگتا تھا۔''

''ایمن اب سب کچھ بھول جاؤ اور ایک نئے سرے سے زندگی شروع کرو۔'' ارمان کے دل میں امید کے دیپ جلے۔

''نہیں کر سکتی ارمان، پتہ نہیں کیوں؟'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''اچھا آئسکریم تو کھا سکتی ہو، یا وہاں بھی ڈر لگے گا۔'' وہ ہولے سے مسکرایا، ایمن بھی مسکرا دی۔

''ہاں چلو، آئسکریم کھاتے ہیں۔'' ارمان نے گاڑی سٹارٹ کر کے واپس موڑی۔

☆☆☆

وہ دونوں شاپنگ بیگز سے لدے پھندے گھر پہنچے تو سارہ اور نعمان آئے ہوئے تھے، ان کا دو سالہ ننھا منا بیٹا نعمان کی گود میں تھا، ارمان نے جاتے ہی ننھے منے کاشان کو لے لیا۔

''یار۔۔۔۔ یہ تو۔۔۔۔ ہو بہو تیری کاپی ہے۔'' اس نے کاشان کو پیار کرتے ہوئے کہا، شہزاد صاحب انہیں کمپنی دینے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔

''اچھا بھئی بچو، اب تم باتیں کرو۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''مجھے تھوڑا کام ہے۔'' وہ خدا حافظ کہتے ہوئے چلے گئے۔

''نعمان بھائی!'' تب بالکل اچانک ایمن بول پڑی، نعمان ارمان سے باتیں کر رہا تھا، وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''ہاں گڑیا بولو۔'' وہ اسے بالکل ہادیہ کی طرح عزیز تھی، ہادیہ تو اب پردیس جا کر بس گئی تھی۔

''نومی بھائی، آپ کو پتہ ہے ارمان شادی کر رہا ہے۔''

''ہیں۔۔۔۔ شادی۔'' سارہ اور نعمان دونوں چونکے اور دونوں نے مشکوک نظروں سے ارمان کو دیکھا۔

''ہاں۔۔۔۔ شادی۔۔۔۔ اور وہ بھی اپنی پڑوسن سے۔'' ایمن کی آواز، اس کے لہجے میں ارمان کو شکوہ سے محسوس ہوا۔

''اور سارہ۔۔۔۔ یہ جو تم ڈھیر سارے شاپنگ بیگ دیکھ رہی ہو نہ یہ ہم دونوں، ارمان کی دلہن کی شاپنگ کر کے لائے ہیں۔'' سارہ کو پڑوسن کا سن کر بے حد دکھ ہوا۔

''چلو آؤ'' ایمن نے سارہ کا ہاتھ تھاما۔

''اوپر میرے کمرے میں چلو، میں تمہیں سارے ڈریس دکھاتی ہوں۔'' سارہ جو ارمان کو کچھ سخت الفاظ کہنے کا ارادہ کر رہی تھی اس وقت خاموش ہو کر ایمن کے ساتھ شاپنگ بیگز اٹھا کر اوپر چل دی۔

''نومی! کاشان کا دھیان رکھنا، میرا خیال ہے اسے نیند آ رہی ہے، سلا دینا۔'' وہ نومی کو ہدایت دیتی ہوئی اوپر چلی گئی۔

''سارہ! شاید تم بھول رہی ہو کہ ہم طے ہے کہ گھر سے باہر کاشان کو سلانے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔'' نومی نے پیچھے سے آواز دی۔

''ہاں تو یہ بھی گھر ہے۔'' سارہ نے صاف جواب دیا۔

''او ہو لڑتے کیوں ہو، میں سلا دیتا ہوں۔'' ارمان نے جھٹ سے کاشان کو اٹھا کر کندھے

سے لگ گیا، سارہ نے نومی کو انگوٹھا دکھایا اور اوپر بھاگ گئی۔

"اب بتا یار، یہ بھلا کوئی بات ہوئی، پولیس کا اعلیٰ آفیسر، مجرم جس سے ڈرتے ہیں اور بچے کو کندھے سے لگائے سلا رہا ہے۔" نومی نے اتنی بے چارگی سے کہا کہ ارمان کو بے اختیار ہنسی آ گئی، ننھا کاشان واقعی تھک چکا تھا تب ہی ارمان کے شانے سے لگتے لگتے سو گیا۔

"تو چھوڑ ساری باتیں، یہ بتا یہ پڑوسن کا کیا چکر ہے۔" ارمان نے کاشان کو صوفے پر ہی لٹا دیا تو نعمان نے پوچھا۔

"میرا تو خیال تھا کہ تو ایمن کی وجہ سے واپس آیا ہے۔" ارمان کو چپ پا کر وہ دوبارہ بولا۔

"ہاں یار!" ارمان سامنے والے صوفے پر گر گیا۔

"ارادہ تو میرا ابھی یہی تھا، مگر....."

"کیا مگر؟" نومی نے بات کاٹی۔

"اس نے انکار کر دیا۔" نومی چپ ہو گیا۔

"یار اگر تو اور سارہ میرا ساتھ دو تو یہ اب بھی ممکن ہے۔" ارمان نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

"وہ کیسے اور پھر تیری پڑوسن۔" نومی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایک طرف پڑوسن اور دوسری طرف ایمن، ارمان مسکرا دیا، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ اپنا سارا منصوبہ نومی کو بتایا۔

"چل ٹھیک ہے، میں گھر جا کر سارہ کے ساتھ بیٹھ کر بات کرتا ہوں، اللہ کرے تیرا یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے، اچھا اب میری بات غور سے سن۔" ارمان اس کے انداز سے چونکا اور فوراً اٹھ کر نومی کے پاس آ گیا۔

"ہاں بول۔"

"یار بات یہ ہے کہ ایاز ایمن کو چھوڑ کر آرام سے نہیں بیٹھا۔" نومی نے سگریٹ سلگائی اور دوسرا ارمان کے سامنے کیا جسے ارمان نے پیکٹ سے نکال کر لبوں میں پھنسا لیا۔

"پھر۔" ارمان نے پوچھا۔

"پھر یہ کہ....." اس نے لائٹر سے ارمان کی سگریٹ سلگائی۔

"اس کی نظر شہزاد انکل کی جائیداد پر ہے۔"

"تجھے کیسے پتہ؟" ارمان نے ایش ٹرے میں سگریٹ کا ایش جھاڑا۔

"جب تو اچانک گیا تھا، تو انکل بہت اکیلے رہ گئے تھے، میں نے در پردہ ان کے کاروبار پر نظر رکھی اور یار پولیس کی نوکری کے بڑے فائدے ہیں، میں نے اپنے اختیارات کی مدد سے دو بندے فیکٹری میں اعلیٰ عہدوں پر بھرتی کروائے، جن کی مدد سے مجھے اندر کی باتیں معلوم ہوتی رہیں، ایاز نے فیکٹری کے چیدہ چیدہ اہم بندے، خریدنے کی کوشش کی، مقصد صرف انکل کو دیوالیہ کرنا تھا، جب ایاز کے مطالبے پر انکل نے یہ کہا کہ وہ ایمن کا حصہ بالکل نہیں دیں گے بلکہ ٹرسٹ کو اپنی جائیداد دے جائیں گے جس میں سے ایمن کو ہر مہینے صرف جیب خرچ ملے گا، تو ایاز نے آخری حربے کے طور پر اسے رات کے اندھیرے میں طلاق دے کر گھر سے نکال دیا، مقصد یہ تھا کہ شاید بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر شاید انکل کو کوئی ہارٹ اٹیک وغیرہ ہو اور وہ کوئی دوسری چال چل سکے، مگر یار....." اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھائی۔

"انکل نے اثر تو لیا مگر انکل سے زیادہ آنٹی متاثر ہوئیں اور اب میرے آدمیوں نے آج جو اطلاع مجھے دی ہے وہ بہت خطرناک ہے۔"

"وہ کیا؟" ارمان سنبھال کر بیٹھا۔

''یار اس نے یہ سازش تیار کی ہے کہ، وہ کسی فرضی پارٹی کے ذریعے آرڈر دے گا اور آرڈر بہت بڑا ہوگا، ظاہر ہے انکل پکڑ لیں گے، وہ ایک چوتھائی ادائیگی بطور ایڈوانس کرے گا، جب مال بن جائے گا تو پارٹی غائب ہو جائے گی۔'' ارمان اچھل پڑا۔

''ہیں...... پارٹی غائب ہو جائے گی، مطلب......؟''

''مطلب صاف ظاہر ہے، جب باقی ادائیگی نہیں ہوگی تو انکل دیوالیہ ہو جائیں گے، پیمنٹ نہیں ہوگی تو ملازمین کو تنخواہیں نہیں ملیں گی، ٹیکسز ادا نہیں ہوں گے، جو مارکیٹ سے مال اٹھایا ہوا ہوگا اس کی ادائیگی نہیں ہوگی اور انکل بالکل کنگال ہو جائیں گے۔'' نعمان خاموش ہو گیا، ارمان بالکل خاموش تھا، کمرے میں ایک جان لیوا خاموشی تیر رہی تھی۔

☆☆☆

ایمن اور سارہ بیڈ پر ڈریسز پھیلا پھیلا کر دیکھ رہی تھیں، پڑوسن سے شادی کا سن کر سارہ بہت اداس تھی۔

''ویسے ایمن تو نے اچھا نہیں کیا، ارمان بھائی کو انکار کرکے۔'' سارہ نے کپڑے سمیٹتے ہوئے کہا۔

ایمن کی آنکھوں میں یکدم آنسو بھر آئے، نجانے دل کے کسی کونے میں یہ خواہش دبی ہوئی تھی کہ ارمان اس کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔

''ہاں تو، تو یہ بھی تو دیکھ کہ ارمان تو جیسے میرے انکار کے انتظار میں ہی بیٹھا ہوا تھا، ادھر میں نے انکار کیا ادھر فٹافٹ اس نے اپنی پڑوسن کا پلو تھام لیا۔'' ایمن نے آنکھیں پونچھیں۔

''ہائیں۔'' سارہ نے دیدے پٹپٹائے۔

''تو تیرا کیا خیال ہے، ساری زندگی تیری یاد میں آہیں بھرتے رہیں، بے چارے کتنے اچھے ہیں، ان چھ سالوں میں پردیس کاٹتے رہے اور جب وقت آیا، تو...... تو نے ہی انکار کر دیا۔''

سارہ نجانے کیا کیا بولے جا رہی تھی اچانک اس کی نظر ایمن پر پڑی اور وہ بولتے بولتے رک گئی، ایمن بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بے آواز روئے جا رہی تھی، سارہ بے اختیار آگے بڑھی اور ایمن کے پاس بیٹھ گئی۔

''ایمی رو مت۔'' اس نے ایمن کے آنسو صاف کیے، ایمن اس سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''یا اللہ! اس نے اتنی سی عمر میں کتنے دکھ دیکھ لئے ہیں۔'' سارہ کی آنکھیں بھر آئیں، ارمان نے شہزاد صاحب، نعمان اور سارہ کے ساتھ ساتھ اماں رحمہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا، سب ارمان کے ساتھ تھے اور دل سے ایمن کے لئے اچھائی اور بھلائی چاہتے تھے، شہزاد صاحب اگرچہ ارمان کے منصوبے کے آخری حصے سے مطمئن نہیں تھے مگر ارمان نے ساری ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے کر انہیں مطمئن کر دیا۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی، ارمان نے گھر کی تزئین و آرائش نئے سرے سے کروائی تھی، ایمن پر وحشت سی سوار تھی وہ کیسے اس گھر میں ارمان کی بیوی کا سامنا کرے گی اور پھر یہ بات چھپے گی تھوڑی کہ کبھی وہ اور ارمان ایک ہونا چاہتے تھے اور اگر ارمان کی بیوی کو یہ سارا کچھ پتہ چلے گا تو کیا وہ ارمان کو بخشے گی؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ جیسی شک زدہ زندگی اس نے ایاز کے ساتھ گزاری ہے کہیں ارمان بھی ویسی ہی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہو جائے، ایسی ہی منفی سوچیں، دن رات اس پر حاوی رہنے لگیں،

نتیجتاً اس نے اپنے کمرے سے نکلنا ہی چھوڑ دیا، اب وہ تھی اور اس کا کمرہ، شہزاد صاحب، ایمن کو اس حالت میں دیکھ کر تڑپتے تھے مگر ارمان نے انہیں کہا تھا کہ اگر ایمن خود کمرے سے نکلے اور آپ سے ملنے آئے تو ٹھیک ورنہ خود سے اس کے پاس نہیں جائیے گا، لہٰذا وہ مجبور تھے، اب ایمن تھی اور اس کا کمرہ، ارمان اکثر اس کے کمرے میں آتا رہتا تھا، کبھی اپنی ہونے والی بیوی کے ڈریسز دکھانے، جو ٹیلر سے سل کر آئے ہوتے ایسے موقع پر ارمان کے جانے کے بعد ایمن پھوٹ پھوٹ کر روتی، کتنا مشکل تھا، اپنی آنکھوں سے ارمان کو کسی اور کا ہوتے دیکھنا۔

☆☆☆

کمرے میں اے سی کی مخصوص خنکی پھیلی ہوئی تھی، شہزاد صاحب اپنی ٹیبل پر رکھی فائل کا مطالعہ کر رہے تھے جو ان کے مینجر نے آج ہی ان کے حوالے کی تھی، تب ہی چپراسی نے آج کی ڈاک بھی لاکر ان کے سامنے رکھی۔

''بھئی کافی میں کیا دیر ہے؟'' انہوں نے سر جھکائے جھکائے کرم علی سے پوچھا۔

''بس جناب کافی تیار ہے۔'' اس نے مستعدی سے کہا، شہزاد صاحب نے سر ہلایا، چپراسی جاچکا تھا۔

''السلام علیکم ماموں!'' دروازہ کھول کر اچانک ارمان اندر داخل ہوا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ اسے دیکھ کر کھل سے اٹھے۔

''اچھے وقت پر آئے ہو کافی بس آنے ہی والی ہے۔'' انہوں نے فائل بند کردی۔

''آج ادھر کیسے نکل آئے؟'' چپراسی نے اس دوران کافی سرو کردی۔

''بس ماموں! میں نے سوچا اب آپ کو آرام کرنا چاہیے، لہٰذا آج سے میں نے فیکٹری جوائن کرلی۔'' ارمان نے گرما گرم کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

''یہ تو بہت اچھا کیا تم نے، میں تو کب سے یہ چاہتا تھا۔'' شہزاد صاحب کو لگا ایک دم سے وہ جوان ہوگئے ہیں ورنہ پہلے وہ سارے معاملات دیکھتے ہوئے کتنے تھکے تھکے سے لگتے تھے۔

''اور ماموں یہ رہے شادی کارڈز۔'' اس نے ایک خوبصورت سا شاپنگ بیگ ان کی طرف بڑھایا، انہوں نے کھول کر ایک کارڈ پڑھا پڑھ کر بے انتہا خوش ہوئے۔

''میں ان کا کیا کروں۔'' انہوں نے کارڈ واپس لفافے میں رکھا۔

''ماموں! آج سے آپ ریٹائر ہیں۔''

''سچ؟'' شہزاد صاحب بے یقینی سے بولے۔

''جی بالکل۔'' وہ مسکرایا۔

''چلو یار اچھا ہے، تم نے ہمیں بھی فرصت کی خوشخبری سنائی، ورنہ میں تو سوچتا تھا زندگی کے آخری دن بھی اس فیکٹری کے کاموں میں گزریں گے۔'' انہوں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی، ارمان کو اپنے گزشتہ ردعمل پر شرمندگی ہوئی اگر وہ ہمت ہار کر میدان چھوڑ کر نہ بھاگتا اور حوصلے سے سارے مراحل کا سامنا کرتا تو نہ ایمن اجڑ کر واپس گھر آتی، نہ ممانی مفلوج ہوکر بستر سے جالگتیں اور نہ ماموں پر وقت سے پہلے اتنی تھکن اترتی، آہ زندگی کے وہ قیمتی چھ برس کہاں سے لاؤں اور وہ خود کون سا مطمئن رہا ان چھ برسوں میں، کسی روبوٹ کی طرح دل کا غم بھلانے کے لئے دن رات کام میں جتا رہا، کہ شاید وہ بھول پائے، وہ سب کچھ جو بھی اس کی

آنکھوں میں خواب بسے ہوئے تھے، کیسی اذیت تھی ان دنوں میں؟ اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں، بس ایک حوصلے کی ضرورت تھی، ماموں اس کے ساتھ تھے، ایمن ساتھ تھی، پھر نعمان، ہادیہ، سارہ، کتنے سارے سہارے تھے۔

"کہاں کھو گئے صاحبزادے؟" وہ جو خیالوں میں نجانے کہاں تک ابھی اور جاتا کہ شہزاد صاحب کے پکارنے پر حال میں لوٹ آیا، ان کی آواز سن کر اس نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں، شہزاد صاحب اس کے بالکل پاس کھڑے تھے وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا، شہزاد صاحب کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر اس کے دل کی بے چینی اور بڑھ گئی۔

"ماموں آپ رو رہے ہیں؟" اس نے بے اختیار ان کی آنکھیں صاف کیں۔

"اور...... تم کیوں رو رہے ہو؟" شہزاد صاحب نے بھی اس کی آنکھیں صاف کیں تب اسے احساس ہوا کہ اس کی آنکھوں میں بھی نمی تھی۔

"ماموں جان مجھے معاف کر دیجیے۔" ارمان کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہہ نکلے۔

"نہیں میرے بچے۔" انہوں نے اسے لپٹا لیا۔

"تو کیوں ایسے کہتا ہے؟"

"ماموں میں اگر ہمت کر لیتا تو اتنا کچھ نہ ہوتا۔" وہ ان کے کندھے سے لگا لگا بول رہا تھا۔

"نہ ایمن اجڑتی، نہ ممانی پر فالج کا حملہ ہوتا، نہ آپ دل کے مریض بنتے اور...... اور۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"نہیں میرے بچے۔" انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

"اس میں تمہارا کیا قصور، ایسا ہم سب کی قسمت میں لکھا تھا، ایسا تو ہونا ہی تھا اور ارمان اب ایک بات میں تم سے کہنا چاہتا ہوں، بیٹا کیا تم نے راضی خوشی یہ فیصلہ کیا ہے؟"

"ماموں!" وہ تڑپ اٹھا۔

"آپ کو شک ہے کیا؟" اس نے اپنی ہتھیلیوں سے رگڑ کر اپنی آنکھیں صاف کیں۔

"نہیں بیٹا وہ...... دراصل......" وہ نجانے کیا کہنا چاہتے تھے کہ ارمان سے منہ موڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"دراصل بیٹا، پہلے کی بات اور تھی اب......"

"اب کیا ہوا؟" وہ ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹا اب ایمن طلاق یافتہ ہے اور...... پھر...... سب سے بڑی بات۔" وہ کوشش کے باوجود کہہ نہ پائے ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"کہ ایمن بانجھ ہے۔" اس نے ان کی بات مکمل کی، شہزاد صاحب نے کرب سے آنکھیں میچ لیں اور اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں...... ہاں...... ارمان یہ ایک کڑوا سچ ہے، کیا تم جذبات میں آ کر تو نہیں یہ قدم اٹھا رہے، نہیں...... کہیں تم بعد میں پچھتاؤ۔" وہ اب ضبط کے آخری مراحل پر تھے۔

"اگر ایسا ہے ارمان تو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ابھی لوٹ جاؤ، ابھی ایمن کو سنبھالنا میرے لئے آسان ہے لیکن بعد میں اگر کچھ ہوا تو ایمن کا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا میرے اپنے لئے سنبھلنا بہت مشکل ہوگا، کیونکہ مجھے تو ایمن سے بڑھ کر عزیز ہے، ایمن تو بعد میں میری زندگی کا حصہ بنی پہلے تو قدرت نے تجھے میری گود میں ڈالا، میں نہیں چاہتا کہ تو باقی زندگی کسی محرومی کے ساتھ گزارے۔" وہ بات مکمل کرتے کرتے

جیسے ہار سے گئے۔

''ماموں، یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔'' ارمان نے انہیں دونوں شانوں سے تھام لیا۔

''کیا آپ میری چاہت سے واقف نہیں ہیں، اگرچہ آپ ایمن کے باپ ہیں اور مجھے ایسی باتیں آپ کے سامنے نہیں کرنی چاہئیں۔'' اس نے ان کے کندھے چھوڑ دیے۔

''لیکن ماموں مجھے زعم ہے اس بات کا کہ آپ پہلے میرے باپ ہیں، کیا ایک بیٹا اپنے باپ کے سامنے اپنی چاہت کا اظہار نہیں کر سکتا، مجھے اقرار ہے ماموں کے مجھے ایمن سے بچھڑ کر پتہ لگا کہ وہ میرے لئے کیا حیثیت رکھتی ہے وہاں یہ چھ سال میں نے کیسے گزارے ہیں آپ کے بغیر، یہ میں ہی جانتا ہوں اور ایمن، ماموں مجھے تو وہاں جا کر پتہ لگا کہ ایمن تو میری روح کا حصہ ہے، ماموں جان آپ نہیں جانتے میں کتنا پچھتایا ہوں اپنی کم ہمتی پر، ہر وقت یہ خیال میرے اعصاب پر سوار رہتا کہ اگر میں ہمت کرتا تو ایمن کو اپنا سکتا تھا۔''

وہ اس دن بولتا چلا گیا جو کچھ بھی اس کے دل میں درد چھپے تھے وہ انہیں شہزاد صاحب پر عیاں کرتا گیا، شہزاد صاحب دم بخود تھے وہ اپنے ابوظہبی کے حالات انہیں بتا رہا تھا۔

''ماموں جان اٹھتے بیٹھتے مجھے صرف ایک آواز سنائی دیتی تھی، ارمان مجھے بچا لو، ارمان مجھے بچا لو، مجھے ایاز سے ڈر لگتا ہے، کبھی مجھے لگتا ایمن کہیں میرے آس پاس ہے وہ رو رہی ہے، بین ڈال رہی ہے اور ایک ہی آواز کسی کو ڈیالے ناگ کے پھن کی طرح میرے وجود کو بار بار ڈستی رہتی تھی، ارمان مجھے بچا لو، مجھے بچا لو ارمان، مجھے ایاز سے ڈر لگتا ہے، ماموں......'' وہ بات کرتے کرتے اچانک ان کی طرف پلٹا۔

''آپ یقین کریں، میں اپنے آپ کو اتنا مجرم سمجھنے لگا تھا کہ میرا دل خودکشی پر کئی بار آمادہ ہوا، میرے لئے زندگی بے کار تھی، اب مجھے اللہ نے ایک موقع دیا ہے اپنی خوشیاں حاصل کرنے کا، میں ایمن سے کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہو سکتا، چاہے لاکھ دنیا کہے کہ ایمن طلاق یافتہ ہے، بانجھ ہے، مجھے پرواہ نہیں، میرے لئے وہ وہی ایمن ہے جو چھ سال پہلے تھی اور ماموں مجھ پر بھروسہ رکھیں، میں زندگی کے کسی موقع پر آپ کو دکھ نہیں دوں گا۔'' اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

شہزاد صاحب کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا، انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی اور خود سے لپٹا لیا۔

''اب یہ نہ کہیے گا، کہ کتنا بے شرم ہو کر ابوظہبی سے لوٹ کر آیا ہوں جو منہ پھاڑ کر اپنی چاہت کا اظہار کر رہا ہوں۔'' وہ ان سے لپٹے لپٹے شرارتی لہجے میں بولا، انہوں نے اس اور زور سے لپٹا لیا۔

''او یار، تجھے نہیں پتہ تیری اس چاہت کے اظہار نے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے، اللہ نے میری دعائیں سن لی ہیں۔'' وہ مسرور سے لہجے میں بولے۔

''اب یہ بتا کہ یہ کارڈز اب کیا کروں ان کا۔'' ذرا دیر بعد جب جذباتی اثر کم ہوا تو وہ آنکھیں پونچھتے ہوئے بولے۔

''اب آپ کی آج سے فیکٹری سے چھٹی، دوستوں عزیزوں سب کو شادی میں بلائیے، کارڈز آپ نے تقسیم کرنے ہیں اور ماموں اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو یہ پیپر بھی سائن کر دیں تاکہ میں کھل کر کام کر سکوں۔'' اس نے ایک کاغذ ان کو بریف کیس سے نکال کر دیا۔

"یہ کیا ہے؟" انہوں نے قلم اٹھا کر دستخط کر دیے۔

"ماموں دراصل میں نے یہاں کچھ گڑبڑ محسوس کی ہے اور میں کچھ ہنگامی فیصلے کرنا چاہتا ہوں، یہ اتھارٹی پیپر ہے۔" اس نے انہیں مختصر بتایا۔

"او یار تو جو مرضی کر، میں تو آزاد ہوا اس جھنجٹ سے، میں تو اب اپنے پرانے دوستوں سے بھی ملا کروں گا، لیکن آج میں یہ کارڈز بھجواتا ہوں اور ہاں یار مہندی پر خوب ہلہ گلہ ہونا چاہیے، آخر میرے بیٹے کی شادی ہے۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیسے خوشیاں منائیں، ارمان ہنس پڑا۔

"جو آپ کا دل کرے آپ کریں، چاہیں تو بھنگڑا ابھی ڈال لیجیے گا۔" وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

ان کے جانے کے بعد ارمان ان کی کرسی پر بیٹھ گیا اس نے فائل کھول کر اپنے سامنے کر لی، ذرا دیر بعد اس نے گھنٹی بجائی چپڑاسی فوراً ہی آ موجود ہوا۔

"منیجر صاحب کو میرے پاس بھیجیے۔" اس نے کہا۔

"جی جناب!" وہ فوراً واپس پلٹا، ارمان نے فائل کا مطالعہ دوبارہ شروع کر دیا، یہ وہی فائل تھی جس کے بارے میں نعمان نے کہا تھا۔

☆☆☆

مہندی کا دن آ پہنچا تھا، سارے گھر کی سجاوٹ ہو چکی تھی، سارہ کئی بار ایمن کے کمرے میں جا جا کر اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہی تھی۔

"ایمن یار چل ذرا باہر نکل کے دیکھ، سارا گھر کتنا خوبصورت لگ رہا ہے، واؤ، ارمان بھائی نے اپنے شایانِ شان ڈیکوریشن کی ہے، ابھی شام میں جب لائٹس آن ہوں گی تو پھر دیکھنا، یار بڑی خوش قسمت ہے وہ لڑکی جو......"

"سارہ تمہاری بکواس بند ہو گی کہ نہیں۔" ایمن نے بڑے ضبط سے سارہ کی بات کاٹی۔

"یا اللہ! سارہ اچھی طرح میرا حال جانتی ہے پھر بھی۔" اس نے کرب سے سوچا۔

"اچھا میں ذرا کاشان کو دیکھ آؤں۔" سارہ فوراً کھسک لی، مگر وہ ڈھائی گھنٹے کے بعد پھر آ موجود ہوئی، ایمن بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اس نے اپنے بازو آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے اس کے کمرے کی لائٹ بند تھی، سارہ نے کمرے میں جاتے ہی لائٹ آن کی۔

"تو سو رہی ہے۔" سارہ نے پکارا، ایمن نے کروٹ لے لی۔

"ہاں مجھے نیند آ رہی ہے۔" ایمن نے بھیگی بھیگی آواز میں کہا، سارہ کو دکھ ہوا، وہ سمجھ گئی کہ ایمن سے یہ دکھ برداشت نہیں ہو رہا۔

"ایمن قسم سے ارمان بھائی کی ہونے والی دلہن بے حد خوبصورت ہے۔"

"نہیں۔" ایمن نے ایک دم کروٹ بدلی۔

"ارمان کی پڑوسن آ گئی؟" سارہ نے دیکھا ایمن کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، سارہ کا دل کٹ گیا۔

"ایمی تو رو رہی ہے۔" وہ فوراً آگے بڑھی۔

"نہیں تو۔" ایمن نے آنکھیں رگڑیں۔

"ایمن اگر تو کہے تو میں ارمان بھائی سے بات کروں۔"

"ہرگز نہیں، سارہ۔" ایمن اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اور میں رو نہیں رہی، بس طبیعت خراب ہے۔"

''اچھا کھانا لاؤں تیرے لئے۔''
''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ بے زاری سے بولی۔
''اچھا تیار ہو جا، تھوڑی دیر بعد مہندی لے کر نکلنا ہے۔''
''تم لوگ مہندی لے کر جا رہے ہو؟'' وہ حیران ہوئی۔
''ہاں تو اور کیا، دو گلیاں چھوڑ کر ارمان بھائی کے چچا سسر کا بنگلہ ہے۔'' تب ہی کمرے میں مہندی لگانے کے لئے ایک پیاری سی لڑکی آ گئی۔
''چلیے میم مہندی لگوایئے۔'' اس نے دونوں سے کہا۔
''ارے ہاں ہاں کیوں نہیں، چل ایمی لگوا لے، پھر مہندی کی تیاریاں کریں۔'' سارہ کے کہنے پر ایمن نے نفی میں سر ہلایا۔
''نہیں میری طبیعت خراب ہے، مجھے مہندی نہیں لگوانی۔'' لڑکی سارہ کو مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔
''ارے ٹینا پہلے مجھے لگا دو، پھر ایمی کو لگا لینا۔'' سارہ فوراً آگے بڑھی، ٹینا نے اثبات میں سر ہلایا اور ایمن کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی اور چند منٹوں میں اس نے سارہ کے ہاتھ گل بوٹوں سے بھر دیے۔
''لایئے میم ہاتھ دیجئے۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر ایمن کا ہاتھ تھامنا چاہا، مگر ایمن نے ہاتھ کھینچ لیا۔
''تم نے سنا نہیں کہ مجھے نہیں لگوانی مہندی۔'' اس نے ایمن کا ہاتھ دوبارہ تھامنا چاہا تو ایمن درشت انداز میں چیخ پڑی۔
''کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' تب ہی اچانک ارمان اندر آ گیا، سارہ باہر چلی گئی۔

''وہ سر...... دراصل میم مہندی نہیں لگوا رہیں۔''
''ارے ایمن کیوں بھئی؟'' وہ جوتے اتار کر بیڈ پر آ بیٹھا، ایمن ہڑبڑا گئی۔
''ہاں وہ میری طبیعت خراب ہے۔''
''اور باہر میری مہندی جانے کے لئے تیار ہے اور تمہارے نخرے نہیں ختم ہو رہے۔'' وہ تاسف سے بولا۔
''لاؤ ٹینا، میں خود لگاتا ہوں۔'' اس نے ٹینا سے مہندی لی اور دوسرے ہاتھ سے ایمن کا ہاتھ تھام لیا، ایمن نے ہاتھ کھینچنا چاہا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی، ٹینا نے ارمان سے مہندی لے کر جلدی جلدی لگانی شروع کی، ایمن بے بس ہو گئی، اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔
ٹینا نے بڑی مہارت سے اس کے دونوں ہاتھوں پر جھٹ پٹ مہندی لگا دی۔
''تھینک یو ٹینا۔'' ارمان نے ممنونیت سے کہا، ٹینا مسکراتی ہوئی چلی گئی۔
''چلو ایمی تیار ہو جاؤ، چلنا نہیں ہے۔''
''نہیں ارمان دراصل میری طبیعت خراب ہے۔'' ایمن نے نظریں چرائیں۔
''اور وہاں مہندی لگانے کی رسم کون کرے گا۔'' ارمان نے مسکراہٹ دبائی، ایمن چپ رہی اور سر جھکائے اپنی مہندی کو دیکھتی رہی، ارمان اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
''ایمن اقرار کیوں نہیں کرتیں کہ مجھ کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' وہ سوچ کر رہ گیا، تب ہی سارہ واپس آ گئی۔
''ایمن کب تک اپنے خول میں بند رہو گی۔'' وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔
''کب اپنے اردگرد والوں کا احساس کرو گی۔''

"مجھے سب کا احساس ہے۔" وہ منمنائی، مگر ارمان نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"اپنے ہی حالوں میں مگن ہو، تم ہو اور تمہارا کمرہ ہے میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی کا اتنا بڑا موقع ہے، تم اس موقع پر میرے ساتھ ساتھ رہو، آخر کو اکلوتی کزن ہو، مگر تم نے تو اپنی ہی دنیا بسائی ہوئی ہے، نہ تمہیں ممانی کی فکر ہے نہ ماموں کا احساس، اتنے دن ہو گئے ہیں انہیں بیمار ہوئے اور ایک تم ہو کہ ایک بار بھی انہیں نہیں دیکھا، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے تمہیں اپنا بھی پتا نہیں کہ ابھی بھی ان کی طبیعت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ ڈاکٹر نے گھر آ کر انجکشن لگائے تب کہیں جا کر ان کے بے قرار دل کو قرار ملا۔" وہ اس کی طرف سے منہ موڑے کھڑا تھا۔

"ایمن بیگم اس گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے۔" ایمن تڑپ کر کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے پاپا کو؟" وہ بے قرار ہو کر دروازے کی طرف بڑھی سارہ نے آگے بڑھ کر جلدی سے اسے روکا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے احسان کرنے کی۔" ارمان دروازے کی طرف بڑھا۔

"سارہ انہیں بتا دیں کہ ماموں کو ڈسٹرب کرنے وہاں نہ پہنچ جائیں، وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہے ہیں۔" ارمان جا چکا تھا، وہ دروازے کو کتنی دیر تک دیکھتی رہی، ہوش آیا تو سارہ کی طرف مڑی۔

"سارہ پاپا کو کیا ہوا ہے؟ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" ایمن کی آنکھیں پھر گرم پانیوں سے بھر گئیں۔

"ایمن مجھے لگتا ہے کہ جیسے تجھے ارمان بھائی کی شادی کا غم ہے۔" ایمن نے گھور کر اسے دیکھا۔

"اگرچہ تو اس بات کا اقرار نہیں کرتی، مگر حقیقت تو یہی ہے۔" سارہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"تو..... تو برداشت کر رہی ہے انکل سے برداشت نہیں ہوا، انہوں نے یہ صدمہ دل پر لے لیا ہے، ہائے ایمن۔" سارہ ارمان کا سکرپٹ بول رہی تھی۔

"انکل نے کتنا چاہا کہ تو ارمان بھائی کے لئے ہاں کر دے مگر نہ جی تیرے تو اپنی ہی مسئلے ہیں، ادھر ارمان بھائی نے اپنی پڑوسن سے شادی طے کی ادھر انکل کے دل نے زبردست اثر لیا، تو کیسی بیٹی ہے، اولاد تو ماں باپ کے لئے جان قربان کر دیتی ہے اور تو، اچھا خیر چھوڑ، میں چلتی ہوں اور ہاں تُو انکل کے روم میں نہ جانا، ڈاکٹر نے بڑی سختی سے منع کی ہے کہ انہیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے، کبھی تو ان کے روم میں پہنچ کے رونا دھونا مچا دے اور ان کا درد اور بڑھ جائے۔" سارہ جا چکی تھی، ایمن تنہا کھڑی رہ گئی۔

"یہ کیا ہو گیا میرے اللہ۔" وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔

"پاپا کو کیا ہو گیا؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، نجانے دل میں کتنا غبار بھرا ہوا تھا، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، اللہ جانے کتنا وقت گزرا اور اسے پتہ بھی نہیں چلا وہ وہیں کارپٹ پر پڑے پڑے سو گئی، نجانے کتنی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی وہ کچھ دیر تو گم صم سی پڑی رہی پھر جب حواس بحال ہوئے تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، باہر زوردار ہنگامے کی آواز تھی، ڈھول بج رہے تھے۔

"شاید کہیں آس پاس ہی کوئی شادی ہو۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے۔" یکایک وہ چونکی۔

''شادی تو گھر میں ہی ہے۔'' اچانک وہ اداس ہو گئی، جب یاد آیا کہ شادی تو ارمان کی ہے، دل پھر اداسیوں سے بھر گیا، وہ بیڈ پر جا کر لیٹ گئی، تب ہی اسے کچھ خیال آیا۔

''ارے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''پاپا کی اتنی زیادہ طبیعت خراب ہے اور یہ ارمان ابھی کہہ رہا تھا کہ وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہے ہیں اور خود ان کے سرہانے ڈھول پیٹ رہا ہے۔'' وہ کچھ دیر تک بیٹھی رہی، تب ہی اماں رحمہ دروازہ کھول کر اندر آ گئیں، ان کے ہاتھ میں پانی کا بھرا جگ تھا۔

''اماں رحمہ۔'' وہ تیزی سے اٹھی۔

''یہ کیسا شور ہے؟''

''وہ جی۔'' اماں رحمہ ہکلائیں۔

''ایمن بی بی وہ ارمان صاحب کی مہندی......''

''کیا؟'' وہ غصے سے چلائی۔

''ارمان کو نہیں پتہ کہ پاپا کی طبیعت کتنی خراب ہے، ڈاکٹر نے انہیں آرام کا مشورہ دیا ہے اور ارمان کیسا ڈھول پٹوا رہا ہے، مجھے لگتا ہے پاپا کہیں جاگ نہ گئے ہوں، ہائے اللہ میرے پاپا، کے کہیں پھر نہ درد ہو رہا ہو، میں خود جا کر دیکھتی ہوں۔'' وہ غصے میں دروازے کی طرف بڑھی، اماں رحمہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

''لیکن بی بی جی۔'' انہوں نے اس کا بازو تھاما۔

''اس حلیے میں جاؤ گی صاحب جی کے سامنے، یہ بکھرے بال، مرجھایا ہوا چہرہ، شکن آلود کپڑے، ایسے حلیے میں آپ کو بڑے صاحب نے دیکھا تو اگر ٹھیک بھی ہوں گے تو بیمار ہو جائیں گے۔''

''پھر۔'' ایمن جو دروازے تک پہنچ گئی تھی ہڑبڑا کر رک گئی۔

''پھر اماں۔'' وہ بے اختیار ان کی طرف پلٹی۔

''پھر یہ میری سونہری دھی کوئی منہ ہاتھ دھو، کپڑے بدلو، بال بناؤ، پھر بڑے صاحب کے پاس چلی جانا۔''

''کپڑے کیا بدلنا، بس ٹھیک ہی ہیں، بس میں منہ ہاتھ دھو لیتی ہوں اور بالوں میں برش کر لوں۔'' وہ جلدی سے واش روم میں گھس گئی، اماں رحمہ نے تیزی سے باہر کی راہ لی، سیڑھیاں اترتے ہی سارہ مل گئی وہ اوپر آ رہی تھی اماں رحمہ نے جلدی جلدی ساری صورتحال اسے بتائی۔

''سنبھالو...... سارہ بی بی، جلدی کرو۔'' سارہ الٹے قدموں بھاگی۔

رنگ برنگی روشنیوں سے ساری کوٹھی جگمگا رہی تھی، ایسی رونق تو ایمن کی شادی پر بھی نہیں تھی ''شہزاد ولا'' میں خوشیوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے، ارمان اور نعمان نے نجانے کون کون سے پرانے دوستوں کو اکٹھا کر رکھا تھا، ڈھول کی تھاپ نے سماں باندھ رکھا تھا، مجمع اس وقت بے قابو ہوا جب نعمان نے بھنگڑا ڈالتے ڈالتے ارمان کو بھی کھینچ لیا، پھر سارے دوستوں نے مل کر بھنگڑا ڈالا، بھنگڑا اپنے عروج پر تھا جب سارہ ہانپتی کانپتی وہاں پہنچی اور نعمان کو بازو سے پکڑ کر کھینچ کر نکالا، نعمان کا حال سے بے حال ہوا تھا، سارہ نے جلدی جلدی اسے ساری بات بتائی اسے پہلے تو سمجھ ہی نہیں آئی، تب ہی سارہ نے دوبارہ چیخ کر بتایا مگر نعمان کا سانس اتنی بری طرح پھولا ہوا تھا کہ اسے لگا کہ سارہ نجانے کیا الٹا سیدھا بول رہی ہے، جب اس نے تیسری بار پوچھا تو سارہ کا غصے کے مارے برا حال ہو گیا۔

''ایمن، انکل کے کمرے میں جا رہی ہے

ان کا پتہ کرنے۔'' اب کے وہ پوری طاقت سے چلائی، بات سمجھ آتے ہی وہ بوکھلا گیا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور بھنگڑا ڈالنے والوں کے گھیرے میں گھس گیا، بھنگڑا فل عروج پر تھا، ارمان اور سارے دوست ڈھول کی تھاپ پر محو رقص تھے تب ہی نعمان نے ارمان کو بازو سے دبوچا اور گھسیٹ کر گھیرے سے باہر لے آیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ پھولے ہوئے سانس میں بولا۔

''یار ایمن، انکل کو دیکھنے ان کے کمرے میں جا رہی ہے۔'' وہ چیخ کر بولا۔

''اچھا تو کیا کروں۔'' ارمان کا حال خراب ہو رہا تھا۔

''ابے ڈفر، ایمن ایمن۔'' نعمان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ارمان کا گلا دبا دے۔

''ہاں...... ہاں وہی پوچھ رہا ہوں۔'' ارمان وہیں پڑی کرسی پر گر سا گیا۔

''کیا ہوا ایمن کو؟'' اس کا سانس ابھی تک بحال نہیں ہوا تھا، نعمان کا دل چاہا اپنے بال نوچ لے۔

''ابے گھامڑ۔'' وہ چلایا۔

''ایمن انکل کے کمرے میں جا رہی ہے اور انکل کمرے میں نہیں ہیں۔'' ارمان کے کچھ کچھ حواس کام کرنا شروع ہوئے۔

''ہیں۔'' ارمان بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ایمن...... وہاں جا رہی ہے اور تو یہاں کھڑا ہے۔'' ارمان چلایا۔

''ابے جلدی کر ماموں کو ڈھونڈ...... سارہ۔'' اس نے پاس کھڑی پریشان سارہ کو دیکھا۔

''تم فٹافٹ ایمن تک پہنچو، اسے بس کچھ دیر تک کے لئے اوپر اس کے کمرے میں باتوں میں لگا لو، میں اور نومی کچھ کرتے ہیں، چل میری بہن، بھاگ نومی۔'' وہ دونوں تیر کی طرح سے مخالف سمت میں بھاگے۔

لان لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، وہ دونوں شہزاد صاحب کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے، آخر شہزاد صاحب کچھ کاروباری دوستوں کے حلقے میں نظر آ گئے، وہ دونوں چیل کی طرح جھپٹے۔

''ایکسیوزمی!'' ارمان کو اچانک احساس ہوا کہ وہ اپنے دوستوں میں کھڑے تھے تو معذرت کرتے ہوئے انہیں وہاں سے لے کر بھاگے، وہ پوچھتے جا رہے تھے ارمان انہیں بھگاتا لے جا رہا تھا راستے میں اس نے جلدی جلدی ساری صورتحال بتائی وہ بھی گھبرا گئے نومی آگے بھاگ گیا اپنے جلدی سے برآمدے سے گزر کر کچن کا دروازہ کھولا، ارمان انہیں لے کر جلدی سے گھر میں داخل ہوا، شارٹ کٹ راستے سے وہ ایمن سے پہلے شہزاد صاحب کے کمرے میں پہنچ گئے، تب ہی سارہ بھاگتی ہوئی آئی۔

''ارمان بھائی جلدی کریں، وہ آنے والی ہے۔'' وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولی، ارمان کے ہاتھ پیر پھول گئے، اس نے جلدی سے نعمان کو بھگایا۔

''نومی یار، اسے تھوڑی دیر بھگت لے، بس دو منٹ سیڑھیوں میں باتوں میں لگا لے۔'' نعمان فوراً بھاگ گیا۔

''ماموں جلدی لیٹیں۔'' شہزاد صاحب جلدی سے لیٹ گئے، سارہ نے جھٹ پٹ الماری کھول کر چادر نکالی۔

''یار ایمی آ گئی۔'' نومی نے دروازے کے اندر منہ دے کر آواز لگائی، تب ہی ارمان کی نظر شہزاد صاحب کے جوتوں پر پڑی، وہ جوتے اتارنے آگے بڑھا ہی تھا کہ نومی کی آواز سن کر

ارادہ ملتوی کر دیا سارہ نے جلدی سے چادر کھول کر ان پر پھیلائی۔

''ارمان بھائی! چادر سے پاؤں ڈھک دیں۔'' ارمان نے ایسا ہی کیا۔

''اب چلیں چھپ جائیں۔'' سارہ چلائی، ارمان نے اِدھر اُدھر دیکھا، چھپنے کی کوئی جگہ نظر نہ آئی تو جھٹ پردے کے پیچھے چھپ گیا، تب ہی ایمن کمرے میں داخل ہوئی، ارمان کی نظر اچانک شہزاد صاحب کی عینک پر پڑی، ان کی آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا ہوا تھا، اس نے بے اختیار سارہ کو اشارہ کیا، سارہ، شہزاد صاحب کے بیڈ کے بالکل پیچھے پردے کے پیچھے چھپی تھی، ایمن افسردہ سی شہزاد صاحب کی طرف بڑھی۔

''پاپا کی طبیعت کیسی ہے اب؟'' ایمن بے دھیانی سے آگے بڑھی۔

''بھلا میں کتنی بے وقوف ہوں، پاپا گہری نیند سو رہے ہیں اور میں پاپا سے طبیعت کا پوچھ رہی ہوں۔'' ایمن وہاں پاس ہی پڑی کرسی پر آ بیٹھی۔

''مجھے معاف کر دیں پاپا، آپ کی طبیعت کی خرابی کی ذمہ دار میں ہوں۔'' وہ رو رہی تھی۔

''سارہ کہہ رہی تھی کہ ارمان سے شادی سے جو میں نے انکار کیا ہے اسے آپ نے دل پر لے لیا ہے۔'' کمرے میں کچھ دیر اس کی سسکیاں گونجتی رہیں، ارمان، سارہ اور شہزاد صاحب تینوں اپنی اپنی جگہ ایمن کے لئے دکھ محسوس کر رہے تھے، ایمن یکایک اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی، ارمان نے جو ایمن کو دور جاتے دیکھا تو جلدی سے پردے کی اوٹ سے سارہ کو شہزاد صاحب کی آنکھوں پر سے عینک اتارنے کا اشارہ کیا، ارمان نے جو سارہ کو بتانے کے لئے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو سارہ بھی سمجھ گئی کہ اس کی آنکھوں کا میک اپ خراب ہو گیا ہے وہ جلدی سے ہاتھ میں دبا ٹشو پکڑ کر اپنی آنکھوں کو صاف کرنے لگی، ارمان کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے اس نے زور سے اپنے سر پر ہاتھ مارا، سارہ نے جو یہ دیکھا تو اشارے سے پوچھنے لگی۔

''کیا کروں۔'' ارمان نے آنکھوں کے گرد گول گول دائرے بنائے تب سارہ کی سمجھ میں بات آئی اس نے بے اختیار شہزاد صاحب کی طرف دیکھا اور جھٹ سے پردے کی اوٹ سے ہاتھ بڑھا کر شہزاد صاحب کی عینک کھینچ لی، شہزاد صاحب اس اچانک افتاد کے لئے تیار نہیں تھے بے اختیار کسمسا گئے اور ان کے منہ سے سسکی سی نکل گئی، ایمن آواز سنتے ہی بے اختیار واپس پلٹی۔

''کیا ہوا پاپا؟'' شہزاد صاحب چپکے پڑے رہے۔

''ارے آپ کی عینک کہاں گئی۔'' ایمن چونک اٹھی۔

''ابھی تو میرا خیال تھا کہ۔'' وہ بڑبڑائی، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''شاید مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس نے گہری سانس لی، وہ کرسی پر گر سی گئی۔

''پاپا آپ نے دیکھا ارمان کو۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

''ادھر آپ کی طبیعت خراب ہے اور ادھر یہ کیسے خوشیاں منا رہا ہے، کیسے ڈھول پٹوا رہا ہے۔''

''پاپا ارمان بدل گیا ہے نہ۔'' وہ کچھ دیر بعد بولی۔

''آپ کے بغیر...... میرے بغیر...... وہ کیسے اپنی خوشیاں منا رہا ہے۔'' ایمن کی آواز میں

نمی گھل گئی۔

''لیکن پاپا، آپ فکر نہ کریں ارمان ضرور بدلا ہے، لیکن میں نہیں، میں آپ کا سہارا ہوں گی، آپ بس ٹھیک ہو جائیں، میں آپ کے ساتھ آفس بھی جایا کروں گی، ٹھیک ہے نہ پاپا۔''

وہ ان کے پیروں کی طرف بڑھی ارمان اور سارہ کی جان نکل گئی۔

''پاپا میں شرمندہ ہوں اپنے اب تک کے رویے پر، مجھے معاف کر دینا۔'' اس نے ان کے پیروں کی طرف ہاتھ بڑھایا، شہزاد صاحب نے جوتے پہنے ہوئے تھے، اب بھانڈا پھوٹا، سارہ اور ارمان نے اپنی اپنی جگہ آنکھیں میچ لیں۔

''ارے گڑیا، یہاں کیا کر رہی ہو؟'' تب ہی نومی کی آواز نے پانسا پلٹ دیا، وہ بھی شاید باہر دروازے سے لگا سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

''وہ... نومی بھائی...... دراصل......''

ایمن کے بولنے سے پہلے ہی نومی بول پڑا۔

''ایمی! انکل ٹھیک ہیں، بس سو رہے ہیں، تم صبح ان سے ملنے آ جانا، ٹھیک ہے چلو آؤ، میں تمہیں، تمہارے کمرے تک چھوڑ کر آؤں، تمہاری طبیعت بھی مجھے خراب لگ رہی ہے۔''

نومی اسے سمجھا بجھا کر باہر کی طرف لے کر گیا، جاتے جاتے دروازہ بند کر گیا، دروازہ بند ہوتے ہی شہزاد صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور سارہ اور ارمان پردوں کے پیچھے سے نکل آئے، دونوں کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

''عینک۔'' شہزاد صاحب بھی مسکراہٹ کو دبا کر بولے، سارہ نے عینک انہیں دی۔

ذرا دیر بعد دروازہ کھول کر نومی اندر آیا اور دروازہ بند کر دیا، کچھ دیر تک وہ ارمان کو گھورتا رہا پھر دونوں کے حلق سے فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا، سارہ اور شہزاد صاحب بھی قہقہوں کے طوفان میں شریک ہو گئے۔

''ایمی۔'' ارمان دروازہ کھول کر آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا، ایمن ایزی چیئر پر بیٹھی تھی۔

''کل تمہاری غیر حاضری میں نے مہندی میں برداشت کر لی، لیکن آج ہرگز نہیں۔'' وہ سیدھا اس کی طرف بڑھا، پیچھے پیچھے سارہ بھی تھی۔

''آج اگر تم نہ ہوئیں تو لوگ کیا کہیں گے۔'' وہ بات کرتے کرتے سارہ کی طرف بڑا، سارہ تو جیسے ہوم ورک کر کے بیٹھی تھی۔

''کہیں گے کیا ارمان بھائی، یہی کہیں گے کہ دولہا کی اکلوتی کزن اور وہ بھی شادی سے ایسے غائب ہوئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔'' پھر ایمن منمناتی رہی، اس نے لاکھ دامن بچایا مگر ارمان نے ایک نہ سنی اور سارہ کے ساتھ اسے بیوٹی پارلر بھیج کر دم لیا۔

☆☆☆

''بارات چلنے میں کتنی دیر ہے سارہ۔'' ایمن نے متعدد مرتبہ پوچھا گیا سوال پھر دہرایا تو سارہ زچ آ گئی۔

''یار چلنی ہو گی بارات تو چل پڑے گی تو نے تو مجھے پاگل کر دیا ہے۔'' دونوں تیار ہو کر کمرے میں بیٹھیں تھیں، ایمن کو اس طرح بیٹھنا کھل رہا تھا۔

''ارے تو بابا پتہ کر جا کر بارات کیوں لیٹ ہو رہی ہے، مجھے الجھن ہو رہی ہے اتنی تیاری سے۔'' ایمن جھنجھلائی۔

''اچھا بابا کرتی ہوں پتہ۔'' سارہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی، ابھی اس نے دروازہ کھولنا چاہا ہی تھا کہ باہر سے دروازہ کھلنے کی وجہ سے وہ رک گئی، ارمان، فاخرہ بیگم کی وہیل چیئر کو

دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا، ایمن فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔

''امی!'' وہ بے اختیار جھک کر ان کے گلے سے جا لگی، ارمان واپس جا چکا تھا۔

''سارہ دیکھو امی کتنی کمزور ہو گئی ہیں۔'' وہ محبت سے انہیں دیکھ رہی تھی، فاخرہ بیگم کی گردن ان کے شانے کے ساتھ لگی تھی، وہ نم آنکھوں سے ایمن کو دیکھ رہی تھیں، ایمن کا دل دکھ سے لبریز تھا، یہی عورت کیسے کروفر سے زندگی گزارتی تھی مگر اب، قسمت کیا عجیب چیز ہے، ایمن نے کرب سے سوچا، تب ہی دروازہ کھلا ایمن نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، نعمان تھا، ایمن اٹھ کھڑی ہوئی، نعمان کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی تھے، ایمن ایک طرف ہو گئی، نعمان نے آگے بڑھ کر ایمن کا ہاتھ تھاما اور صوفے کی طرف بڑھ گیا۔

''ادھر آؤ، یہاں بیٹھو۔'' اس نے اسے صوفے پر بٹھایا، ایمن ہکا بکا تھی۔

''سارہ!'' نعمان نے سارہ کو پکارا، سارہ فوراً ایک شاپنگ بیگ لے کر آگے بڑھ آئی۔

''ایمی تم مجھے اپنا بھائی سمجھتی ہو نہ۔'' نومی اس کی آنکھوں میں مچلتے سوالوں کو پڑھتے ہوئے بولا۔

''بولو، میں ہوں نہ تمہارا بھائی۔'' ایمن کو خاموشی سے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ دوبارہ پوچھ رہا تھا، ایمن کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں، اس نے اثبات میں سر ہلایا، نومی نے گہرا سانس لیا۔

''بس پھر تمہارا یہ بھائی تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہے۔'' اس نے شاپنگ بیگ کا منہ کھول کر اس میں سے سرخ رنگ کا زرتار دوپٹہ نکالا، ایمن نے بے حد حیرانی سے اسے دیکھا، نومی نے دوپٹہ نکال کر کھولا اور اسے اس کے سر پر پھیلا دیا۔

''اور یہی ہم سب کی خواہش ہے، ذرا دیکھو، آنٹی بھی یہی چاہتی ہیں۔'' ایمن نے بے اختیار فاخرہ بیگم کی طرف دیکھا ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، وہ ہی تو اس گھر میں ارمان کی سب سے بڑی دشمن تھیں اور اب انہوں نے بڑی مشکلوں سے سر ہلایا۔

''آیئے قاضی صاحب۔'' نعمان نے کمرے میں موجود لوگوں میں سے ایک کو مخاطب کیا اور ایک باریش شخص فوراً آگے بڑھ آیا، انہوں نے رجسٹر کھول لیا۔

''ایمن شہزاد، بنت شہزاد علی کیا تمہیں ارمان احمد ولد شایان احمد سے بعوض پانچ لاکھ روپیہ سکہ رائج الوقت نکاح قبول ہے۔'' ایمن ہکا بکا تھا اس نے ساتھ بیٹھی سارہ کو دیکھا سارہ نے سر ہلا کر اشارہ کیا وہ یکے بعد دیگرے سب کو دیکھتی رہی آخر میں اس کی نظر شہزاد صاحب پر پڑی، ان کی رنگت زرد ہو رہی تھی، ان کی نظریں زمین پر گڑی ہوئی تھیں، وہ اسی لمحے سے ڈر رہے تھے، انہوں نے ارمان کو بہت کہا تھا کہ ایسا ڈرامہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ ایمن عین وقت پر انکار کر دے گی مگر ارمان نے اس بات کو نہیں مانا تھا۔

''اب کیا ہوگا؟'' ایمن کی مسلسل خاموشی سے انہیں وحشت ہو رہی تھی، اتنے لوگوں میں جگ ہنسائی ہو گی، ایمن کی نظر ان پر مسلسل تھی، وہ ان کی جھکی نظریں دیکھ کر رو رہی تھی، اس دوران قاضی صاحب دوبارہ الفاظ دہرا چکے تھے۔

''کاش زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔'' شہزاد صاحب ایمن کی مسلسل خاموشی سے عاجز آ کر دعا کرنے لگے۔

''جی قاضی صاحب۔'' تب ہی ان کی

سماعتوں میں ایمن کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز گونجی، انہوں نے بے اختیار زمین سے نظریں اٹھائیں اور ایمن کو دیکھا وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

''مجھے...... ارمان احمد سے...... نکاح...... قبول ہے۔'' وہ رک رک کر بول رہی تھی، شہزاد صاحب کے سینے میں اٹکی ہوئی سانس بے ساختہ بحال ہوئی، وہ بے اختیار آگے بڑھے اور ایمن کو اپنے سینے سے لگالیا۔

☆☆☆

''تم سب نے میرے ساتھ ڈرامہ کیا۔'' ایمن خطرناک تیوروں کے ساتھ سارہ کے سامنے کھڑی تھی، نکاح ہو چکا تھا۔

''تو اور کیا؟'' سارہ نے جیسے چٹخارہ لیا۔

''تو ٹھہری الٹی کھوپڑی، مجال ہے جو کوئی بات سیدھی طرح سے تیری سمجھ میں آجائے۔'' سارہ بات کرتے کرتے جیسے ہی نزدیک آئی ایمن نے پاس پڑا ہوا کشن اٹھا کر اسے دے مارا، سارہ نے قہقہہ مارا۔

''پھر ہم سب نے سوچا کہ بے چارے ارمان بھائی کا کیا قصور، اور تو اور ہم نے تو مہندی پر خوب ہلا گلہ کیا اور میں نے تو تیری بہن بن کر مہندی لگوائی پتہ ہے کتنی لی۔''

''کتنی؟''

''پورے ایک لاکھ روپے۔'' سارہ نے فخر سے بتایا۔

''ہیں ایک لاکھ۔'' ایمن حق دق تھی۔

''تو اور کیا، اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑ دیتی، نومی نے میرا بھرپور ساتھ دیا اور انکل نے بھی میری سفارش کی۔''

''پاپا نے۔'' وہ بے یقینی سے بولی۔

''لیکن پاپا تو رات کو......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی، سارہ نے مسکرا کر اس کے خیال کی تصدیق کی۔

''تو کیا پاپا بھی اس سارے ڈرامے میں شریک تھے۔'' اسے بے اختیار رات کا واقعہ یاد آگیا، جب وہ شہزاد صاحب کی خیریت معلوم کرنے گئی تھی، اب وہ کڑیاں جوڑ رہی تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ ٹھیک ٹھاک بے وقوف بن گئی ہے۔

''ارمان!'' اس نے مٹھیاں بھینچیں۔

☆☆☆

مہمان جا چکے تھے، ایمن کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کیسے سب نے اسے بے وقوف بنایا، اسے شہزاد صاحب پر بھی غصہ تھا اور اس نے سوچ لیا تھا سب کی خوب خبر لے گی مگر یہ کیا، مہمانوں کے جانے کے بعد اس کے کمرے میں پہلے شہزاد صاحب داخل ہوئے ان کے پیچھے پیچھے نومی، سارہ اور سب سے آخر میں ارمان تھا، ذرا دیر بعد ہی اماں رحمہ بھی اندر آ گئی، ان سب کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے سفید پرچم تھے، ایمن کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی لیکن وہ بظاہر غصے سے تنی کھڑی تھی۔

''ایمن بی بی، یہ صلح اور امن کا جھنڈا ہے۔'' ارمان نے شہزاد صاحب کے پیچھے سے تھوڑا آگے جھانکتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہوں۔'' ایمن نے غصے سے کہا۔

''لیکن یہ وہاں لہرایا جاتا ہے جہاں صلح اور امن مطلوب ہو، مگر مجھے کسی سے کوئی صلح نہیں کرنی۔'' وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''سوری۔'' تب ہی وہ سب کورس میں پکارے، وہ جو ناراض کھڑی تھی یکدم ان کی طرف مڑ گئی۔

''میں آپ سب کو......'' اس نے ابھی کچھ

کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ سب پھر کورس میں پکارے۔

''سوری۔''

''پاپا آپ بھی۔'' وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

☆☆☆

ارمان نے فیکٹری کا چارج جب سے سنبھالا تھا اس نے پوری فیکٹری پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی، نعمان کے دو جاسوسوں کی مدد سے اس نے پوری فیکٹری کے ورکرز کی لسٹ بنائی تھی اور اس میں سے ایاز کے لئے کام کرنے والے ورکرز کو الگ کر لیا تھا اور فیکٹری خسارے کا جواز بنا کر ان ورکرز کو فیکٹری سے فارغ کر دیا تھا، البتہ ارمان نے ان کو دو دو ماہ کی ایڈوانس سیلری دے کر رخصت کیا تھا، ورکرز کو فارغ کرنے کی خبر کو ایاز کے ایماء پر ہڑتال کا جواز بنایا گیا اور مزدوروں کو بھڑکایا گیا کہ یہ ناجائز ہے، مزدور کے حقوق پر مالکان کا ڈاکہ ہے، ارمان نے ایسے موقعے پر بونس کا اعلان کر کے تمام مزدوروں کو اپنے حق میں کر لیا اور وہ لوگ جو انتشار کا باعث تھے، ان کی ساری تدبیریں فلاپ ہو گئیں، تمام ورکرز جانفشانی سے کام میں مصروف ہو گئے، ارمان اور نعمان مطمئن تھے۔

☆☆☆

ایاز بہت پریشان تھا، ساری تدبیریں الٹی ہو گئی تھیں، اس نے تو ایمن کو طلاق اس لئے دی تھی کہ شہزاد صاحب نے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ایمن کے نام کوئی پھوٹی کوڑی تک نہیں کریں گے جبکہ ایاز کو نظر آ رہا تھا کہ ارمان کے ملک سے جانے کے بعد شہزاد صاحب اکیلے ہو گئے تھے، لہٰذا اس نے ایمن کو طلاق دے کر اسی لئے بھیجا تھا کہ شاید شہزاد صاحب زیادہ اثر لے لیں اور ہارٹ اٹیک وغیرہ کی وجہ سے حالات اس کے حق میں ہو جائیں، مگر اس کی توقع کے برعکس ہوا سب کچھ، شہزاد صاحب نے ایاز سے جان چھوٹنے پر سکون کا سانس لیا البتہ فاخرہ بیگم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئیں اور فالج کا اٹیک انہیں معذوری کا شکار کر گیا اور ارمان کے واپس آتے ہی ساری رہی سہی کسر پوری کر دی، وہ تو فیکٹری پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا، اس کی پلاننگ ہی ایسی تھی کہ بڑا آرڈر شہزاد صاحب پکڑ لیتے مگر ادائیگی کے وقت پارٹی غائب ہو جاتی شہزاد صاحب بروقت ادائیگیاں نہ کر پاتے اور دیوالیہ ہو جاتے ایسے میں وہ فیکٹری اونے پونے داموں خرید لیتا، مگر ارمان نے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا، ایاز کے لئے بہت پریشانی کے دن تھے۔

☆☆☆

چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی، خنک ہوا اٹھلاتی ہوئی چل رہی تھی، ایمن ایسے میں کافی دیر سے چھت پر بیٹھی ہوئی تھی، وہ ہمیشہ سے چاندنی راتوں میں چھت پر رہنا پسند کرتی تھی، وہ کافی دیر سے چاند کو دیکھ رہی تھی، ارمان بھی اس کے ساتھ ہی منڈیر پر بیٹھا تھا، دونوں خاموش تھے۔

''ایمن!'' تب ہی ارمان کی آواز نے خاموشی کے فسوں کو توڑا۔

''ہوں۔'' ایمن نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''تم نے شادی سے منع کیوں کیا تھا؟'' ایمن نے رخ پھیر کر ارمان کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر کرب کے آثار ارمان کو نظر آئے۔

''تم نہیں جانتے؟'' ایمن نے مدھم سی سرگوشی میں پوچھا جواب میں ارمان نے نفی میں سر ہلایا، ایمن نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

''جھوٹ، تم سب کچھ جانتے ہو ارمان، سب کچھ۔''

''بتاؤ نا تم نے کیوں انکار کیا۔'' ارمان بضد تھا، ایمن خاموش تھی، یوں جیسے کچھ بہت مشکل بات کہنے کے لئے ہمت باندھ رہی ہو، مگر کہہ تو نہ سکی البتہ آنسو بہنا شروع ہو گئے۔

''ارمان تم جانتے تو ہو، میری خامی۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی۔

''میری اسی خامی کی وجہ سے، ایاز نے مجھے چھوڑا اور..... اور میں جانتی ہوں کہ تم نے جذبات میں آ کر.....'' اس کی آواز رندھ گئی۔

''ایمی! میں نے جذبات میں آ کر کچھ نہیں کیا۔'' ارمان نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

''تم میری محبت ہو اور میں نے صرف اپنی محبت کو حاصل کیا ہے، کیونکہ..... کیونکہ ایمی تم سے دور ہو کر مجھے احساس ہوا کہ میرے ساتھ کیا ہوا، میں نے اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم کر لیا تھا، میں یہ سوچ سوچ کر پچھتاتا تھا کہ میں تمہیں اکیلا کیوں چھوڑ آیا۔'' وہ بولتا جا رہا تھا اور ایمی رونا بھول کر اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی اور دم بخود اس کے شب و روز کا حال سن رہی تھی جو اس نے اس کے فراق میں ابوظہبی میں گزارے تھے۔

''ارمان!'' کافی دیر بعد جب ارمان چپ ہوا تو ایمن نے اسے پکارا۔

''ہوں..... کہو۔''

''ارمان تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے نا۔''

''ہیں۔'' ارمان کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''ہاں دو سال بعد، جب تمہیں اولاد کی کمی محسوس ہو تو بے شک دوسری شادی کر لینا، مگر خدا کے لئے مجھے نہ چھوڑنا۔''

''یا وحشت محترمہ، کہاں ایک شادی ہزار مشکلوں سے ہوئی ہے اور کہاں دوسری شادی، کیا پاگل ہو گئی ہو؟'' اس نے سر جھکا۔

''نہیں ارمان، تم نہیں جانتے اولاد سے محرومی بہت بڑی بات ہے اور میں تو ہوں ہی۔'' ارمان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے بات مکمل کرنے سے روکا۔

''خبردار جو اب خود کو بانجھ کہا۔''

''لیکن ارمان، وہاں ماموں کے گھر سب اور وہ ایاز تو مجھے کہتا ہی یہ تھا اور پھر۔''

''لیکن کیا تمہیں یہ پتہ ہے کہ ایاز کی ایک اور بیوی بھی ہے۔'' اس نے جیسا دھماکہ کیا۔

''ہیں۔'' ایمن حیرانی سے بولی۔

''جی ہاں، شکیلہ نام ہے اس کا۔'' ارمان نے مزید بتایا۔

''اور ایک بات بتاؤں۔''

''کیا؟'' ایمن نے آنکھیں پھیلائیں ارمان مسکرایا۔

''اس کی بھی کوئی اولاد نہیں ہے۔''

''اچھا۔'' ایمن حیرانی سے آنکھیں کھولے ارمان کی باتیں سن رہی تھی۔

آسمان پر چاند چمک چمک کر اپنی چاندنی لٹا رہا تھا، تاروں کے جھرمٹ میں چاند کا سفر آہستہ آہستہ جاری تھا۔

☆☆☆

نعمان آج کل بہت مصروف تھا، اس نے ارمان کو اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا، دونوں مل کر ایاز کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، نعمان ایاز پر مضبوط ہاتھ ڈالنا چاہ رہا تھا اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ ثبوت اکٹھے کر رہا تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ جلد بازی کرے اور ایاز کو گرفتار کرے اور وہ اگلی پیشی پر ہی ضمانت پر باہر آ جائے، پھر ایسے میں اس نے ایاز کی بیوی

شکیلہ سے خفیہ ملاقات کی اور دو تین ملاقاتوں میں وہ شکیلہ کو وعدہ معاف گواہ بنانے پر راضی کر چکا تھا، شکیلہ کی مدد سے اس کے تین اڈوں پر چھاپہ مارا گیا اور چھاپہ بھی کچھ اس طرح مارا گیا جب منشیات تیار ہو رہی تھی اور چونکہ گھر کا بھیدی شامل تھا اس لئے کاروائی اس وقت عمل میں لائی گئی جب ایاز وہاں موجود تھا چونکہ گرفتاری رنگے ہاتھوں ہوئی تھی اس لئے بھاری مقدار میں منشیات بھی برآمد ہوئی تھی، لہٰذا نعمان کی ریٹ بہت کامیاب رہی تھی۔

دونوں اپنی کامیابی سے بہت خوش تھے، ایاز لمبے عرصے کے لئے جیل جا چکا تھا، ایمن تو خبر سنتے ہی سجدے میں جا گری تھی۔

شہزاد صاحب بھی بہت خوش تھے، فاخرہ بیگم کو شہزاد صاحب نے ان کے کمرے میں جا کر یہ خبر سنائی، خبر سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''شکر مناؤ فاخرہ، ہماری بچی نے بہت دکھ اٹھائے ہیں، اللہ نے ایمی کو اس جلاد سے نجات دی۔'' شہزاد صاحب ان کی وہیل چیئر کو پیچھے سے تھام کر لان میں لے آئے۔

''یاد ہے جب ہم ایمی سے ملنے گئے تھے تو ایمی کے چہرے پر نیل کے نشان تھے۔'' شہزاد صاحب نے جھرجھری سی لی، فاخرہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے گرنے لگے، وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر کہہ نہیں پا رہی تھیں۔

☆☆☆

ایمی آہستہ آہستہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی، اس کا کھویا ہوا اعتماد بھی بحال ہو گیا تھا، وہ اب اپنے کمرے میں بہت کم رہتی تھی، ہر کام میں اس کی دلچسپی بڑھ چکی تھی، شام کو روزانہ فاخرہ بیگم کو لان میں بھی لے آتی تھی، شہزاد صاحب اس کو

خوش دیکھ دیکھ کر خود بھی مطمئن رہتے تھے، ان کا رواں رواں ارمان کا احسان مند تھا جس نے ان کی دکھوں کی ماری اعتماد سے عاری بیٹی کو زندگی کی طرف دوبارہ واپس کھینچ لیا تھا، وہ اسے ہنستے بولتے دیکھتے اور چپکے چپکے اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے اور پھر ان کی دعائیں رنگ لے آئیں، ایمن کی طبیعت کچھ دنوں سے گری گری سی تھی ارمان اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا، جس نے کچھ ٹیسٹ تجویز کیے تھے اور پھر پورے گھر میں اس وقت ہلچل مچ گئی جب رپورٹس پازیٹو آئیں، شہزاد صاحب بے اختیار سجدے میں جا گرے تھے، اللہ نے ان کی دعائیں سن لی تھیں۔

☆☆☆

دلاور آج کل بہت پریشان تھا، نعمان نے ایاز کے خلاف بہت مضبوط کیس تیار کیا تھا، وہ کئی کیسز میں براہ راست نامزد تھا، دلاور ضمانت کے لئے مارا مارا پھر رہا تھا، پیسہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا ایاز جیل بھیجا جا چکا تھا، اسے شکیلہ پر رہ رہ کر غصہ تھا، اس کے علم میں آ چکا تھا کہ وہ وعدہ معاف گواہ بن گئی تھی، شکیلہ کی جان کو خطرہ تھا، مگر نعمان نے اسے بھرپور تحفظ فراہم کیا تھا۔

☆☆☆

دوپہر اب شام میں تبدیل ہونے لگی تھی، پرائیویٹ ہسپتال کے ایک کمرے میں اس وقت سارہ ایمن کو گھر واپس لے جانے کی تیاری کر رہی تھی، دو دن پہلے ایمن کو اللہ نے پریوں جیسی بیٹی سے نوازا تھا، اب اسے ڈسچارج کیا جا چکا تھا، ارمان بیگ وغیرہ گاڑی میں رکھ کر واپس آیا تو سارہ نے کمبل میں لپٹا ننھا وجود ارمان کی طرف بڑھایا جسے اس نے انتہائی احتیاط سے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''سارہ بالکل ایمی جیسی ہے نا۔'' وہ بچی کو انتہائی محبت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں ارمان بھائی، لیکن دیکھیں ناک بالکل آپ کے جیسی ہے۔'' سارہ کمبل ہٹا کر بچی کو دیکھنے لگی۔

''اچھا چلیں اب۔'' سارہ نے ایمن کو سہارا دے کر اٹھایا اور دونوں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گاڑی تک آ پہنچیں، تھوڑی دیر تک وہ لوگ گھر پہنچ گئے۔

گیٹ پر استقبال کرنے والوں نے انہیں خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا، شہزاد صاحب کے ساتھ وہیل پر فاخرہ بیگم بھی موجود تھیں، نعمان، اماں رحمہ، اور دیگر ملازمین پھولوں کی پتیوں سے بھری ٹاپیں لے کر ننھی پری کا استقبال کر رہے تھے۔

وہ سب آگے بڑھے، فاخرہ بیگم کے بہتے آنسو ارمان اور ایمی کو تڑپا رہے تھے، ارمان نے ان کی طرف محبت سے دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے سامنے آ گیا، سب دم سادھے انہیں دیکھ رہے تھے، فاخرہ بیگم کے چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا جیسے وہ بے چین ہوں کچھ کہنے کو، جیسے کہنا چاہ رہی ہیں مگر کہہ نہیں پا رہیں، ارمان ان کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا اور اس نے کمبل میں لپٹی ننھی گڑیا ان کی گود میں ڈال دی۔

''ممانی جان، یہ دیکھیں۔'' فاخرہ بیگم نے اپنے بائیں ہاتھ سے بچی کو تھام لیا، اب ان کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ لرز رہا تھا، سب حیرانی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے وہ اپنا ہاتھ آگے لانا چاہ رہی تھیں، انہوں نے ہزار دقتوں سے اپنا ہاتھ اٹھایا اور سامنے بیٹھے ارمان کے چہرے کو چھوا۔

''ا...ر...م...ا...ن۔'' انتہائی جدوجہد کے بعد ان کے منہ سے بے ربط آواز

نکلی۔

"ممانی جان۔" ارمان نے ان کا ہاتھ تھام لیا، فاخرہ بیگم نے محبت سے بچی کو دیکھا اور پھر ارمان کی طرف نظر کی ان کی آنکھوں سے ساون بھادوں بہہ رہا تھا۔

"م......م...... مم...... مجھ...... ے...... معا......ف......کر......دے......نا۔" بدقت تمام ان کے منہ سے نکلا، انہوں نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ ارمان اور آگے بڑھایا اور ارمان کو اپنی طرف بلایا اور وہ آگے آ گیا انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا، ارمان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے، وہاں موجود سب لوگ آبدیدہ ہو رہے تھے۔

☆☆☆

اماں رحمہ نے چائے بنا کر سرو کی، سب چائے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں مشغول تھے، سارہ اور ایمن نجانے کس بات پر ہنس رہی تھیں، وہیل چیئر پر بیٹھی ہوئی فاخرہ بیگم کے چہرے سے اب اضطراب غائب تھا اور اس کی جگہ ایک سکون ہلکورے لے رہا تھا، شہزاد صاحب اپنے خاندان کو خوش اور مسرور دیکھ کر خوش ہو رہے تھے بار بار گڑیا کو اٹھاتے، چومتے اب فاخرہ بیگم بھی مسکرا رہی تھیں۔

"ارے ہاں۔" اچانک ارمان بول پڑا۔

"یاد آیا ایمن، تم نے ایک بات کہی تھی۔"

سب چونک پڑے اور ایمن کو دیکھنے لگے جس کے چہرے پر الجھن در آئی تھی۔

"کون سی بات؟"

"ارے بھول گئیں۔" ارمان نے خفا خفا سے لہجے میں کہا۔

"تم نے کہا نہیں تھا کہ سال دو سال بعد بچہ ہو گیا تو دوسری شادی کر لینا۔" ارمان نے بڑی آس سے بات یاد دلائی، سب نے ایمن کو گھورا، ایمن کو غصہ تو بہت آیا۔

"قسم سے ہسپتال میں کیسی کیسی خوبصورت نرسیں تھیں، میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ۔" ابھی ارمان کی بات منہ میں ہی تھی کہ ایمن نے پاس پڑا کشن اٹھا کر دے مارا۔

"ہائے۔" وہ کراہا ابھی پہلے حملے سے سنبھلا بھی نہیں تھا کہ دوسرا کشن نعمان نے کھینچ مارا، سب ہنس رہے تھے، فاخرہ بیگم اور شہزاد صاحب بھی مسکرا رہے تھے، فاخرہ بیگم دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں اور نادم تھیں اپنے اللہ کے حضور، پچھتا رہی تھیں، پشیمان تھیں، غرور اور تکبر کا بت دھڑام سے گر کر پاش پاش ہو چکا تھا، انسان اپنے زعم میں آ کر خدا کو بھول جاتا ہے اور جب خدا یاد آتا ہے تو بہت کچھ بدل چکا ہوتا ہے کچھ بکھر جاتا ہیں اور کچھ سنبھل جاتے ہیں انسان اپنی مرضی کے مطابق وقت اور حالات کو چلانے کی کوشش میں یہ بھول جاتا ہے کہ انسان فانی ہے، لافانی صرف اللہ کی ذات ہے۔

جو اس کی مرضی کے آگے سر جھکاتے ہیں وہ بھی ان کے لئے دنیا کو جھکا دیتا ہے اور جو اس کے آگے چوں چرا کرتے ہیں وہ ان کے غرور و تکبر کے بت کو پاش پاش کر دیتا ہے، کیونکہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

☆☆☆

آخری قسط

رہا جو نہ لہو کر

فرحت شوکت

''ہیلو اریج! ابید سڈنی میں ہے اور وہاں کی پرائیویٹ فرم میں...... ہیلو ہیلو۔'' عباد کی بات سنتے ہی اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ شاید آخری بار دھڑکنا چاہ رہا ہو۔ اس کے پورے وجود پر لرزہ سا طاری ہو گیا تھا، فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا تھا اور وہ خود دیوار کے سہارے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی، نجانے کب سے رکے آنسو تھے جو بہتے چلے گئے تھے، ہر نظارہ، ہر منظر دھندلا گیا تھا اتنے آنسو تو اس وقت بھی اس کی آنکھوں سے رواں نہیں ہوئے تھے جب اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا تھا اور وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئی تھی۔

کس قدر تکلیف دہ سفر تھا جو اس نے تنہا گزارا تھا اسے کہاں کہاں ضرورت نہیں تھی اس کی مگر وہ کہیں دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔

ناولٹ

عباد کے محض چند الفاظ نے اس کے ضبط کو، اس کے اندر باہر کو توڑ ڈالا تھا، وہ گھٹنوں میں سر دیئے بے اختیار پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

☆☆☆

دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسٹیرنگ پر جمائے وہ سبک رفتاری سے ڈرائیونگ کرنے میں مصروف تھا، ذہنی رو مسلسل بھٹک رہی تھی، آج صبح سے ہی اس کی دلی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی جیسے کچھ ہونے والا ہے، ذہن میں در آنے والے ہو خیال کو جھٹک کر وہ بس ڈرائیونگ پر دھیان رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تقریباً بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ کی بلند و بالا گلاس بلڈنگ کے سامنے بنے پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کرکے پروقار انداز میں مضبوط قدموں سے چلتا لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

لفٹ میں پہنچتے ہی اس نے کوٹ اتار کر

بائیں بازو پر ڈالا اور شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کر کے ہاتھ میں پکڑے سیل فون آن کر کے امپورٹنٹ میسج پڑھنے میں مصروف ہو گیا، چند لمحوں بعد لفٹ سے باہر نکل کر دائیں جانب بنی اپنے اپارٹمنٹ کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا، نظریں ہاتھ میں موجود سیل فون پر ہی مرکوز تھیں، دو تین سیڑھیاں چڑھ کر وہ اچانک کسی جھٹکے سے رک گیا، فون پر سے نظریں ہٹا کر اس نے سامنے دیکھا۔

حیرت اور بے یقینی کے عالم میں ایک سیڑھی پر عباد اور انعم جبکہ سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھے زیاد کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا تھا۔

دونوں طرف یکساں خاموشی تھی، نجانے اور کتنی ہی دیر تک ان کے درمیان یہ سناٹا برقرار رہتا جب اس نے اسی حیرت کے عالم میں اپنا دایاں ہاتھ مصافحے کے لئے ان کی طرف بڑھا دیا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا ان سے کیا کہے اور کس طرح ان سے ملے؟ آخر کو چار سال کا ایک طویل عرصہ حائل تھا ان کے درمیان سو ہچکچاہٹ لازم تھی۔

''ہائے۔'' اس نے باری باری تینوں سے ہاتھ ملایا پھر دوبارہ اسی پوزیشن میں جا کھڑا ہوا، گہری خاموشی اسے بڑے طوفان کا عندیہ دے رہی تھی، ان کے چہروں کے اترتے چڑھتے تاثرات سے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ سب اس وقت کس قدر شدید جذبات دل میں دبائے ہوئے تھے۔

وہ تینوں اس پر مسلسل نظر جمائے اسے دیکھنے میں مصروف تھے، ان کے اس طرح کے ردعمل پر وہ کافی حد تک نروس ہو رہا تھا۔

اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح اچانک اس کے سامنے ہوں گے اور اب اس کا حیران ہونا فطری تھا۔

اسی طرح کتنی ہی دیر اور گزر جاتی جب اچانک آداب میزبانی یاد آ جانے پر وہ شرمندگی کے مارے ٹراؤزرز کی جیب سے چابیاں نکالتا تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ کر اپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گیا اور لاک کھول کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''پلیز۔'' دروازہ کھولتے ہی اس نے ہاتھ سے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپارٹمنٹ کے اندر چلے آئے، ان کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کیا اور آہستگی سے چلتا ہوا ان کے پیچھے لاؤنج میں چلا آیا، غالباً تین کمروں کا ویل ڈیکوریٹڈ لگژری اپارٹمنٹ تھا جس کو اس نے نہایت نفاست سے سجایا ہوا تھا۔

ایک طائرانہ سی نظر چاروں طرف دوڑا کر وہ لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئے تو وہ بھی ان کے سامنے رکھے سنگل صوفے پر براجمان ہو گیا۔

اس کے ہر ہر انداز سے اضطراب چھلک رہا تھا سر کو جھکائے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں بری طرح الجھائے وہ خود الجھا الجھا سا دکھائی دے رہا تھا شاید اسی الجھن کی وجہ سے وہ ان کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہا تھا جو اسے بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے یا شاید گھور رہے تھے۔

''کھانا کھاؤ گے تم لوگ؟'' قدرے توقف کے بعد اس نے باری باری تینوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اتنی دور سے ہم کھانا کھانے نہیں آئے؟'' زیاد نے طنزاً اس کی طرف دیکھ کر کہا جس کو اس نے نظر انداز کر دیا اور انعم کی طرف

دیکھ کر گویا ہوا۔

''کافی بناؤں؟''

''انعم اس سے کہو نہ ہمیں کچھ کھانا ہے اور نہ پینا ہے اسے کوئی ضرورت نہیں ہے ہمارے لئے کسی قسم کے تکلفات میں پڑنے کی۔'' عباد مخاطب تو انعم سے تھا مگر غصے سے بھرپور نظریں اسی پر مرکوز تھیں، وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا اور کچھ دیر یونہی گزر گئی۔

''تم لوگ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو، کوئی بات ہی کرلو۔'' اس نے کہا۔

''تجھے دیکھ رہے ہیں تو زندہ کس طرح ہے ہمیں مار کر۔'' کڑے لہجے میں کہی عباد کی بات پر وہ ایک لمحے کے لئے بے چین ہو گیا مگر خاموش ہی رہا۔

''تجھے یاد ہے زیاد، آج سے ٹھیک چار سال پہلے تو نے بحرین جانے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ تو ہمارے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، ہمیں چھوڑ کر دور نہیں جا سکتا تھا؟'' عباد کے پوچھنے پر زیاد نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ مزید گویا ہوا۔

''اس وقت سب نے اپنی اپنی فیلنگز مختلف طریقوں سے شیئر بھی کی تھیں لیکن اس نے ایسا کچھ بھی ہیں کہا تھا جس سے ہمیں اندازہ ہوتا کہ یہ ہمارے بارے میں کیسے جذبات رکھتا ہے؟''

''تو شک کر رہا ہے میری فیلنگز پر؟'' اس نے تاسف سے عباد کی طرف دیکھا۔

''شک نہیں کر رہا یقین سے کہہ رہا ہوں اور یہ بات تیرے جانے کے بعد محسوس ہوئی تھی کہ تو نہ صرف ہمارے بغیر رہ سکتا ہے بلکہ میلوں کے فاصلے پر ہم سے دور بہت اچھے طریقے سے جی بھی سکتا ہے اور یہ تو نے پروف کر کے بھی دکھایا ہے۔'' عباد بمشکل خود پر قابو رکھے اسے سنا رہا تھا، [illegible]

رہا تھا کہ اسے جھنجھوڑ کر رکھ دے۔

''تم نے جو کیا ایسا کرتے ہوئے تمہیں کسی کا خیال نہیں آیا بید کہ تمہاری اس حرکت سے کتنی زندگیاں متاثر ہوں گی اور کس کس انداز میں ہوں گی؟'' وہ بالکل چپ تھا جب انعم نے قدرے نرمی سے اسے احساس دلانا چاہا۔

''میں یہ سب کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن میں تم لوگوں سے اس قدر شرمندہ تھا اس دن والے اپنے بی ہیور پر کہ پتہ نہیں یہ سب کیسے کر گیا۔'' وہ واقعی شرمندہ سا لگ رہا تھا جبھی آنکھ ملا کر بات نہیں کر رہا تھا۔

''جھوٹ بول رہا ہے یہ۔'' زیاد نے اس کی طرف دیکھ کر غصے سے کہا۔

''یہ اگر شرمندہ ہوتا تو ہم سے کانٹیکٹ ختم نہ کرتا اور ویسے بھی مانا کہ تو ہم سے شرمندہ بھی تا تو اس سب میں صبور آنٹی کا کیا قصور تھا انہیں کس بات کی سزا دی تو نے کہ تڑ ساتڑ سا کر انہیں مرنے کے لئے چھوڑ آیا۔''

''زیاد پلیز کس قسم کی باتیں کر رہے ہو تم میں......''

''تم تو نہ دوستی کے قابل ہو نہ محبت کے پتہ نہیں کس قسم کے انسان ہو تم جس میں احساس نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے، ہمیشہ تم نے اپنی طرف سے ہمیں تکلیف ہی دی ہے تو ہم ہی پاگل ہیں جو......''

''تو کیوں ہو پاگل تم لوگ میرے پیچھے؟'' اس کا ضبط جواب دے گیا تھا سو وہ بھی چیخ پڑا تھا۔

''تم لوگوں کو اپنے رویے سے زندگی میں مزید کوئی تکلیف نہ پہنچاؤں اس لئے الگ ہو گیا تھا ساتھ رہتا تب بھی ناخوش تم سب مجھ سے اور میرے بدلتے رویے سے، رہی ماما کی بات تو یہ

سراسر میرا ذاتی مسئلہ ہے تمہیں خوار ہونے کی ضرورت نہیں ہے اس معاملے میں۔" غصے میں جو بھی اس کے منہ میں آیا وہ بول رہا تھا، دونوں طرف سے خوب گرما گرمی شروع ہو گئی تھی۔

"ڈیٹس ناٹ فیئر بلید تم نے یہی بات اس دن بھی کہی تھی جس کی وجہ سے آج ہم اس جگہ پر کھڑے ہیں۔" زیاد نے برہمی سے اسے ٹوکا۔

"اگر ہم تیرے کسی بھی مسئلے سے باہر ہیں تو یہ دکھاوا کس لئے ہے؟" کہتے ہوئے عباد نے بک ریک کے سنٹر میں رکھی فوٹو فریم زمین پر دے مارا جس سے گلاس کا فریم ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا تھا اور وہ تصویر جس میں وہ پانچوں کسی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے دور جا پڑی تھی۔

"بی ہیو یور سیلف عباد ورنہ....." ایک ہی جست میں وہ عباد کے مقابل جا کھڑا ہوا تھا، غصے سے اس کی پیشانی کی رگیں تن گئی تھیں اور چہرہ سرخ پڑ گیا تھا، اسی لمحے زیاد ان دونوں کے بیچ آ کھڑا ہوا اور دونوں کو دور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"ورنہ کیا؟ جس طرح اس دن اپنے گھر سے نکال پھینکا تھا آج بھی باہر پھینک دے گا تو پھینک کر دکھا بلکہ کالر سے پکڑ کر باہر پھینک۔" عباد پہلے سے کہیں زیادہ طیش میں مزید اس کی طرف بڑھا تھا۔

"عباد پلیز کول ڈاؤن یار۔" زیاد دونوں بازوؤں سے عباد کو کمر کی جانب سے پکڑے ہوئے تھا۔

"مذاق بنا رکھا ہے یار اس نے دوستوں کو اور دوستی کو، اسے احساس ہی نہیں ہے کتنی تکلیف میں ہم نے یہ چار سال گزارے ہیں اور یہ سمجھتا ہے شرمندہ ہو جانے سے تمام اذیتیں ختم ہو جائیں گی اوپر سے وہی بات دہرا رہا ہے اسے شرم ہی نہیں آ رہی۔" زیاد کی طرف دیکھ کر عباد مسلسل غصے اور افسوس کے ساتھ بول رہا تھا، جبکہ وہ اب انتہائی سنجیدگی کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے خاموش کھڑا ہو گیا تھا، نظریں عباد پر جمی تھیں۔

"جنہیں تم ماں کہتے ہو ناں ان سے ہمارا بھی کوئی تعلق ہے اور ان کو چار سال تک جس تکلیف میں، جس کرب میں ہم نے دیکھا ہے تم تصور تک نہیں کر سکتے، تم نے کیا سوچا تھا اپنی قسم دے کر مجبور کرنے پر وہ اگر رضوانی صاحب سے نکاح کر لیں گی تو ان کی تنہائی دور ہو جائے گی، ہرگز نہیں۔" عباد اسی کی طرف دیکھ کر مخاطب تھا۔

"تم نے انہیں پہلے سے زیادہ تنہا کر دیا ہے مسٹر بلید روحان، جبکہ وہ تو اس وقت بھی اتنی اکیلی نہیں ہوئی تھیں جب تم انہیں اپنی ماں تسلیم نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کے لئے یہی کافی تھا کہ تم ان کے پاس ہو، ان کے قریب ہو، انہیں تمہاری ضرورت ہے اپنے بیٹے کی ضرورت ہے کہ شوہر کی، انہیں صرف بیٹے کی محبت درکار ہے شوہر کی محبت انہیں روحان انکل کی صورت مل چکی تھی۔" عباد اب خاموش ہو گیا تھا۔

ایک بار پھر لاؤنج میں مکمل خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

"مجھے بس اس بات کا ڈر تھا کہ اگر میں ماما کو اپنے بارے میں کچھ بتاؤں گا تو کہیں وہ تم لوگوں سے شیئر نہ کر لیں۔" چند لمحوں بعد اس کی آواز نے خاموشی کو جس طرح توڑا تھا اس پر تینوں ہی تلملا کر رہ گئے تھے جبکہ عباد کو خود پر کنٹرول کرنا دوبھر ہو رہا تھا، اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کھری کھری سنا ڈالے مگر زیاد کے اشارے پر وہ چپ ہی رہا۔

"تم ہم سے چھپنا ہی کیوں چاہ رہے تھے

ہنید آخر ایسا کیا ہوا تھا؟'' انعم کے سوال پر وہ لحہ بھر کے لئے خاموش ہو گیا تھا۔
عباد اور زیاد بھی منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے مگر وہ بدستور چپ کھڑا تھا۔
''ادھر بیٹھو یار بیٹھ کر بات کرو۔'' زیاد نے اسے بازو سے تھام کر صوفے پر بٹھایا تو وہ اسی خاموشی سے بیٹھ گیا۔
''بتاؤ ناں ہنید۔'' انعم نے دوبارہ پوچھا۔
''کوئی خاص وجہ نہیں ہے بس.....''
''دیکھا تم لوگوں نے یہ پھر جھوٹ بول رہا ہے۔'' عباد کی بات پر اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔
''پہلے کیا جھوٹ بولا ہے میں نے؟'' اس کا انداز تپا ہوا تھا۔
''تو پھر بتا دو کیا وجہ تھی؟'' عباد اصل بات پر آیا۔
''جس طرح تو بات کو گھما پھرا کر پوچھ رہا ہے ناں اس طرح تو نہیں بتاؤں گا۔'' وہ بھی تن گیا تھا۔
''فار گاڈ سیک یار تم دونوں کس طرح بات کر رہے ہو، آرام سے بات نہیں ہو سکتی کیا؟'' زیاد نے اکتائے ہوئے انداز میں باری باری دونوں کو دیکھ کر کہا۔
''میں آرام سے ہی بات کر رہا ہوں یہ بدتمیزی کر رہا ہے میرے ساتھ۔'' اس نے شکایت کرنے والے انداز میں زیاد کو کہا۔
''عباد یار ناؤ لیو اٹ پلیز۔'' زیاد نے عباد کو تیز نظروں سے گھورا، وہ کب سے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر عباد کا جذباتی پن اسے بھی گرم کر رہا تھا۔
''ہنید ہم یہاں صرف تمہیں دیکھنے آئے تھے، تم سے ملنے آئے تھے اینڈ دیٹس آل، ہمارا مقصد تم سے بحث کرنا یا لڑائی کرنا ہرگز نہیں تھا، تمہیں صرف اس بات کا احساس دلانا چاہتے تھے کہ تم نے اس طرح سب کو چھوڑ کر کتنی تکلیف دی ہے، اس سے آگے اور کچھ بھی کہنا میرے خیال سے بالکل بے معنی ہے۔'' زیاد اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا تھا اور کمرے میں ایک بار پھر وہی جمود طاری ہو گیا تھا۔
''کتنے بچے ہیں تمہارے؟'' عباد کے سوال پوچھنے پر ہنوز خاموشی برقرار تھی۔
کتنی ہی دیر تک عباد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا، جو انجان بنا سر جھکائے ہاتھ میں پکڑے کی رنگ کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرنے کے شغف میں مصروف تھا۔
''تم اتنے لاپرواہ ہو کر بیٹھے ہو ہنید جیسے کچھ سنائی ہی نہ دے رہا ہو یار۔'' زیاد کے مخاطب کرنے پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔
''اچھا میں سمجھا یہ تجھ سے پوچھ رہا ہے شادی تو تیری ہوئی تھی ناں۔''
''اس کا مجھے پتہ ہے میں تجھ سے پوچھ رہا ہوں۔'' عباد نے قدرے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
''تیرا کیا خیال ہے میں یہاں بچے پیدا کرنے آیا تھا، پاکستان میں بچے پیدا نہیں کر سکتا تھا کیا؟'' اس کے تپے تپے سے انداز میں دیئے گئے جواب پر بے اختیار زیاد اور انعم کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ پڑی تھی، جس کو انہوں نے فوری طور پر چھپا لیا تھا، مبادا عباد ان پر نہ چڑھ دوڑے۔
''تو سیدھا جواب نہیں دے سکتا کیا؟'' عباد نے اسی ٹون میں اس سے کہا۔
''کیا سیدھا جواب دوں فضول سوال کا، تجھے یہاں بچوں کے ڈائپرز پڑے نظر آ رہے ہیں

یا جا بجا فیڈ رل رہے ہیں جو اس قسم کی باتیں پوچھ رہا ہے۔" وہ بھی اسی لب و لہجے میں اٹھ کر بولا تھا جبکہ زیاد اور انعم سے خود پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو گیا تھا اور وہ بالآخر کھل کر مسکرا دیے تھے۔

پتہ نہیں کیوں وہ بچوں کی طرح آپس میں الجھے جا رہے تھے، چند لمحوں کے لئے ہی سہی مگر ماحول قدرے خوشگوار ہو گیا تھا۔

"میں کافی لے کر آتا ہوں۔" سب خاموش بیٹھے تھے وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں یار ہید پلیز رہنے دو تکلف مت کرو۔" زیاد نے اسے منع کرنا چاہا۔

"تکلف میں نہیں تم لوگ کر رہے ہو، فار گاڈ سیک اتنا بھی پرایا مت کرو مجھے۔" کہہ کر وہ رکا نہیں اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"پہلے ہی ماحول اتنا گرم ہے کافی سے مزید گرم ہو جائے گا یار کچھ ٹھنڈا لے آنا لیکن صرف عباد کے لئے ہمارے لئے کافی ٹھیک ہے۔" زیاد نے اسے آنکھ مارتے ہوئے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہا تو اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ در آئی تھی اس نے ایک نظر عباد کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی پھر کچن میں چلا آیا۔

"ہم تقریباً ڈیڑھ گھنٹے سے یہاں پر ہیں اور تم نے ایک بار بھی اریج کے بارے میں نہیں پوچھا ہید، ہاؤ اسٹرینج ناں؟" بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے انعم نے تعجب سے اس سے دریافت کیا۔

اس کے نام پر حلق میں موجود ٹھنڈی کوک گرم سیال مارنے کی طرح سینے میں اترتی محسوس ہوئی تھی، وہ اب تک اس کے ذکر سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اسے پتہ تھا یہ ناممکن ہی تھا۔

انعم کے سوال پر وہ دونوں بھی اس کے جواب کے منتظر تھے مگر وہ تو گویا نظریں اٹھانا ہی بھول گیا تھا، چہرے پر ایک کے بعد دوسرا رنگ بکھرتا جا رہا تھا اور ہر رنگ ہی پھیکا سا دکھائی دے رہا تھا، اندرونی کیفیت بدلتی جا رہی تھی، اس نے ہاتھ میں موجود کین سنٹرل ٹیبل پر رکھ دیا پھر انعم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ٹھیک ہی ہو گی اس لئے نہیں پوچھا۔" بمشکل اس نے لفظوں کی ادائیگی کی۔

"ٹھیک نہیں ہے وہ۔" عباد کی بات پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بلکہ بہت زیادہ خوش ہے اور اتنی خوش ہے کہ اپنے فادر کی ڈیتھ پر بھی رونا بھول گئی تھی اور یہ سب تیری وجہ سے ہی پاسبل ہوا تھا۔" عباد نے چبا چبا کر بات مکمل کی تو وہ ناسمجھی کے انداز میں زیاد اور انعم کو دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب ہے؟ میں سمجھا نہیں یہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟" اس کا سانس رکنے لگا تھا عباد کی باتوں سے۔

"تمہیں تو پتہ ہی ہے ہید وہ اپنی ہر بات صرف تم سے شیئر کرتی تھی، ہم سے تو وہ بہت کم اپنی پرسنل باتیں ڈسکس کرتی تھی۔" انعم نے مختصراً بتایا، اس کا دل جکڑ گیا تھا۔

"خیر چھوڑو یہ باتیں تم سناؤ تم نے شادی کیوں نہیں کی حالانکہ تمہیں تو یہاں آتے ہی شادی کر لینی چاہیے تھی، یا ابھی افیئر چلانے کے موڈ میں ہو؟" عباد نے چبھتے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گیا تھا۔

"تم سمجھتے کیا ہو مجھے جو اس طرح کی فضول باتیں کیے جا رہے ہو میرے ساتھ۔"

"برا کیوں لگ گیا تمہیں میں تو بڑی عام سی بات کر رہا ہوں، یاد ہے تم نے ایک دفعہ اریج سے محبت کا دعویٰ کیا تھا گویا کہ تم نے اریج کے ساتھ بھی افیئر چلانے کی کوشش کی تھی کیونکہ تم

جانتے تھے کہ اریج کچھ بیوقوف سی ہے وہ جلد ہی تمہاری باتوں میں آ جائے گی اور......" عباد کی پوری بات سنے بغیر اس نے ٹیبل پر رکھے کین کو پوری قوت کے ساتھ سامنے والی دیوار پر دے مارا، وہ اپنا ضبط کھو چکا تھا، تینوں ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"اگر اپنی بکواس بند نہیں کی تو میں بھول جاؤں گا کہ میرے سامنے کون ہے سمجھا تو؟" شدید طیش اور برداشت کے باعث اس کی پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں اور چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

عباد نے بمشکل اس کو عباد کی طرف بڑھنے سے روک رکھا تھا، ماحول ایک بار پھر گرم ہو گیا تھا، مارے خوف کے انعم کا تو برا حال تھا، دونوں کے تیور خطرناک دکھائی دے رہے تھے۔

"کیوں میں نے کیا غلط کہا؟" عباد مستقل اس کا ضبط آزمائے جا رہا تھا انعم نے اسے روکنے کی مسلسل کوشش کر رہی تھی مگر وہ کسی طور باز نہ آ رہا تھا۔

"تو ہوتا کون ہے اس کے بارے میں کچھ بھی کہنے والا اور میری محبت پر شک کرنے والا؟" وہ حلق کے بل اس طرح چیخا کہ پھر سکوت چھا گیا تھا۔

"مانتا ہے ناں محبت کرتا ہے اس سے۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر عباد نے نرمی سے کہا تو کتنی ہی دیر تک وہ اپنے منہ سے نکلنے والے محبت کے لفظ میں خود کو ڈھونڈنے کی سعی کرتا رہا۔

"اس سے محبت کا اظہار کرنے کے بجائے بھاگ گیا؟ تجھ سے زیادہ بزدل کوئی نہیں ہو سکتا۔" عباد نے تاسف سے کہا۔

جس بات کو اس نے سب سے چھپانے کی کوشش کی تھی وہ تو سب کو معلوم تھی پھر وہ کیوں سمجھتا تھا کہ وہ کوئی غلط کام کر رہا ہے، وہ محبت ہی تو کر رہا تھا بس......

شکستہ شکستہ سے انداز میں وہ صوفے پر بیٹھتا چلا گیا اور نجانے کتنی دیر تک یونہی بیٹھا رہتا جب اسے زیاد کی آواز سنائی دی۔

"اوکے یار ہم چلتے ہیں، زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو گی کیونکہ آج تو......تو چار سال بعد مل گیا پھر نجانے ہم سے پیچھا چھڑا کر دنیا کے کس حصے میں چلا جائے جہاں تک ہم پہنچ ہی نہ سکیں۔" زیاد کی بات پر وہ شرمسار سا ہو گیا تھا۔

"معاف کر دے یار۔" زیاد کے گلے لگ کر اس نے سچے دل سے کہا تو عادتاً وہ زیادہ دیر اس سے ناراض نہ رہ سکا اور زور سے اسے گلے لگا لیا۔

"چل یار زیادہ دیر ہو رہی ہے۔" دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے عباد نے ہانک لگائی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"گلے ملے بغیر چلا جائے گا؟" وہ دروازہ کے پاس اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"ہاں کیونکہ اس طرح جانے کی روایت تو نے ہی ڈالی ہے۔" عباد نے شکایتی انداز میں کہا۔

"چل معاف کر دے یار۔" اس نے بڑی آس سے کہا۔

"کتنی بار معاف کروں تجھے؟"

"جتنی بار معافی مانگوں یار پلیز۔" اتنا کہہ کر وہ ہمیشہ کی طرح اس کے گلے لگ گیا اور تب تک نہیں ہٹا جب تک عباد مسکرا نہ دیا۔

انعم تو باقاعدہ رو ہی پڑی تھی، اس نے آگے بڑھ کر اس کے آنسو صاف کیے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر سوری کہا تو وہ مزید رونے لگ گئی تھی۔

"پلیز ہمید زندگی میں دوبارہ کبھی ایسے مت کرنا تم نہیں جانتے بہت دشوار ہوتا ہے اس طرح

جینا۔'' اس کا ہاتھ پکڑے انعم وعدہ لینے والے انداز میں بول رہی تھی۔

''میں کیوں نہیں جانتا انعم، تم لوگ کیا سمجھتے ہو میں سکون میں تھا میرا دل نہیں پھٹتا تھا، اپنے آپ سے بھاگتا بھاگتا اکیلا اتنی دور جہاں نہ کوئی دوست نہ رشتہ دار، کتنی کرب ناک زندگی میں گزار رہا تھا صرف ایک سچ سے پیچھا چھڑانے کے لئے کہ کہیں جانے انجانے میں اس سے کیا وعدہ اور خود پہ اس کا اعتبار نہ توڑ ڈالوں، پل پل مرتا رہا ہوں میں، ماں، دوست، محبت سب کو اپنے لئے ختم کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا، میں نہیں چاہتا تھا کہ میں تم لوگوں سے تعلق رکھوں اس طرح اس کا ذکر میری محبت کی آزمائش بن جاتا اور ہو سکتا تھا میں مجبور ہو کر اسے وہ سب کہہ دیتا جو.....'' بولتے بولتے اچانک وہ رک گیا تھا شاید وہ ضبط کھو رہا تھا۔

عباد نے آگے بڑھ کر اس دونوں کندھوں سے تھا، پھر مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

''محبت تو محبت ہوتی ہے بیٹا وہ چاہے کسی بھی رشتہ میں کسی کو بھی ملے اچھی لگتی ہے دل میں اتر جاتی ہے، آج نہیں تو کل اسے بھی دوستی سے کہیں زیادہ تمہاری محبت پر مان ہونے لگتا، اعتبار آنے لگتا تم ثابت قدم تو رہتے لیکن تم پیچھے ہٹ گئے اور سب کچھ ختم کر ڈالا دوست کو بھی اور دوستی کو بھی۔''

''سوری یار میں اس کا زندگی بھر سامنا نہیں کر سکتا، میں اس قابل نہیں ہوں کہ میں......''

''اٹس او کے یار جو تمہیں مناسب لگے وہی کرنا لیکن کیا آنٹی سے بھی ملنا نہیں چاہتے؟'' زید نے مزید کچھ سے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''آف کورس یار کیوں نہیں؟''

☆☆☆

راولپنڈی سے تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے کا مختصر مگر خوشگوار سفر طے کرنے کے بعد وہ لوگ اس وقت کشمیر پوائنٹ کی جانب جاتی کشادہ اور ہموار سڑک پر پہنچ گئے تھے۔

دو دن پہلے ہونے والی برف باری کے اثرات اب بھی باقی تھے، سڑک کے دونوں کناروں پر بھی برف موسم کی شدت کے باعث اپنی اصل حالت میں جوں کی توں وہاں موجود تھی۔

گاڑی میں ہیٹر آن تھا جس کی حرارت حواسوں کو بیدار کیے ہوئے تھی یا شاید وہ ماما سے مل کر آ رہا تھا اس لئے ذہن و دل پر چھائی پچھلے چار سالوں کی تھکان قدرے کم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

بہر حال کچھ بھی تھا سب کچھ اچھا لگ رہا تھا لیکن پھر بھی دل خالی خالی سا تھا ہمیشہ رہنے والی ایک کسک سی تھی جو دل کو بے چین کیے رکھتی تھی۔

وہ تینوں آپس میں خوش گپیوں میں معروف تھے، جبکہ وہ کھڑکی سے باہر نظر آنے والے دلکش اور سحر انگیز نظاروں کو غائب دماغی سے دیکھ رہا تھا، دل کی حالت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی، یکدم اس کا ہر شے سے ہر منظر سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

''اور کتنی دور ہے یار، میں بہت تھک گیا ہوں سونا چاہتا ہوں۔'' وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کے وجود پر کونسی تھکاوٹ سوار ہے، جب سے وہ پاکستان آیا تھا عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو رہا تھا، شاید وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اریج سے ملے یا نہیں؟ وہ کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا، دل اور دماغ دونوں رو برو تھے جس کے باعث وہ کشمکش کا شکار ہو رہا تھا۔

اس سے ملے گا تو شاید ضبط کھو بیٹھے گا اور اگر نہ ملا تو دل پہ ایک بار پھر اتنا بڑا بوجھ لئے لوٹ جائے گا۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی، اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

''یہ کس کا کاٹیج ہے؟'' دکھتے سر کو بمشکل سنبھالے، گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے چھوٹے مگر بہت خوبصورت سے کاٹیج کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہمارا ہی ہے یار، پچھلے دو تین سالوں سے ہم ہر ویک اینڈ پر یہاں آتے ہیں اس کے علاوہ سب کے پاس کاٹیج کی چابی ہے کوئی جب بھی آنا چاہے اینی ویز یہ پکڑو چابی تم لاک کھولو میں گاڑی سائیڈ پر لگا کر آتا ہوں۔'' زیاد اسے چابی تھما کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا جبکہ عباد اور انعم گاڑی سے اتر کر اسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس نے لکڑی سے بنے دروازے کا لاک کھولا اور اندر داخل ہو گیا مگر پہلا قدم رکھتے ہی وہ جہاں تھا وہیں کا ہو کر رہ گیا تھا، اس کے قدم زمین پر گویا جم سے گئے تھے، وہ شدید حیرت و استعجاب کے عالم میں اسے دیکھنے لگا جو نہایت مطمئن انداز میں چلتی ہوئی سامنے آ کھڑی ہوئی تھی یکدم اس کا دل چاہا آگے بڑھ کر اسے دونوں بازوؤں سے تھام لے لیکن...... خود پر قابو رکھتے ہوئے وہ اس کے سپاٹ چہرہ کو دیکھنے لگا جو ہر تاثر سے عاری تھا۔

اچانک پڑ جانے والی پہلی نظر کے بعد اس نے اس کی جانب غلطی سے بھی نہیں دیکھا تھا۔

''اس بار تم لوگوں نے آنے سے پہلے بتایا بھی نہیں، بتا دیتے تو میں پہلے سے ہی کھانا تیار کر لیتی۔'' اسے مکمل نظر انداز کیے وہ چیزیں سمیٹتے ہوئے عام سے انداز میں بات کر رہی تھی، اسے یاد آیا کشمیر پوائنٹ پر عباس انکل کا ذاتی کاٹیج تھا لیکن انہوں نے وہ ایک عرصہ سے رینٹ پر دیا ہوا تھا غالباً یہ وہی تھا، یہ بہت پرانی بات تھی شاید اسی لئے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔

اریج کو دیکھ کر اسے یہاں سیر کے بہانے لانے کا ان کا مقصد اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

وہ چاروں چھوٹے مگر خوبصورت لکڑی سے بنے لاؤنج نما کمرے میں رکھے صوفوں پر آ بیٹھے تھے جبکہ وہ دائیں جانب بند دروازہ کھول کر اندر جا چکی تھی۔

''اریج!'' انعم اسے آواز دیتی کچن میں ہی چلی آئی تھی۔

''چائے کافی کچھ مت بنانا بس ہم سب پنڈی نفیس انکل کی طرف نکلنے لگے ہیں تمہیں تو پتہ ہے وہ کب سے ہمیں انوائیٹ کر رہے تھے لیکن جانے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا تو سوچا آج چلے ہی جاتے ہیں، بس تمہیں انفارم کرنے آئے تھے اور تمہارا پتہ ہے تمہارا ان کے ہاں دل ہی نہیں لگتا اس لئے کہنا بھی بے کار ہے، اینی وے ہم چلتے ہیں اپنا خیال رکھنا، او کے؟'' اس سے گلے مل کر انعم کچن سے باہر نکل گئی، تو وہ ہاتھ میں پکڑے مگ واپس کیبنٹ میں رکھ کر کتنی ہی دیر تک وہاں کھڑی رہی اور اس سناٹے کو محسوس کرنے لگی جو تھوڑی دیر پہلے محض چند لمحوں کے لئے ہی ختم ہو پایا تھا۔

پتہ نہیں اس کا دل اتنی زور سے کیوں دھڑک رہا تھا، ٹانگوں سے بھی جیسے جان سی نکل رہی تھی، پورا وجود گویا لرز کر رہ گیا تھا۔

کیا تھا اس ایک لمحے میں جب اس نے اسے دیکھا تھا، عجب تلاطم برپا ہو گیا تھا اس کے اندر باہر۔

وہ پاس رکھی ڈائننگ چیئر پر بیٹھی حواس

بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی برسوں کا سفر لمحوں میں طے کرنے سے شاید اسی طرح سانس پھول جاتی ہے، اس نے گلاس میں پانی انڈیلا اور گھونٹ گھونٹ اپنے اندر اتارتی خشک حلق کو تر کرنے لگی۔

پتہ نہیں وہ ڈور لاک کر کے گیے تھے یا نہیں؟ یہ خیال آتے ہی وہ چیک کرنے کی خاطر تیزی سے باہر نکل گئی اور پھر اپنی جگہ پر تھم سی گئی۔

وہ بالکل سامنے ایزی چیئر پر پرسکون انداز میں کہنی چیئر کے ہتھے پر ٹکائے اسی دروازے پر نظریں مرکوز کیے بیٹھا تھا جہاں وہ اس وقت کھڑی تھی۔

ایک لمحہ کے لئے اسے لگا وہ اپنے پیروں پہ کھڑی نہیں رہ سکے گی اور بھربھری مٹی کی مانند ڈھے جائے گی لیکن دوسرے ہی لمحے خود پر قابو رکھے بظاہر بالکل عام سے انداز میں چلتی ہوئی داخلی دروازہ کے پاس جا کھڑی ہوئی، جبکہ اس کی نظریں بدستور اسی پر جمی تھیں۔

''مجھے ڈور لاک کرنا ہے۔'' اس نے اطلاع دینے والے انداز میں کہا۔

''کر دو۔'' اس کے اتنے مطمئن انداز میں جواب دینے پر وہ تپ کر بولی۔

''تم جاؤ گے تو میں لاک کروں گی ناں۔''

''میں تو کہیں نہیں جا رہا، تم کر دو لاک۔''

اس کی بات پر وہ اسے گھورتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''کچھ کھانے یا پینے کو ملے گا؟'' وہ سینک کے پاس کھڑی برتن دھو رہی تھی جب اپنی پشت پر اس کی موجودگی سے اس کا دل یکبارگی سے دھڑک اٹھا تھا، اپنی دلی کیفیت کو نظر انداز کیے وہ فریج کی طرف بڑھ گئی اور کوک کا کین کھول کر ٹیبل پر رکھ دیا اور خود دوبارہ برتنوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔

اس نے ایک نظر کوک کو اور دوسری نظر اس پر ڈالی جو اس کی جانب پیٹھ کیے برتنوں سے الجھ رہی تھی۔

''اتنی ٹھنڈ میں ٹھنڈی کوک نہیں پینی مجھے، ڈرتا ہوں جذبات اگر سرد پڑ گئے تو......؟'' اسی لمحہ کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سینک میں جا گرا تھا۔

وہ زیر لب مسکرا اٹھا تھا پھر وہ خود آگے بڑھا اور کپ سینک میں سے اٹھا کر واش کرنے لگا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

''کافی ملے گی؟'' کپ کیبنٹ میں رکھتے ہوئے اس نے پلٹ کر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ پلٹ کر کافی مگ میں نکال کر پھینٹنے میں مصروف ہو گئی۔

''یہ کافی ہی ہے اریج عباس صاحبہ، بیند روحان نہیں ہے جس کو ضرورت سے زیادہ پھینٹ رہی ہیں آپ۔'' بمشکل ہنسی ضبط کیے اس کے غصے سے تیز تیز چلتے ہاتھ کو دیکھ کر وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ کچھ بھی کہے بغیر اپنا کام کرتی رہی، جبکہ وہ شیلف سے ٹیک لگائے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے بڑی محویت کے ساتھ اس کے چہرے کو تک رہا تھا وہی شفاف چہرہ وہی تیکھے نین نقش وہی صباحت مگر آنکھوں میں پھیلی اداسی اور چہرے پر بکھری سنجیدگی وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

دل پر ان دیکھا بوجھ سا آ گرا تھا، کافی تیار ہو چکی تھی، اس نے بھاپ اڑاتا کافی کا مگ خاموشی سے اس کی جانب بڑھایا جو اس نے فوراً تھام لیا۔

''آئی تھنک مجھے فیور ہو رہا ہے اور صبح سے سر میں بھی بہت درد ہے، کیا کروں؟'' وہ اسے

بولنے پر اکسار ہا تھا۔

''تو میں کیا کروں جاؤ کسی ڈاکٹر یا اسپیشلسٹ کے پاس۔'' تیز لہجے میں اس نے جواب دیا۔

''وہیں تو آیا ہوں۔'' وہ زیر لب بولا۔

''اچھا تم چیک تو کرو ناں۔'' وہ فریزر سے چکن کا پیکٹ نکال رہی تھی جب وہ کافی کا سپ لیتے ہوئے اس کے پاس ہی آ کھڑا ہوا اور بائیں ہاتھ کی کلائی اس کی طرف بڑھا دی، اس کا بڑھا ہاتھ نظر انداز کر کے وہ ڈائننگ چیئر پر بیٹھ گئی اور مڑ کر پھلیوں میں سے دانے نکالنے میں مگن ہو گئی۔

ایک نظر اس کے خفا خفا سے چہرے پر ڈال کر کافی کا آخری گھونٹ بھرا پھر سنگ میں رکھ کر اس کے پاس رکھی چیئر پر آ بیٹھا اور اس کے ساتھ مل کر مٹر کے دانے نکالنے لگا۔

''ماما بتا رہی تھیں یمینہ ناروے شفٹ ہو گئی ہے اور حرا بھی شادی کے بعد کینیڈا چلی گئی ہے، کیسی ہیں دونوں؟'' تھوڑی دیر بعد بات شروع کرنے کی خاطر اس نے استفسار یہ انداز میں اس کی طرف دیکھا مگر وہ بے تاثر چہرہ لیے سر جھکائے یکسوئی کے ساتھ اپنا کام نمٹاتی رہی۔

''بتاؤ ناں کیسی ہے یمینہ اور حرا؟''

''تمہارا مطلب؟ اور اگر زیادہ فکر ہو رہی ہے تو جہاں سے آدھی بات معلوم ہوئی ہے باقی آدھی بھی وہیں سے پتہ کر لو۔'' اس کے دوبارہ پوچھنے پر وہ غصے سے بھرپور لہجے میں قدرے تیز آواز میں بولی پھر اٹھ کر مٹر کے دانوں کو سنگ میں دھو کر کھانا بنانے کی تیاری کرنے لگی۔

''اوہ نو سبزی تو بالکل ختم ہے۔'' وہ آج لانا ہی بھول گئی تھی۔

کچھ سوچتی ہوئی وہ کچن سے باہر آئی اور گرم شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر گھر سے باہر نکل آئی، اس دوران وہ سائے کی مانند اس کے ساتھ ہی تھا۔

تقریباً بیس منٹ کے فاصلے پر مارکیٹ تھی وہ متناسب قدم اٹھاتی سڑک کے کنارے پر چلنے لگی جبکہ وہ محض ایک قدم کے فاصلے پر خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

اتنے عرصے میں آج پہلی بار اسے اپنے اطراف میں کسی قسم کا ڈر خوف کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا اور نہ گزرتے لوگوں کی نظریں خود پر چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں، ذہنی اور جسمانی طور پر آج وہ قدرے پرسکون تھی، اس نے طمانیت بھرا سانس اپنے اندر اتارا اور خود کو مزید پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی معاً اس کی نظر اپنے ساتھ چلتے اس شخص پر پڑی تو دل گویا مٹھی میں بند ہونے کو تھا۔

اس نے آخری بار چار سال پہلے اتنا سکون اور اطمینان محسوس کیا تھا جب وہ اس کے ساتھ تھا اور ان چار سالوں میں ایک لمحہ سکون کا اس نے اپنے اندر اترتا محسوس نہیں کیا تھا اور یہ سب بھی اسی شخص کی وجہ سے تھا، اس کے دل میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

''میں نے تمہارے ساتھ اس دن بہت غلط کیا تھا اریج میں......'' اپنے احساسات میں گم وہ چلتی جا رہی تھی جب اس کی مدھم آواز نے دماغ میں آنے والے تمام خیالات کو منتشر کر ڈالا تھا۔

''میں تم سے اس بارے میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔'' اس نے رکھائی سے کہا اور ایک دکان کی طرف بڑھ گئی۔

''اریج میں......''

''پلیز ہید مجھ سے تم کوئی بات کرو ہی

مت۔" اس نے بری طرح جھڑک دیا تھا، وہ خاموش ہو گیا۔

نجانے وہ کس طرح اس سے ٹھیک انداز میں بات کرنے پر راضی ہو گئی؟

وہ ایک گہرا سانس اپنے اندر اتارتا اسے سبزی خریدتے ہوئے پرسوچ انداز میں دیکھنے لگا، آج کچھ بھی ہو جائے وہ اسے مناکر ہی رہے گا اور اس کے لئے اسے جتنے ہی جتن کیوں نہ کرنے پڑے وہ کرے گا۔

اس کے پرس میں سے پیسے نکالنے سے پہلے ہی اس نے ٹراؤزر کی پچھلی پاکٹ میں سے والٹ نکالا اور فوراً دکاندار کو پیسے تھما دیئے۔

"اپنے پیسے واپس لو مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے تمہارے پیسوں کی۔" غصے سے بھرپور لہجے میں اس نے تیز آواز میں کہا تو دکاندار بھی ان کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

"ہم گھر جا کر بات کریں گے اس بارے میں۔" دکاندار سے باقی پیسے لے کر والٹ میں رکھتے ہوئے اس نے دبے دبے لہجے میں مزید بولنے سے روکا پھر اس کے ہاتھ سے شاپر لے کر آگے بڑھ گیا تو وہ اس کی چوڑی پشت کو گھورتی اس کے پیچھے چل پڑی۔

"یہ لو۔" وہ صوفے پر بیٹھا تھا جب اس نے اس کے آگے رکھی سنٹرل ٹیبل پر پیسے رکھے اور واپس پلٹ گئی۔

وہ کتنی ہی دیر تک ٹیبل پر رکھے ان روپوں کو دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر پیسے اٹھائے اور اس کے پیچھے کچن میں چلا آیا۔

"تم میرے ساتھ حساب کتاب کب سے رکھنے لگی ہو؟" وہ پیاز کاٹ رہی تھی جب اس کے آگے شیلف پر پیسے رکھتے ہوئے وہ استفساریہ انداز میں بولا اور پھر شیلف پر ہی بیٹھ گیا، جواباً وہ خاموش ہی رہی۔

"کیا پوچھ رہا ہوں جواب تو دو۔"

"تمہارے سوالوں کے جواب دینے کی پابند نہیں ہوں میں۔" وہ تنک کر بولی۔

"اور رہی حساب کتاب کی بات، اگر میں حساب لینے پر آ گئی ناں تو تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔" غصے سے کہتی وہ سینک میں ہاتھ دھونے لگی پھر چکن فرائی کرنے لگی تھی۔

"اگر ایسی بات ہے تو کر لو حساب کتاب، جتنا میری طرف نکلتا ہے میں تمہیں دوں گا اور جتنا تمہاری طرف نکلے گا میں پورا پورا وصول کروں گا، چھوڑوں گا نہیں۔" گمبھیر لہجے میں کہی بات پر اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔

دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ جانچتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا جو اس کی طرف دیکھنے سے مکمل اجتناب برت رہی تھی۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔" وہ مصالحہ بھون رہی تھی جب اس کی بات پر اس نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"میں مذاق تو نہیں کر رہا یار۔" اس نے وضاحت کی۔

"تم دیکھ رہے ہو ناں ابھی کھانا نہیں بنا پھر کہنے کا فائدہ؟" اس نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"میں نے کل رات کو ماما کے ساتھ کھانا کھایا تھا اور اب تک صرف ایک کپ چائے اور ایک مگ کافی کا پیا ہے، کوئی سینڈوچ یا اسنیکس وغیرہ بھی نہیں ہیں کیا؟" بتاتے بتاتے اس نے پوچھا تو اس نے فریج کھول کر دیکھا مگر کھانے کو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

"کچھ بھی نہیں ہے ویٹ کر لو تھوڑی دیر، کھانا بس تیار ہونے والا ہے۔" وہ اب پہلے سے زیادہ تیزی سے کام کرنے لگی تھی۔

"اوکے میں نیوز دیکھ رہا ہوں جب تیار ہو جائے تو مجھے بتا دینا۔" کہہ کر وہ شیلف سے اترا اور باہر نکل گیا، شام کے پانچ بجے تھے جب وہ مکمل کھانا تیار کر چکی تھی۔

اسے بتانے کے لئے وہ لاؤنج میں چلی آئی اور وہیں رک گئی، وہ صوفے پر بے سدھ سو رہا تھا، ایک ہاتھ سینے پر رکھے کشن پر دھرا تھا اور دوسرا ہاتھ جس میں ریموٹ دبا تھا صوفے سے نیچے کارپٹ پر ڈھلکا ہوا تھا، نہ جانے کس جذبے کے تحت وہ لمحہ بھر کے لئے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی جہاں برسوں کی تھکان کے آثار بالکل واضح تھے، وہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکی اور نظر پھیر لی۔

آگے بڑھ کر اس نے کارپٹ پر ڈھلکے اس کے ہاتھ سے گرتے ریموٹ کو اٹھایا اور ٹی وی بند ریموٹ ٹیبل پر رکھ کر واپس کچن میں چلی آئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تھی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اس وقت وہ خود کو بہت تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔

اس نے ایک نظر اطراف میں دوڑائی لاؤنج میں اندھیرا پھیل رہا تھا اور وہ یقیناً اپنے بیڈ روم میں تھی بائیں جانب کمرے سے باہر آتی روشنی سے اس نے اندازہ لگایا پھر ٹیبل پر رکھے ریموٹ کو دیکھنے لگا جو سونے سے پہلے اس کے ہاتھ میں تھا، وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

فریش ہونے کی خاطر وہ دائیں جانب بنے واش روم کی طرف بڑھ گیا، شاور لے کر جس وقت باہر نکلا وہ خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا، اس نے آگے بڑھ کر آہستگی سے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیا جو ایک بار ہی کھٹکھٹانے پر کھل گیا تھا، فریش فریش سادہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

"وہ لاؤنج میں اندھیرا ہو رہا ہے مجھے سوئچ بورڈ کا نہیں پتہ کہاں ہے؟" دروازہ ناک کرنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس سے کیا بات کرے گا؟ سو اس وقت یہی بات ذہن میں آئی اور کہہ ڈالی۔

اسے راستہ دیتے ہوئے وہ ایک سائیڈ پر ہو گیا، اس کے باہر نکلتے ہی اس نے ایک سرسری سی نظر اس کے کمرے میں دوڑائی، بیڈ پر کسی سکول کی کاپیز اور بکس بکھری ہوئی تھیں، اس کا مطلب تھا کہ وہ کسی مقامی سکول میں جاب کرتی ہے، لمحہ بھر کے لئے وہ تاسف میں کھو گیا تھا۔

"کھانا کھاؤ گے؟" آتش دان میں مزید لکڑیاں رکھتے ہوئے اس نے پوچھا، دوپہر کی نسبت سردی بہت بڑھ گئی تھی۔

"نہیں۔" اندر جاتے جاتے اس نے پلٹ کر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟ تمہیں تو بھوک لگی تھی ناں۔"

"جس وقت لگی تھی اس وقت تم نے دیا ہی نہیں۔" ریموٹ سے ٹی وی آن کرتے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا تو اس کی بات سن کر وہ سرتا پا جل گئی تھی۔

"تمہیں بھی پتہ ہے جس وقت تم نے مانگا تھا اس وقت کھانا نہیں بنا تھا۔"

"جب بن گیا تھا اس وقت دے دیتیں۔" چینل سرچ کرتے ہوئے وہ بے نیازی سے بولا۔

"اس وقت تم سو رہے تھے۔" پتہ نہیں وہ اس کے ساتھ اتنی بحث کیوں کر رہا تھا۔

"تھوڑی دیر کے لئے سویا تھا مر نہیں گیا تھا جو اٹھانا مناسب نہیں سمجھا تم نے۔" اس کی بات پر اس کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی تھی، اس نے تاسف بھری نظر اس پر ڈالی اور پوری قوت سے دروازہ بند کرتی اندر پلٹ گئی۔

اس کے اس طرز عمل پر وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ مطمئن ہو گیا تھا۔

اس کے دل میں اس کے لئے کیا تھا وہ جان چکا تھا، ہلکی سی مسکراہٹ پورے چہرے پر پھیل گئی تھی، اپنے اندر اترتی سرشاری کو محسوس کرتے ہوئے وہ غائب دماغی سے ٹی وی پر نظریں جمائے اس کے اگلے قدم کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ کھانے کی ٹرے سنبھالے کمرے میں داخل ہوئی تھی، بڑے غور سے وہ اس کے ستے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

جانتا تھا اس کی بھوک اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی، لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔

وہ تو چاہتا تھا وہ اس پہ غصہ کرے، اس سے شکایت کرے، اس سے لڑے مگر وہ تو مستقل خاموش تھی اور اس کی یہ خاموشی اسے بری طرح کھل رہی تھی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' ٹیبل پر کھانے کی ٹرے رکھ کر وہ مڑ رہی تھی جب اسے اپنی پشت پر اس کی خفگی بھری آواز سنائی دی، اسے غصہ آ گیا تھا۔

''اتنے نخرے کسے دکھا رہے ہو تم، یاد رکھو میری ذمہ داری نہیں ہو تم، کھانا تو مت کھاؤ۔'' کہہ کر وہ رکے بغیر تیزی سے مین ڈور کی جانب بڑھ گئی تو اسی اثناء میں اس نے ایک نظر ٹرے میں سلیقے سے رکھے کھانے کو دیکھا۔

کڑاہی گوشت اور مٹر پلاؤ رائتہ اور سلاد کے ساتھ، اس کی پسندیدہ ڈشز اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''تو سو جاؤ۔'' اس کی آواز پر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا، وہ اسے مسلسل عاجز کر رہا تھا۔

''میں ڈور لاک کر کے سوتی ہوں۔'' وہ تپ ہی گئی تھی۔

''دوسرے لفظوں میں تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟'' اس نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

وہ چند ثانیے اسے یونہی دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پاس سے گزرتا ہوا دو قدم آگے جا کر رک گیا اور دروازہ لاک کر دیا، لاک کی آواز پر اس کا دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا، وہ پلٹا اور اس کے بالکل سامنے محض ایک بالشت کے فاصلے پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کھڑا تھا۔

''اب آ گیا ہوں تو کہیں نہیں جاؤں گا۔'' اس کا لہجہ اتنا مضبوط تھا کہ اس کا کمزور سا دل ہل کر رہ گیا تھا۔

اس کی اتنی قربت اور وجود سے اٹھتی مہک سے گھبرا کر وہ پیچھے ہٹ گئی تھی، زبان گویا گنگ ہو گئی تھی، کتنے ہی لمحے تھے جو بس یونہی سرک گئے تھے۔

''باتیں کرو میرے ساتھ۔'' اس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے نہایت دھیمے اور نرم لہجے میں کہا۔

''کون سی باتیں؟'' وہ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آنا نہیں چاہتی تھی اسی لئے اپنی کیفیت پر قابو رکھتے ہوئے وہ سخت لہجے میں بولی۔

''وہی جو تم مجھے بتانا چاہتی ہو۔'' وہ مسلسل اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا، اسے زیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں تو کچھ بھی نہیں بتانا چاہتی کیونکہ میرے پاس تمہیں بتانے کو کچھ بھی نہیں ہے، پلیز

مجھے فورس مت کرو۔" اس کا انداز التجائیہ تھا۔
"جب تک تم مجھ سے اپنی باتیں شیئر نہیں کرو گی آئی سوئیر میں یہاں سے ہلوں گا نہ تمہیں ہلنے دوں گا۔" اس نے دھیمے مگر پختہ لہجے میں کہا۔
"کیا سننا چاہتے ہو تم مجھ سے وہ سب جو ان چار سالوں میں مجھ پر گزری تو ہدید روحان اس طرح لگے ہوئے زخم دکھائے نہیں جاتے کہ کوئی آپ کے سر پر آ کھڑا ہو اور آپ سے پوچھ رہا ہوں نشان تو ہیں نہیں پھر زخم کہاں کہاں تھے؟ ایسا نہیں ہوتا بلکہ زخموں کی تکلیف کو محسوس کر کے نشان ڈھونڈے جاتے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے خوفی سے بولی۔
"تم بس بولتی جاؤ۔"
"پاگل نہیں ہوں میں جو یوں بولتی چلی جاؤں گی، اصل میں تم مجھے ٹوٹا ہوا دیکھنا چاہتے ہو کیونکہ توڑ کر تو تم چلے گئے تھے۔" اس کا لہجہ تلخ ہو رہا تھا۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے جی بھر کر سنائے لیکن اس کے اندر ہمت ہی کہاں تھی جبکہ اندر تو آگ سی لگی تھی۔
دل چاہ رہا تھا سب کچھ تہس نہس کر ڈالے، مٹا دے حتیٰ کہ اپنی ذات اپنا وجود بھی، اسے دیکھ کر اسے اپنے زخموں سے خون رستا محسوس ہو رہا تھا، اس کے اندر کا دبا شور چیخنے لگا تھا اور وہ ضبط کے ہزار پہرے بٹھائے خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی حالانکہ وہ ٹوٹ گئی تھی مگر بکھری نہیں تھی۔
اس کے سامنے کھڑے رہنا اس سے دوبھر ہو رہا تھا، وہ وہاں سے ہٹنا چاہتی تھی مگر وہ چٹان کی طرح اس کے سامنے پھیلا کھڑا تھا۔
اس سے مزید کھڑا نہ ہوا گیا تو وہیں دیوار کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئی۔
چند ہی لمحوں بعد وہ بھی اس کے بالکل سامنے زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور بھرپور استحقاق کے ساتھ اپنی نظریں اس کے چہرے پر جما دیں جبکہ وہ اس کی طرف دیکھنے سے مکمل گریز کر رہی تھی۔
"بزنس میں اتنا بڑا لاس کیسے ہوا تھا؟" اس کی دکھتی رگ پر اس نے جو ہاتھ رکھا تو وہ بلبلا کر رہ گئی تھی مگر بولی کچھ نہیں اور اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔
"بتاؤ مجھے اریج۔"
"کیوں بتاؤں تمہیں کیا غرض میرے کسی نفع یا نقصان کی؟" وہ تڑخ کر بولی۔
"میں سب کچھ سیٹ کر کے گیا تھا یہاں تک کہ جن پروجیکٹس پر کام ہو رہا تھا وہ بھی فائنل ہی تھے بس پے منٹس کا انتظار تھا۔" اس کی بات کو نظر انداز کر کے اس نے اگلی بات کر ڈالی جس پر وہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔
"اور وہ پے منٹس کون لیتا؟ انہیں لینے کے لئے بھی تو تمہارا ہونا ضروری تھا ناں، لیکن تم چلے گئے تھے سب کچھ ادھورا چھوڑ کر کیونکہ تمہاری طرف کسی کی زندگی ہی برباد کیوں نہ ہو جائے تم صرف اپنے بارے میں سوچتے ہو، بہت خود غرض اور بے حس انسان ہو تم۔" اس کے چہرے پر دکھ کی لکیریں نمایاں ہونے لگی تھیں۔
وہ کب سے یہی چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے شکوہ کرے شکایت کرے، اسے بتائے اس نے اس کا کیا کیا نقصان کیا ہے سب بتا ڈالے اور اب شکر تھا کہ وہ اس کے اکسانے پر بول پڑی تھی۔
"تمہیں آفس جوائن کر لینا چاہیے تھا۔"
اس کے اتنے آرام سے مشورہ دینے پر اس کا دل

چاہا اپنا سر دیوار پر دے مارے۔

وہ شدید غصے اور تاسف سے اسے گھور رہی تھی جبکہ وہ اس کے مزید بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"میمونہ شہر سے باہر ہوتی ہے حرا کو ابھی ان باتوں کی سمجھ نہیں تھی تو ایسے میں تمہارا فرض بنتا تھا کہ تم......"

"تمہارا کیا خیال ہے میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے تمہارے انتظار میں بیٹھی تھی؟" اس کا نشانہ ٹھیک لگا تھا وہ اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

"میرا ہی فرض بنتا تھا اس لئے میں نے اسے ہر طرح سے پورا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تم جانتے تھے ناں کہ مجھے ان معاملات کے بارے میں کچھ بھی سمجھ نہیں تھی، کس پروجیکٹ کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے کس سے کیا بات کرنی ہے مجھے کچھ بھی نہیں آتا تھا میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔" وہ ایک لحہ کے لئے رکی۔

"تم جانتے ہو ہر شخص جھوٹ بولتا رہا میرے ساتھ میں سچ مانتی رہی، ہر شخص مجھے دھوکا دیتا رہا اور میں دھوکا کھاتی رہی کیونکہ میں لوگوں کے چہروں کو پہچانتی ہی نہیں تھی۔"

مسیحا سامنے ہو تو ہر زخم بیدار ہونے لگتا ہے

وہ بھی پرت پر پرت کھل رہی تھی، بات کرتے کرتے اس کا گلا رندھ گیا تھا اور آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو جمع ہو گئے تھے یکدم اس کے دل چاہا آگے بڑھ کر اس کے سارے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں میں سمو لے لیکن پھر رک گیا اور اس کے اندر کے لاوے کو خاموشی سے بہتے ہوئے دیکھنے لگا کہ یہی اس کے لئے بہتر تھا

"پتہ نہیں کتنے ہی لالچی لوگوں نے مجھ سے پروجیکٹس کے نام پر روپے مانگے اور میں دیتی رہی کہ شاید اب کوئی راہ نکل آئے کوئی مخلص مل جائے جس کو اللہ نے میری مدد کے لئے بھیجا ہو لیکن کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کو میری بے بسی، میری مجبوری دکھائی دیتی، ہر روز پاپا ایک نئی آس نئی امید سے مجھے دیکھا کرتے تھے کہ شاید سبب بن گیا ہو لیکن ہر بار ان کی آنکھیں مایوسی سے بند ہو جاتی تھیں، بہت قرضدار ہو گئے تھے ہم، بزنس بالکل ختم ہو گیا تھا۔" اس کی آنکھوں سے شفاف موتیوں کی مانند آنسو چہرے کو بھگو رہے تھے۔

گود میں رکھے اس کے ہاتھ کو اس نے ہاتھ بڑھا کر تھامنا چاہا جو اس نے فوراً نیچے کھینچ لیا۔

"مجھے تمہاری ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو کچھ ہوا تمہاری وجہ سے ہوا، تم صرف تعلق ہی ختم کر کے نہیں گئے تھے، تم میری، میرے پاپا کی سب کی زندگیوں کو ختم کر کے گئے تھے اور ایسا کرنے سے پہلے تم نے ایک بار بھی میرا نہیں سوچا جس کی زندگی صرف تم سے جڑی تھی۔" اس کے آنسو مسلسل رواں تھے۔

"تم جانتے تھے ناں میں دنیا کو فیس نہیں کر سکتی مجھے کرنا آتا ہی نہیں تھا پھر کیسے مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے دوسروں کے آسرے پر، میں نے تو پوری دنیا میں صرف تم پر بھروسہ کرنا سیکھا تھا اور ہمیشہ کرنا چاہتی تھی لیکن تم......" بالآخر وہ چہرہ ہاتھوں میں لئے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، اس نے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں بھرے اور نرمی سے گویا ہوا۔

"بہت زیادہ محبت کرنے لگا تھا تم سے اتنی زیادہ کہ......" وہ اب اس کے برابر میں آ بیٹھا تھا، اس کے بہت قریب۔

"نہیں تم مجھ سے محبت کرتے ہی نہیں تھے۔" نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے رکھائی سے کہا اور ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی مگر مزاحمت بیکار تھی۔

''ایسے مت کہو پلیز۔'' وہ تڑپ گیا تھا۔

''جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں دیکھے بغیر سنے بغیر رہا جاتا ہے کیا؟'' اس نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہاری اور میری دوستی کے درمیان محبت حائل ہونے لگی تھی، مجھے لگتا تھا میں دھوکہ دے رہا ہوں تمہیں، تمہاری دوستی کو، تمہارے اعتبار کو، اس اعتبار کو جس کو دوبارہ نہ توڑنے کا تم سے وعدہ کیا تھا میں نے، کچھ سمجھ نہ آیا تو تم سے فاصلہ رکھنے لگا تھا اور فاصلہ رکھنا کسی اذیت سے کم نہیں تھا میرے لئے، تمہیں دیکھتے ہی اپنی بے اختیاری اور بے بسی پر غصہ آنے لگتا تھا جو میں تم پر اتارنا شروع ہو گیا تھا اور خود کو ملامت کرتا رہتا، میں شاید اس طرح بتائے بغیر کہیں نہ جاتا اگر اس دن میرا ہاتھ تم پر نہ اٹھتا، جو کچھ بھی ہوا انجانے میں ہوا مگر بہت غلط ہوا تھا، تمہارا سامنا کر سکتا تھا نہ تم سے معافی مانگنے کا حوصلہ رکھتا تھا کہ کہیں تم مجھے ہمیشہ کے لئے میری شکل نہ دیکھنے کا کہہ دو، میں ڈر گیا تھا اریج، پلیز جو ہوا اس کے لئے معاف کر دو مجھے۔'' وہ واقعی شرمندہ سا لگ رہا تھا۔

''اگر میں ایسا کہہ بھی دیتی تو کیا ہو جاتا؟'' اس کی بات پر اس نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا وہ مزید بولی۔

''زیادہ سے زیادہ کیا ہو جاتا، میں تم سے ناراض ہو جاتی تم سے بات نہ کرتی، ملنا چھوڑ دیتی لیکن کب تک؟ تم مجھے سمجھتے ہی نہیں تھے کہ تم میرے لئے کتنے ضروری تھے کتنے اہم تھے، میں کب تک تم سے دور رہتی، تم سے دور نہیں رہ سکتی تھی میں، میں تو بہت کمزور سی تھی ہنید مجھے تو تمہارا سہارا چاہیے تھا تمہارا مضبوط سہارا۔'' پہلے کی نسبت وہ اب نرم پڑ گئی تھی، اسے سکون ہوا تھا۔

''کتنا بڑا بے وقوف تھا میں جو سمجھ ہی نہ سکا کہ میں تمہارے لئے کیا ہوں؟'' اس نے اعتراف کیا۔

''اور نہ تمہیں احساس دلا سکا کہ تم میرے لئے کیا ہو، کتنی اہم ہو؟'' اس کی بات سن کر وہ ایک بار پھر رو پڑی تھی۔

''میں تمہارے لئے شاید اتنی اہم کبھی نہیں ہو سکتی جتنا تم میرے لئے ہو۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان میں بولی۔

''میں نے تمہیں لمحہ لمحہ یاد کیا تھا، ایک ایک قدم پر تمہاری ضرورت پڑی تھی مجھے، ڈرائیو کرتے ہوئے، شاپنگ کرتے ہوئے، بلز پے کراتے ہوئے، میڈیسن لیتے ہوئے، پاپا کا چیک اپ کراتے ہوئے، گھر سیل کرتے ہوئے، حرا کی شادی کرتے ہوئے اور آخری بار جب پاپا کی طبیعت خراب ہوئی تھی تو میں نے پریشانی کے عالم میں گھبراتے ہوئے تمہیں فون کر ڈالا تھا تاکہ تمہیں بتاؤں اور تم میرے پاس آ جاؤ مگر تمہارا نمبر آف تھا تب یاد آیا کہ تم تو کب کے جا چکے ہو اور اس وقت میں آخری بار روئی تھی تمہیں یاد کر کے، مجھے تمہاری بہت ضرورت تھی اس وقت تمہارا سہارا چاہیے تھا کہ تم آؤ اور مجھے ہر فکر سے آزاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہو ''کچھ نہیں ہو گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' پھر کچھ بھی ٹھیک نہ ہوا اور پاپا چلے گئے تھے، مجھ سے گلے لگ کر بہت سے لوگ روئے تھے مگر مجھے کسی کے کندھے سے لگ کر رونا ہی نہیں آیا تھا، میں ہر آہٹ پر تمہارا انتظار کرتی رہی تھی کہ شاید تمہیں کہیں سے پاپا کی ڈیتھ کا پتہ چل جائے اور تم آ جاؤ پھر میں تمہارے سامنے کھل کر رو دوں، لیکن نہ تم آئے اور نہ میں پاپا کے لئے رو سکی، آج تک۔''

''اریج!'' بولتے بولتے وہ یکدم چپ ہو گئی تھی جب اس نے دھیرے سے اسے پکارا، اس

کے پکارنے پر اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا جو اس کے بہت قریب بیٹھا تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا، پتہ نہیں کیوں اپنے لئے اسے پریشان دیکھ کر اس کی خشک آنکھیں پھر سے تر ہونے لگی تھیں۔

''میں ہوں ناں تمہارے ساتھ اور ہمیشہ رہوں گا۔'' دونوں بازوؤں سے اسے مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس نے یقین دلاتے ہوئے کہا تو بے اختیار اس نے اپنا سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا اور پھر پاپا کو یاد کر کے اتنا روئی کہ اسے چپ کرانا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔

''پاپا مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، دیکھو میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا، میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں، میں کیسے رہوں گی پاپا کے بغیر، میں مر جاؤں گی...... میں......''

''اریج...... اریج بس کرو۔'' پاپا کو یاد کر کے وہ آج پہلی بار رو رہی تھی اور اتنا زیادہ کہ اس کا پریشان ہونا لازم تھا۔

وہ رونے کے ساتھ ساتھ مسلسل بول رہی تھی، اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔

''اریج چپ کرو۔'' اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے اس نے قدرے غصے سے کہا تو وہ بے بسی و بے چارگی سے اسے دیکھنے لگی، آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، یکدم اس کا دل پسیج گیا۔

''طبیعت خراب ہو جائے گی تمہاری، تمہیں میری قسم آج تم اس طرح آخری بار روئی ہو دوبارہ بھی مت رونا کیونکہ تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور تم مجھے تکلیف میں دیکھنا چاہو گی کیا؟'' اس کے استفسار پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ اس کی آنکھوں میں آئے تمام آنسو اپنی انگلیوں میں جذب کرتے محبت آگئیں لہجے میں گویا ہوا۔

خوش کب رہا میں تجھے یوں کھو کر تیرا بھی نہ رہا میں تو تیرا ہو کر دن بھی بسر ہو ہی جاتا تھا بس رات گزرتی تھی بتا نیند سو کر کتنے کرب میں تھا میں کیا بتاؤں رو بھی نہ سکا میں اتنا رو رو کر چھوڑ دیا سب کچھ اس طرح میں نے نہ رہا کسی کا کہ رہا جو تیرا ہو کر کس جذب میں آ کر وہ بے اختیار اتنا بول تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا، جبکہ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے اس کی اتنی محبت پر۔

''پلیز اب مت رونا مجھے بہت بھوک لگی ہے۔'' اس نے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تو مسکراتی آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم ایسا کرو کھانا گرم کرلو میں ان سب کو کال کر کے بلاتا ہوں انہوں نے بھی اب تک کچھ نہیں کھایا۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا اور سیل فون پر عباد کا نمبر ملانے لگا، اس کی بات پر وہ پلٹ کر اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''لیکن وہ تو نفیس انکل کی طرف گئے ہیں دعوت پر۔'' اس کی بات پر وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

''جھوٹ بول رہے تھے وہ مال روڈ پر بیٹھے میرے فون کا انتظار کر رہے ہیں کیونکہ بقول ان کے کہ اگر آج میں تمہیں منا نہ سکا تو سخت سردی میں مجھے رات کالج سے باہر گزارنی پڑے گی وہ بھی بغیر کسی اوور آل یا گرم شال کے، اب یہ کام تو خاصا مشکل تھا ناں اسی لئے تو اتنے گھنٹوں سے تم پہ محنت کر رہا تھا۔'' اسے تنگ کرنے کی خاطر وہ معنی خیز انداز میں بولا تو وہ اسے گھورتی باہر نکل گئی۔

''تمہیں بھی نہیں پتہ مگر میں جان گیا ہوں اریج عباس کہ تم مجھ سے اس سے بھی زیادہ......

کرتی ہو جتنی میں تم سے کرتا ہوں اور تم اس وقت سے کرتی ہو جب مجھے محبت کا پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ کیا ہوتی ہے۔" وہ سوچتا ہوا صوفے پر آ بیٹھا اور ان تینوں کا انتظار کرنے لگا جو اس کی کال سنتے ہی ان کی طرف آنے کے لیے گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

"میں غلط تھی ہنید روحان، اس وقت یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ محبت تو بس جب ہونے پر آتی ہے تو ہو جاتی ہے پھر وہ کچھ نہیں دیکھتی کہ کس سے ہوئی خواہ وہ کوئی بہت اچھا دوست ہی کیوں نہ ہو، بھلا محبت سے دوستی ہی کیوں نہ ہو، بھلا محبت سے دوستی کہاں ختم ہو سکتی ہے ہاں دوستی ضرور چھوٹ سکتی ہے اگر دوستی میں محبت نہ ہو۔"

فروٹ ٹرائفل فریزر میں رکھ کر جس وقت وہ باہر آئی اسے اکیلے زیر لب مسکراتا دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گئی تو اس نے ہاتھ میں پکڑا اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

"دیکھو ہنید میں واقعی بہت جذباتی ہوں لیکن اگر تم نے آج اریج کو منا لیا ناں تو آئی سوئیر میں زندگی میں کبھی تم سے اونچی آواز میں بھی بات نہیں کروں گا۔" (عباد)

"ہمیں تو دونوں ایک ساتھ ہنستے بولتے اور لڑتے بہت اچھے لگتے ہو اور ہم تمہیں ساری زندگی اسی طرح دیکھنا چاہتے ہیں سو پلیز ہنید ڈونٹ لاس دا چانس پلیز پلیز پلیز۔" (انعم)

"دیکھ ہنید یہ محبت وغیرہ کا مجھے کچھ نہیں پتہ کیونکہ میری اریج میرج ہے لیکن اتنا ضرور پتہ ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہو اور جو لوگ محبت کرتے ہیں وہ اگر نہ ملیں تو کوئی بھی خوش نہیں رہ پاتا، سو پلیز میرے اچھے یار اپنی محبت کا اعتراف کر دینا۔" (زیاد)

اس قسم کے کئی میسجز تھے جو وقتاً فوقتاً سارا دن سے وہ ہنید کو کرتے رہے تھے۔

تمام میسجز پڑھ کر۔ بے اختیار اس نے اس کی طرف دیکھا پھر دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

زندگی بہت اچھی لگنے لگ گئی تھی مخلص اور پیارے دوستوں اور اپنی محبت کے ساتھ۔

☆☆☆

خوشبوؤں کے شہر میں

نائلہ طارق

سرد موسم کی بوجھل دوپہر ڈھل رہی تھی، سوگواری خاموشی ہر سمت طاری تھی، رسی سے سوکھ جانے والے کپڑے اتارتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا تھا، فضا میں تیرتے پرندے کی چبھتی آواز بھی سناٹے کو توڑنے میں ناکام تھی، سناٹا اگر وجود میں اتر جائے تو روح تک میں اپنے پنجے گاڑھ دیتا ہے پھر اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوئی غیبی قوت ہی درکار ہوتی ہے، وحشت سے گھبرا کر اس نے گہری سانس لی تھی، رسی پر لٹکی آخری چادر کھینچ کر اس نے بازو میں سنبھالی تھی کہ تب ہی ڈور بیل کی تیز چنگھاڑ پر چونکتی وہ چھت کی باؤنڈری کی طرف آئی تھی، نیچے صحن میں اپنے چوزوں کے ساتھ مصروف سونو گیٹ کی سمت دوڑ چکا تھا، اندر آتے

ناولٹ

شخص کی نگاہ غیر ارادی طور پر اوپر باؤنڈری کی جانب اٹھی تھی، مگر اگلے ہی لمحے وہ نگاہوں کا زاویہ بدلتا گیٹ بند کرنے لگا تھا جبکہ دوسری جانب وہ ناگواری کے ساتھ باؤنڈری سے ہٹ کر دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی، کپڑوں کا ڈھیر صحن میں رکھے تخت پر رکھتی وہ ادھر اُدھر بھاگتے چوزوں کو پنجرے میں ڈالنے کی کوشش میں لگ گئی تھی، سونو آنے والے شخص کا ایسا دیوانہ تھا کہ اپنے چہیتے چوزوں کو بھی بھول گیا، اب اگر اس کی بے خبری میں بلی ایک بھی چوزے کو ہڑپ کر جاتی تو اس نے آسمان سر پر اٹھا لینا تھا اور وہ تو اب اس کا ایک آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی، سونو تو ابھی اتنا نا سمجھ اور معصوم تھا کہ باپ کے سائے سے محروم ہو جانے کے نقصان کی سنگینی سے بھی انجان تھا، ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے بھیانک سانحے سے گزرے غم سے چور ہونے کے باوجود اسے خود کو مضبوط رکھنا ہی تھا۔

برآمدے میں آتی وہ یکدم ٹھٹکی تھی، کمرے سے باہر آتی آوازوں میں اسے اپنا نام سنائی دیا تھا، تجسس کے ساتھ وہ دبے قدموں کھڑکی کے قریب ہوگئی تھی۔

''ولید! مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں میزاب کو کیسے یہ بات بتاؤں، سائرہ ہمیشہ میزاب کے ابو کی زندگی میں یہی کہتی رہیں کہ ان کو صرف میزاب سے غرض ہے، جہیز کے نام پر ایک گلاس کی بھی ان کو ضرورت نہیں، اب جبکہ میزاب کے ابو اس دنیا میں نہیں رہے تو مطالبہ کر رہی ہیں یہ گھر میزاب اور سبحان کے نام کر دینے کے لئے۔'' بلقیس بانو کا لہجہ انتہائی پریشان کن تھا۔

''پھپھو جان! میں میں حیرت کی بات میرے لئے تو بالکل نہیں، نظیر انکل کے جانے کے بعد اب جو ہو کم ہے، وہ سادہ انسان تھے، خلوص اور لالچ میں کبھی فرق نہیں سمجھ سکے مگر آپ یہ غلطی مت کیجئے گا، آپ ان کے ہر رشتے دار کو کہہ دیں کہ آپ کے شوہر کی ہر چیز پر صرف ان کی بیٹی کا نہیں آپ کا اور سونو کا بھی حق ہے، یہ گھر اگر آپ نے میزاب کے نام کر دیا تو پھر دیر نہیں کی جائے گی آپ کو اور سونو کو اس گھر سے نکالنے میں، آپ میزاب کی خالہ کو صاف انکار کر دیں اس کے بعد وہ اپنے بیٹے کا رشتہ میزاب سے قائم رکھتی ہیں یا نہیں، ان کی مرضی۔'' ولید کے ناگوار لہجے پر باہر موجود میزاب کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی تھی، مگر اس وقت وہ شدید دھچکے سے دم بخود بھی تھی، سائرہ اس کی خالہ اور ہونے والی ساس تھیں، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس قسم کا مطالبہ بھی کر سکتی ہیں۔

''کیسے صاف انکار کر دوں؟ سائرہ نے کبھی مجھے اپنی بہن کی جگہ پر اور میزاب کی ماں کے مقام پر تسلیم ہی نہیں کیا بھی، ہمیشہ مجھے میزاب کی سوتیلی ماں اور اس کے ابو کی دوسری بیوی کی ہی نظر سے دیکھا، کوئی واویلا ہی نہ اٹھ جائے، انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اگر میں راضی ہوں تو وہ شادی کی تاریخ طے کر کے سبحان کو انگلینڈ سے بلا لیں گی۔''

''بہت خوب، سبحان اگر اتنا ہی تابعدار تھا تو تین سالوں میں ان کے ایک فون پر کیوں نہ آیا؟ نظیر انکل بیٹی کی شادی کا ارمان لے کر دنیا سے چلے گئے، ان کی زندگی میں یہ مطالبہ کیوں نہ کیا گیا؟ یہ شادی ہے یا سودا؟ یہ لالچی لوگ ان کے گزر جانے کے انتظار میں تھے کیا؟ نظیر انکل نے ہی سبحان کو باہر بھیجنے کے لئے لاکھوں روپے بطور قرض دیئے تھے ورنہ کیا تھا وہ یہاں.....''

''آہستہ بولو..... میزاب نے سن لیا تو.....'' بلقیس بانو نے ہول کر اسے روکنا چاہا تھا۔

''کب تک یہ چھپائیں گی اس سے؟ آواز نیچی رکھے جو ناحق کسی کے حق پر قبضہ جما رہا ہو، وہ جانتی ہے کہ اس کے رشتے دار لالچی اور خود غرض ہیں، نظیر انکل کی وفات کے تیسرے دن تک ہی ان کے رشتہ دار نشانی کے طور پر ان کے استعمال کی ایک ایک چیز اٹھا کر لے گئے اور جو زندہ نشانیاں ہیں ان کو در بدر کرنے کی پلاننگ کی جا رہی ہے، سوئم کی بریانی میں مرغی کی رانیں ڈھونڈنے والے، قورمے میں بوٹیاں، ایسے بھوکے ننگے لوگ ہیں یہ۔'' یکدم چپ ہوتا وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو بپھرے چہرے کے ساتھ کمرے میں آئی تھی، بلقیس بانو اس کے تیوروں پر گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''آپ کو ایک بات سمجھ نہیں آتی، کتنی بار کہا ہے آپ سے کہ اس گھر کے معاملات کا رونا مت

روبا کریں ہر ایرے غیرے کے سامنے۔" وہ بلقیس بانو پر چیخی ولید کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا، تمیز سے بات کروان سے۔"

"اپنے گھر میں مجھے کس طریقے سے بات کرنی ہے میں جانتی ہوں، تم کون ہوتے ہو منہ اٹھا کر مجھے ہدایت دینے والے۔" وہ بھڑک کر ولید پر برسی تھی۔

"مجھے تمہارے منہ لگنے کا کوئی شوق نہیں، اس گھر کا معاملہ صرف تمہارا نہیں ہے، پھپھو جان اور سونو کی حق تلفی کی کوشش بھی ہوئی تو میں بولوں گا، تم مجھے نہیں روک سکتیں، اب تک بہت برداشت کر چکا ہوں خاموشی سے، اپنے لالچی رشتے داروں کو سمجھا دو، پھپھو جان اور سونو کا حق ہضم کرنے کی وہ کوشش بھی نہ کریں، ان دونوں کو عزت اور اہمیت وہ دیں گے تو اس گھر میں قدم رکھیں گے ورنہ نہیں۔" وہ غصیلے لہجے میں فیصلہ سنا رہا تھا۔

"تم ہوتے کون ہو یہ فیصلہ کرنے والے کہ اس گھر میں کون قدم رکھے گا اور کون نہیں، ہم لوگ لالچی اور بھوکے ننگے ہیں تو پھر کیوں آیا تھا تمہارا باپ اپنی بیوہ بہن کے لئے میرے باپ کے تلوے چاٹنے۔" حلق کے بل چیخی وہ بلقیس کو ساکت کر گئی تھی، جبکہ ولید کا چہرہ غصے میں تپ اٹھا تھا۔

"اپنی بکواس بند کرو ورنہ منہ توڑ دوں گا تمہارا۔" وہ شدید طیش میں دھاڑا تھا۔

"ولید! خاموش ہو جاؤ، میں بات کر لوں گی، تم جاؤ یہاں سے۔" بگڑتی صورتحال پر بلقیس نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے جانا چاہا تھا مگر وہ ایک جھٹکے سے بازو ان کی گرفت سے [illegible]

"آپ کیا بات کریں گی، پہلے کبھی آپ کی کسی بات کو اہمیت دی گئی ہے جو اب یہ آپ کی کوئی بات سنے گی، آج اس نے میرے باپ پر انگلی اٹھائی ہے، میں اس کی زبان کھینچ لوں گا۔" شعلہ بار نظروں سے میزاب کو دیکھتا وہ شدید اشتعال میں تھا۔

"میرا باپ میرے سر پر نہیں رہا تو آج تم بھی بے خوف سے اپنی اوقات پر اترائے ہو تو پھر میرے خاندان پر ہی الزام کیوں؟" وہ بلند آواز میں بولی تھی۔

"کیونکہ تمہارے خاندان کا منہ ان کی اوقات سے زیادہ کھل چکا ہے، اب اگر تم نے یا تمہارے خاندان کے کسی فرد نے پھپھو جان اور سونو کے ساتھ کوئی ناانصافی یا گستاخی کی تو سب سے پہلے تمہیں اس گھر سے نکال کر سڑک پر پھینک آؤں گا پھر دیکھتا ہوں تمہارا کون رشتے دار تمہیں گھاس ڈالتا ہے۔"

"تم مجھے سڑک پر پھینکو گے۔" بھڑک کر چلاتی وہ اس کے مقابل ہوئی تھی۔

"میزاب!" اس کے اٹھتے ہاتھ پر بلقیس دہل کر چیخی تھیں، جبکہ ولید سرعت سے اس کی کلائی پکڑتا اس کا ہاتھ اپنے چہرے تک پہنچنے سے روک گیا تھا۔

"لالچی تم ہو، تمہارے ارادوں میں فتور ہے اور نیت میں بھی، مجھے میرے خاندان سے کاٹ کر تم اپنا راستہ صاف کر رہے ہو، تم اس گھر پر، میرے باپ کی جائیداد پر قابض ہونا چاہتے ہو، مگر کان کھول کر سن لو، تم پھپھو بھتیجے کبھی اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے، میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔" اپنی کلائی اس کی سخت گرفت سے نکالنے کی کوشش کرتی وہ غرا رہی تھی، ولید کی رگوں میں لہو ابل اٹھا تھا، ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑتا وہ بلقیس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو دوپٹے میں چہرہ چھپائے گھٹ گھٹ کر رو رہی تھیں۔

"سن لیا آپ نے سب یا ابھی اور بھی کچھ باقی ہے؟" سلگتے لہجے میں بلقیس سے مخاطب تھا جو اذیت سے نڈھال ہو رہی تھیں۔

"اگر آپ ابھی اسی وقت میرے ساتھ اس گھر سے جانے کے لئے راضی نہ ہوئیں تو میرا مرا منہ دیکھیں گی آپ۔" جارحانہ انداز میں بول کر وہ ان کا ہاتھ پکڑے دروازے کی سمت بڑھا تھا۔

"ایک چیز بھی نہیں لینی اس گھر سے، سونو باہر آؤ جلدی۔" باہر نکلتا وہ سخت اور بلند آواز میں سونو سے مخاطب تھا جو دیوار سے لگا سہما سا کھڑا تھا، ولید کے باہر جاتے ہی وہ سن کھڑی میزاب کی طرف بھاگا آیا تھا اور اس سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگا تھا، میزاب کا دل مٹھی میں جکڑا تھا، اس سنگین صورتحال نے اس کا سارا غصہ ہوا میں اڑا دیا تھا، سونو کو مضبوطی سے خود سے لگائے وہ باہر سے بلند ہوتی ولید کی آواز سن رہی تھی۔

"اس کے لئے اس کے رشتے دار کافی ہیں، نہیں ہے اسے آپ کی ضرورت، آپ سے اس کا تعلق اس کے باپ کے ساتھ ہی قبر میں اتر گیا ہے، ابھی اور کتنی ذلت سمیٹنی ہے آپ کو اس کے ہاتھوں؟ مت روئیں اس کے لئے، مت فکر کریں، اسے سنبھالنے کے لئے اس کے رشتے دار بہت ہیں۔" اس کی اشتعال انگیز آواز سنتی میزاب کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، سونو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی آنکھیں دھندلانے لگی تھیں تب ہی وہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ واپس آیا تھا۔

"سونو! کیا کہا تھا میں نے تم سے، چلو

یہاں سے۔'' اس طیش میں اس نے سونو کو میزاب سے الگ کرنا چاہا تھا، کیوں کہ وہ بلند آواز میں رونے لگا تھا، میزاب تڑپ اٹھی تھی۔

''تم اس طرح زبردستی نہیں کر سکتے، میں اسے نہیں جانے دوں گی۔'' وہ کانپتی آواز میں چیخی تھی۔

''جس عورت کی تمہاری نظر میں بھی کوئی حیثیت نہیں، اس کی اولاد سے بھی تمہارا کوئی تعلق نہیں۔'' غراتے ہوئے وہ سونو کو ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچ گیا تھا۔

''وہ نہیں جانا چاہتا تمہارے ساتھ۔'' غصے میں پاگل ہوتی وہ اس پر جھپٹی تھی مگر اگلے ہی پل اس کے پرے ہٹانے پر بری طرح دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔

''اب اگر تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں بھول جاؤں گا تم ایک عورت ہو، سمجھیں۔'' غصے میں تپتے اس کے چہرے پر اس کے لہجے میں کچھ ایسے سخت تاثرات تھے کہ میزاب کی آواز بند ہو گئی تھی، سفید پڑتے چہرے کے ساتھ وہ ساکت کھڑی خالی دہلیز کو دیکھ رہی تھی۔

سونو کے رونے کی آواز دور جاتی آہستہ آہستہ معدوم ہوتی گئی اور پھر مہیب سناٹا ہر سمت پھیل گیا تھا، ایک طویل عرصے سے دل میں بھڑکتی آگ اگلنے کے بعد اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ آگ کوئی بھی ہو، سب کچھ جلا کر بھسم کر دیتی ہے، دل دماغ یہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ بلقیس اسے، اس گھر کو چھوڑ کر چلی گئی ہیں، سونو اس سے دور چلا گیا ہے، وہ تنہا رہ گئی ہے، بالکل تنہا، اب اس کے چاروں طرف سناٹوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا، آگ تو اور بڑھ گئی تھی، جلن تو اب بھی کسی طور کم نہ ہوئی تھی، وہ تو اس شخص کو اذیت سے دوچار کرنا چاہتی تھی جس کا لگایا ہوا زخم آج بھی رس رہا تھا، کچی عمر کے خوابوں کو جو آگ اس شخص نے کبھی لگائی تھی، اس آگ کی جلن تو آج بھی اسے بے عزت کر کے اپنے عروج پر تھی۔

☆☆☆

بلقیس بانو جب اس کے باپ کی دوسری بیوی کی حیثیت سے گھر میں آئیں، اس وقت وہ کم عمر تھی مگر سمجھدار اور اسکول کی ذہین طالبہ تھی، بلقیس، نظیر الحسن کے دیرینہ دوست اعظم کی بہن تھیں، ان کے پہلے شوہر شادی کے چند ماہ بعد ہی کسی حادثے کا شکار ہو کر دنیا سے چل بسے تھے، نظیر الحسن جن دنوں سنجیدگی سے دوسری شادی کے بارے میں سوچ رہے تھے تاکہ گھر اور بیٹی کی طرف سے ان کی فکر دور ہو جائے تو اس دوران اعظم نے خود ہی بلقیس کے بارے میں نظیر الحسن سے بات کی تھی، اس رشتے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا، نظیر الحسن کو اپنے گھر کے لئے ایک ذمہ دار عورت کی ضرورت تھی جبکہ بلقیس ذمہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ میزاب کے لئے بھی بہت مہربان اور شفیق ثابت ہوئی تھیں مگر اس کے باوجود ان سے میزاب کا وہ تعلق استوار نہ ہو سکا تھا جو اس رشتے کا حق تھا اور اس کی سب سے اہم وجہ میزاب کے وہ ننھیالی رشتے دار تھے کہ جو بلقیس کو میزاب کی مرحوم ماں کی جگہ قبول کرنا ہی گوارہ نہیں کر سکتے تھے، میزاب بھی بلقیس کے قریب نہ ہو سکی مگر اس نے کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کیا کہ نظیر الحسن اس سے ناراض یا بدگمان ہوتے میزاب ان سے خاصا ڈرتی تھی کہ بنیادی طور پر نظیر الحسن مذہبی، تنگ نظر اور سخت گیر طبیعت کے مالک تھے، میزاب کے معاملے میں وہ کچھ زیادہ حساس تھے مگر اس کی فرمانبرداری کی وجہ سے اسے بے تحاشہ چاہتے بھی تھے، ان کی بے جا سختی اور روک

ٹوک میں میزاب کی بہتری ہی چھپی ہوتی تھی، کچھ یہی وجوہات تھیں کہ بلقیس کی مداخلت کے باوجود انہوں نے اسے کالج میں داخلہ لینے کی اجازت نہیں دی تھی البتہ اس کے پرائیویٹ تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھنے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا، میزاب کے لئے یہ چیز ناقابل برداشت تھی مگر باپ کے رعب اور اپنی فرمانبرداری کے پیش نظر اسے صبر شکر کرنا ہی تھا۔

ان دنوں وہ فرسٹ ائیر کے پیپرز کی تیاری کر رہی تھی جب سونو کی پیدائش نے گھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی، سونو کے ننھے وجود نے اسے سب کچھ بھلا دیا تھا، اس کے سارے کام بخوشی اس نے اپنے ذمے لے لئے تھے، سونو کے لئے اس کی اتنی محبت دیکھ کر بلقیس بہت خوش تھیں۔

ادھر اعظم نے بلقیس کی شادی کر دینے کے بعد اکلوتے بیٹے کو ہاسٹل بھیج دیا تھا، بیوی ان کی حیات نہیں تھیں، میزاب سے اب ایک رشتہ بن گیا تھا لیکن پھر بھی وہ عادت کے مطابق ان کے سامنے ہی بہت کم آتی تھی، سونو کی پہلی سالگرہ پر اعظم، ولید کے ہمراہ مدعو تھے، مہمانوں میں ان دونوں کے علاوہ کوئی شامل نہیں تھا حالانکہ وہ دل سے چاہتی تھی کہ اس کی اکلوتی دوست، اسکول فیلو اور پڑوسن شمع بھی سالگرہ میں آئے مگر نظیر الحسن نے صاف منع کر دیا تھا، جس کی وجہ سے اس کا سارا جوش و خروش ماند پڑ گیا تھا، وہ جانتی تھی کہ شمع کے ماڈرن طور طریقے، اونچی آواز میں بولنا، قہقہے لگانا، نظیر الحسن کو سخت ناگوار گزرتا تھا، اس کے گھر جانے کی بھی اجازت میزاب کو نہیں تھی البتہ وہ بے دھڑک صحن کے دیوار سے لٹک کر یا چھت سے میزاب کو پکار لیتی، اسی طرح بات چیت ہو جایا کرتی، میزاب کے گھر کے ماحول کی وجہ سے خصوصاً نظیر الحسن کی وجہ سے شمع بھی بہت کم آمدو رفت رکھتی تھی، میزاب کو اس کی آزادی پر بہت رشک آتا تھا، میزاب جب اس سے اس کے کالج کی فرینڈز کی باتیں سنتی تو اسے خود پر بہت ترس آتا، بہرحال سونو کی سالگرہ کا ایک موقع بھی چل رہا تھا دونوں سہیلیوں کے مل بیٹھنے کا وہ نظیر الحسن کی وجہ سے نہ مل سکا، ساری خوشی ملیامیٹ ہو گئی تھی لیکن اسے نہیں پتہ تھا کہ سونو کی سالگرہ کا دن اس کے لئے بہت خوبصورت ہونے والا ہے۔

سالگرہ کے دن پہلی بار صحیح معنوں میں ولید سے اس کا آمنا سامنا ہوا تھا، میزاب کی طرح وہ بھی بہت خاموش طبع اور سنجیدہ فطرت کا مالک تھا، میزاب کی جب جب نگاہ اس سے ملی، کوئی عجیب مگر دل کو چھو لینے والی چیز اس کی آنکھوں میں میزاب کو صرف اپنے لئے نمایاں نظر آئی، نگاہوں کا بار بار ہوتا یہ ٹکراؤ میزاب کو بہت عجیب مگر بہت اچھا بھی لگا، ولید نے بھی یقیناً اس کی آنکھوں میں اپنے لئے پسندیدگی کی جھلک دیکھ لی تھی۔

اور پھر ایک ہفتے بعد ہی ولید کی آمد دوبارہ ہوئی تھی، اس بار وہ تنہا ہی ہاسٹل سے گھر تک آیا تھا، اسے دیکھ کر خوش کن سے احساس کے ساتھ میزاب کی دھڑکنیں بھی اتھل پتھل تھیں، اس کی بھی کوشش رہی تھی کہ وہ ولید کے سامنے رہے، سونو کے بہانے ہی سہی۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں بہت خاموشی سے اظہار ہو جانے کے باوجود دونوں کی یہ جرأت بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ بلقیس کے سامنے ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے مگر میزاب بس اسی میں خوش تھی، شمع جب اپنے منگیتر کے بارے میں اس سے بات کرتی تھی تو اس کے دل میں بھی خواہش جاگتی کہ کوئی تو اس کی زندگی میں ایسا ہو جو اسے ٹوٹ کر چاہے، اس کی آنکھوں میں اپنے سپنے سجائے۔

جانے اس کا فطرتاً خوف تھا یا کیا کہ اس نے ولید کا نام بس اپنے دل میں چھپائے رکھا، شمع سے بھی کبھی اس کا ذکر نہ کیا، خاموش چاہت کی اس آنکھ مچولی میں پورا ایک سال گزر گیا تھا جب اچانک ہی اعظم بیمار ہو کر لقمہ اجل بن گئے، بلقیس صدمے سے نڈھال ہو گئیں، ولید کے درد نے میزاب کو بھی بے چین کر دیا، نظیر الحسن، ولید کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تاکہ بلقیس کو اس سے اور اسے بلقیس کے قریب رہ کر ڈھارس ملے، کچھ دن کے لئے ہی سہی مگر میزاب کے لئے ولید کی آمد کسی رحمت سے کم نہ تھی، بلقیس نے چھت پر موجود کمرہ اس کے لئے درست کر دیا تھا، ولید کو تین دن ہو چکے تھے گھر آئے مگر وہ طبیعت کی خرابی کے باعث اوپر اپنے کمرے تک ہی محدود تھا، نظیر الحسن اور بلقیس کا زیادہ وقت اوپر اس کے ساتھ ہی گزرتا جبکہ میزاب کے پاس بلا دھڑک چھت پر جانے کا کوئی جواز تھا نہ ہی اس میں اتنی ہمت تھی۔

وہ ایک ڈھلتی دوپہر کا وقت تھا، صحن کی جھاڑو دیتے ہوئے اچانک ہی اس کی نگاہ آخری سیڑھی پر موجود ولید پر پڑی تھی، اسے اچانک اپنے سامنے اور اپنی ہی سمت ایک ٹک دیکھتا پا کر اس کی روح فنا ہوئی تھی، وہ جہاں کھڑی تھی وہیں ساکت رہ گئی تھی، اس کی گھبراہٹ سے واقف ولید بھی کچھ جھجکتا ہوا اس کی طرف چند قدم بڑھا تھا۔

''پھپھو جان کہاں ہیں؟'' اس کے مدھم لہجے پر میزاب نے فق چہرے کے ساتھ بس اس کمرے کی جانب دیکھا تھا جہاں بلقیس موجود تھیں۔

''کیا تم مجھ سے بات نہیں کر سکتیں؟'' اس کے سوال پر میزاب نے بمشکل نگاہ اٹھا کر اس کی سرخ آنکھوں اور مضمحل سے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''تمہیں مجھ سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے کیا؟'' اس کے بجھے لہجے پر میزاب کی جھکی نگاہیں نم ہونے لگی تھیں اپنی بے بسی پر۔

''میں تمہاری مشکل سمجھ سکتا ہوں لیکن میں اب تم سے بات کرنا چاہتا ہوں، تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں۔'' اس کے گمبھیر لہجے پر میزاب کی دھڑکن رکی تھی۔

''میں کل دوپہر میں تمہارا انتظار کروں گا، کیا تم بس کچھ دیر کے لئے آ سکتی ہو؟'' اس کے التجائی لہجے پر میزاب کا دل پگھلنے لگا تھا۔

''اگر...... کل موقع نہ مل سکا تو......؟'' وہ بمشکل بول سکی تھی۔

''تو اس کے اگلے دن آ جانا۔'' وہ فوراً بولا۔

''اگلے دن بھی نہ آ سکی تو۔''

''تو پھر میں خود آ جاؤں گا، تمہارے پاس۔'' اس کے کہنے پر میزاب نے دہل کر اسے دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل اس کی گہری مسکراتی نظروں پر وہ سرخ چہرے کے ساتھ نظر چراتی تیزی سے برآمدے کی سمت تقریباً دوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

اسے امید تو نہیں تھی مگر شاید دعا رنگ لے آئی تھی ورنہ عموماً بلقیس دوپہر میں بہت کم سویا کرتی تھیں۔

سونو کو کندھے سے لگائے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، عجیب سی کیفیت تھی، قدموں کی لرزش نمایاں تھی مگر سونو کی وجہ سے اسے ڈھارس مل رہی تھی، چھت پر پھیلی دھوپ کے ساتھ بالکل سناٹے کا راج تھا، بے تحاشا دھڑکتے دل کے ساتھ وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی کمرے کی سمت بڑھی تھی، بند دروازے پر دستک اس نے دینی چاہی تھی کہ

یکدم کمرے سے ابھرتی مانوس آواز نے اسے ساکت کیا تھا، اس سے پہلے کہ اس کا سکتہ ٹوٹتا، دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا، اسے روبرو دیکھ کر ولید کا چہرہ فق ہوا تھا جبکہ میزاب کی پھٹی پھٹی آنکھیں اندر موجود شمع پر جا ٹھہری تھیں جس کے چہرے کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا مگر اگلے ہی پل وہ بجلی کی سی تیزی سے ولید اور میزاب کے درمیان سے نکلتی شدید بدحواسی میں دیوار کے دوسری جانب اپنے گھر کی چھت پر اترتی لمحوں میں نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی، سن ہوتے دماغ کے ساتھ وہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوئی تھی جو سناٹے میں گھرا تھا۔

"میزاب!" ہوش میں آتا وہ سرعت سے میزاب کے راستے میں آیا تھا۔

"مجھے غلط مت سمجھو، بس ایک بار میری بات سن لو۔"

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی، راستہ چھوڑو میرا۔" لرزتے لہجے میں بولتی وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"میرا یقین کرو، میں سو رہا تھا، مجھے نہیں پتہ وہ کس وقت کمرے میں آگئی، یہ لڑکی مسلسل مجھ سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور آج......"

"میری آنکھوں میں اب دھول مت جھونکو، یہی تماشہ دکھانے کے لئے بلایا تھا تم نے مجھے؟" وہ غرائی تھی، کوئی ایک دو دن کی بات تو نہیں تھی، ایک عرصے سے وہ اسے اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھائے ہوئے تھی مگر آج لمحوں میں اس کے بھروسے اور اعتبار کو وہ توڑ گیا تھا، وہ اس سے شدید نفرت اور کراہیت محسوس کر رہی تھی۔

"میرا یقین کرو، میں ایسا نہیں ہوں جیسا تم سوچ رہی ہو۔" وہ گڑگڑا رہا تھا۔

"تمہیں اب جو کہنا ہے اپنی پھپھو جان سے کہنا۔" زہرخند لہجے میں بولتی وہ اس کی روح فنا کر گئی تھی۔

"ان سے کچھ مت کہنا، میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، مجھے پھپھو جان کی نظروں میں مت گرانا۔" وہ ہاتھ جوڑتا التجائیں کرتا اس کے غصے کو اور بھڑکا رہا تھا، جو ٹوٹ چکا تھا وہ اب دوبارہ نہیں جڑ سکتا تھا، اس کی ہر التجا کو ٹھوکر مارتی وہ وہاں سے گئی تھی، کچھ ہی دیر بعد وہ کمرے میں ساکت بیٹھی وہ بلقیس کے غیض و غضب کو سن رہی تھی، ان کو آج سے پہلے کبھی اتنے طیش میں اس گھر کے در و دیوار نے کبھی نہیں دیکھا تھا، میزاب کے سامنے ہی انہوں نے پے در پے تھپڑوں سے ولید کا چہرہ سرخ کیا تھا اور پھر اس کا بازو کھینچتی کمرے میں لے گئی تھیں، اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی ناکام کوشش کرتے ہونے کے بعد ولید اب بالکل خاموش تھا۔

بلقیس اسے لعن طعن کرنے کے بعد اسے گھر سے نکل جانے کا حکم صادر کر گئی تھیں اور......

پھر وہ اسی وقت بالکل خاموشی سے چلا گیا، موت جیسا سناٹا اپنے پیچھے چھوڑ کر، بلقیس زار و قطار روتی تڑپتی رہی تھیں۔

"وہ کبھی میرے سر کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔" بلقیس ایک ہی جملہ دہراتی رہی تھیں، میزاب جانتی تھی کہ جو کچھ اس نے ان کو بتایا ہے اس نے ان کو مجبور کیا تھا ولید کے ساتھ یہ سلوک کرنے پر ورنہ بلقیس کو پورا اعتبار تھا ولید پر، وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ بلقیس کی نظروں میں ولید سچا تھا بے گناہ تھا لیکن جو کچھ اس نے دیکھا وہ اسے کانٹوں پر گھسیٹ رہا تھا۔

☆☆☆

کئی دن بیت گئے، نظیر الحسن اور بلقیس ہاسٹل چلے جاتے تھے ولید سے ملنے مگر اس دن

کے بعد سے ولید نے اس کے گھر کی دہلیز پر قدم
نہیں رکھا، ولید کی وجہ سے نظیر الحسن نے گھر میں
فون کی سہولت مہیا کر دی تھی، بلقیس تقریباً روز ہی
ولید سے بات کرتی تھیں، اس نے کئی بار چھپ کر
ان کی گفتگو سنی مگر اسے کبھی ان کی گفتگو میں اپنا
تذکرہ سنائی نہیں دیا۔

کچھ عرصہ مزید گزرا تو اسے سن گن ملی ولید
دو سال کے لئے ملک سے باہر جانے کی تیاری کر
رہا ہے، بلقیس اور نظیر الحسن ہی اسے ہاسٹل سے
ائیر پورٹ چھوڑنے گئے تھے، وہ ساری رات
اس نے تکیہ بھگوتے ہوئے گزاری تھی، یہ سچ
اذیت ناک تھا کہ شدید غم و غصے اور گہری چوٹ
کھانے کے باوجود وہ ولید کا نام اپنے دل سے
نہیں کھرچ سکی تھی، دھوکے، بے وفائی کے گھاؤ
اپنی جگہ دل یک ڈھٹائی اپنی جگہ۔

اس نے خود کو کتابوں میں گم کر لیا، دن جیسے
تیسے گزر ہی جاتا مگر راتیں بہت بھاری ہوتیں،
اسے اب عادت ہو گئی تھی ان شب و روز کی، ولید
کو گئے ایک سال کا عرصہ دبے پاؤں گزر گیا
جب ایک دن شمع کے گھر سے اس کی شادی کا
کارڈ آ گیا، بلقیس نے اس کا شادی کارڈ ایک نگاہ
بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا، جبکہ اس کارڈ کو دیکھتے
ہوئے میزاب پھر یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ اس
دوپہر چھت سے بھاگنے کے بعد شمع نے اس سے
دوبارہ بھی رابطہ کیوں نہیں کیا۔

شرمساری تھی یا کچھ اور کے چند بار آمنا
سامنا ہونے پر بھی شمع اس سے کنی کترا گئی تھی،
بہر حال نہ اسے شادی میں شرکت کرنی تھی نہ اس
نے کی، البتہ شمع کے لئے ایک خوشگوار زندگی کی
دعا اس نے ضرور مانگی تھی، وہ جیسی بھی تھی،
میزاب کی واحد دوست تھی، اس دن بلقیس سونو کو
ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لئے لے گئی تھیں
نظیر الحسن کے ہمراہ جب فون کی بیل چیخی تھی،
اسے فون کے قریب جانے کی بھی اجازت باپ
کی طرف سے نہیں تھی مگر اس وقت آنے والی
کال ولید کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی، یہ پہلا
موقع ملا تھا، ہمت نہ ہونے کے باوجود اس نے
دھڑکتے دل کے ساتھ ریسیور اٹھا لیا تھا، اس کی
آواز سن کر وہ چند لمحوں کے لئے سب کچھ یہاں
تک کہ خود کو بھی بھول گئی تھی، کس وقت آنکھوں
سے آنسو رواں ہو گئے، اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

''اوہ...... تو یہ تم ہو۔'' مکمل خاموشی نے
ولید کو چونکایا سو جب وہ بولا تو لہجہ بہت سرد تھا۔

''اس دنیا میں اگر مجھے کسی سے نفرت ہے تو
وہ تم ہو، تم نے مجھے اس ہستی کی نظروں میں منہ
کے بل گرایا تھا، جن کی ذرا سی بدگمانی بھی میرے
لئے موت ہے، جس سے شدید نفرت ہو اس کی
آواز سننا بھی عذاب ہوتا ہے اور میں تمہاری آواز
سننا بھی نہیں چاہتا، تم وہ ہو جس نے میری
التجاؤں کے باوجود مجھ پر رحم نہیں کیا تھا، تم نے
مجھے عیاش، بدکردار سمجھ کر، مجھے میری نظروں میں
گرایا، یہ میں کبھی نہیں بھول سکتا اور نہ ہی تمہیں
بھولنے دوں گا۔'' وہ انتہائی کاٹ دار لہجے میں
بولتا اسے سن کر گیا تھا۔

''میں نے بھی عہد کر رکھا ہے مجھے جب
موقع ملا، میں تمہیں ڈسوں گا، نہ مجھے تمہارے
باپ کا کوئی خوف ہے نہ پھپھو جان کا، کیونکہ اب
تم میری کمزوری نہیں ہو، میرا انتقام ہو، مرد کو
عورت سے دشمنی رکھنا زیب نہیں دیتا مگر تم تو
سات پردوں میں چھپی ناگن ہو، میرے واپس
آنے کا مقصد صرف ایک ناگن کا تکبر اور اس کا
سر کچلنا ہوگا، وہ حشر کروں گا تمہارا کہ کوڑیوں کے
دام بھی کوئی نہیں خریدنا چاہے گا تمہیں، اب
تمہارے آنسو ہی میرے سینے میں لگائی آگ کو

ٹھنڈا کریں گے، جب تک مجھ سے خود کو بچا سکتی ہو، بچائے رکھو، ورنہ سامنا تو تمہیں کرنا ہی ہے۔" اس کے خونخوار لہجے میں چھپی دھمکی نے اور سنگلاخ چٹانوں جیسے ارادوں نے پتھر کا بت بنی میزاب کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی تھی، وہ جانے اور کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر لرزتے کانپتے دل کے ساتھ میزاب اور کچھ سننے کی تاب نہ لا سکی تھی، پورے ہفتہ بھر تک وہ بخار میں پھنکتی رہی تھی، اس کے اردگرد خوف تھا، اذیت تھی، ذلت تھی، کیا کچھ نہیں تھا جس میں وہ جل رہی تھی۔

دو سال مکمل ہوتے ہی وہ واپس آ چکا تھا، گھر پر اس کی آمد بھی ہوئی تھی مگر میزاب نے خود کو اس کی نظروں سے چھپائے رکھا تھا، انجانے خوف کے تحت، ان ہی دنوں اس کی بڑی خالہ نے اپنے بیٹے کے لئے اس کا ہاتھ مانگ لیا تھا، شادی سبحان کے نوکری پر لگتے ہی انجام دینے کا وہ ارادہ رکھتی تھیں، نظیر الحسن کی کیا رائے تھی فی الحال اسے اندازہ نہیں ہوا تھا، مگر ایک دن اتفاق سے اس نے بلقیس اور نظیر الحسن کے درمیان ہونے والی وہ گفتگو سنی جو اس کو کشمکش میں ڈال گئی تھی۔

بلقیس کے مطابق سبحان ابھی بے روزگار تھا، گھر میں سب سے بڑا تھا اور اس پر پورے گھر کی ذمہ داریاں تھیں، بھرے پرے گھر میں ذمہ داریوں میں الجھ کر وہ میزاب کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے گا، ان کی یہ بات قابل غور نظیر الحسن کے لئے بھی تھی، ویسے بھی وہ میزاب کی مرحوم ماں کی اس بہن کو پسند اس لئے بھی نہیں کرتے تھے کہ بلقیس سے ان کی شادی پر سائرہ نے بہت بے پر کی باتیں ان کے خلاف کر کے محاذ قائم کیا تھا، سبحان کے مقابلے میں بلقیس نے جس شخص کا نام لیا تھا وہ بجلی بن کر میزاب پر گرا تھا۔

"ولید کے گھر میں صرف میزاب سیاہ سفید کی مالک ہو گی، آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں، ولید نے تو کہہ رکھا تھا کہ میں جہاں کہوں گی وہ وہیں شادی کرے گا، آپ کہیں تو میں میزاب سے بات کر دوں، بے شک اس کی خالہ کا حق اس پر زیادہ ہے مگر ولید کے ساتھ اس کا مستقبل زیادہ اچھا ہو گا۔" بلقیس اور کیا کچھ کہہ رہی تھیں اس سے سنا نہیں گیا تھا، وہ ساری رات اس نے آنکھوں میں کاٹ کر سوچتے ہوئے گزاری تھی، ولید اپنے ارادوں سے اسے باخبر کر چکا تھا، اس کے حق میں فیصلہ کرنا، اپنی زندگی کو خود برباد کر دینے کے مترادف تھا، سبحان کے ساتھ اسے سمجھوتا کرنا تھا مگر کم از کم وہ اسے عزت کے لائق تو سمجھتا، وہ جانتی تھی بلقیس صبح ہوتے ہی اس بارے میں اس کی مرضی پوچھنے آئیں گی، ولید کے ارادے اور فون پر اس کی گفتگو کو سامنے رکھ کر اس نے جو فیصلہ کیا، وہ صرف دماغ سے کیا، دل اس فیصلے میں شامل ہو ہی نہیں سکتا تھا، خوف اور تذبذب کا چولا اسی رات اس نے اتار پھینکا تھا، بہت خوشی اور سادگی سے اس کا رشتہ سبحان سے طے ہو گیا تھا اور اس کے اگلے ہی دن بہت عرصے بعد ولید سے اس کا سامنا ہوا۔

گیٹ ذرا کھولتے ہوئے اس نے بس ایک نگاہ اس کے کرخت تاثرات اور چبھتی نظروں کو دیکھا تھا۔

"اس وقت گھر میں کوئی نہیں، بعد میں آنا۔" اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی تھی جب وہ جارحانہ انداز میں دروازہ دھکیلتا اسے لڑکھڑا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر گیا تھا، میزاب کا دل بس ایک لمحے کو کانپا تھا مگر اگلے ہی پل وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال چکی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، سبحان کا سہارا لے کر تم

اپنی بخشش کروا لو گی؟" بھینچے لہجے میں غراتا وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"عزت و عافیت کے ساتھ اس گھر سے کیا، اس دنیا سے بھی رخصت ہونے کی خوش فہمی میں مت رہنا، مجھے ذلت سے بھری کھائی میں دھکا دینے کے بعد اپنے لئے عزت کی امید بھی مت رکھنا۔"

"تمہیں جو کرنا ہے کرو، تم آخر کر بھی کیا سکتے ہو، تم اپنے بچ، اپنے موقف پر قائل نہیں کر سکتے تو یہ تمہاری کمزوری ہے، اس کے لئے مجھے ہراساں کر کے اپنی بزدلی کے ثبوت پیش مت کرو۔" وہ بنا کسی خوف کے غرائی تھی۔

"قائل اسے کیا جاتا ہے جو قائل ہونے پر رضا مند ہو، بزدل تم ہو، ورنہ ایک بار تم اپنی دوست سے باز پرس ضرور کرتیں، تمہارے باپ نے تمہیں گھر کی چار دیواری میں قید رکھ کر اس قابل ہونے ہی نہیں دیا کہ تم کسی پر یقین کر سکتیں، صحیح اور غلط کو جانچ سکتیں، دماغ کے بغیر ادھورا نامکمل پروان چڑھایا ہے تمہیں تمہارے باپ کے اصولوں نے۔" اس کے حقارت زدہ لہجے پر میزاب کا دماغ کھول اٹھا تھا۔

"دوبارہ میرے باپ تک مت پہنچنا، عورت کو دھمکیاں دینے والے بزدل، تم خود کون سا دودھ کے دھلے ہو۔" وہ بھڑک کر بولی تھی۔

"دودھ کا دھلا ہوا نہیں مگر دودھ کا جلا ہوا ضرور ہوں، سبحان اب اگر تم سے شادی پر تیار ہو گیا تو تھوک دینا میرے چہرے پر۔"

"کیا کرو گے تم؟ مجھے بدنام کرنا ہے تو کرو جا کر، میں تو ویسے ہی تم پر تھوک چکی ہوں۔"

"ضرور، کیوں نہیں مگر پچھلے حساب بے باک کرنے کے بعد۔" ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ گرفت میں لیتا وہ غرایا تھا، میزاب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

"ولید......!" بلقیس کی غصیلی آواز پر وہ کرنٹ کھا کر پلٹا تھا، بلقیس کے ساتھ اسکول بیگ اٹھائے سونو بھی تھا، معاملے سے بے خبر وہ خوشی سے چیختا ولید کے پیروں سے آ کر لپٹ گیا تھا۔

"یہ کیا حرکت کی ہے تم نے، بتاؤ مجھے؟" غصیلے لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھیں جو کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"آپ پریشان مت ہوں، بھونکنا کتے کی خصلت میں ہے، بھونکنے دیں۔" چبا چبا کر بولتے ہوئے میزاب نے ولید کی آگ برساتی آنکھوں میں دیکھا تھا اور پھر سونو کو اس سے دور کرتی اپنے ساتھ کھینچ لے گئی تھی۔

☆☆☆

جانے بلقیس نے اسے کیا کہا کہ وہ پھر کئی دن تک گھر نہیں آیا تھا مگر ایسا تو نہیں ہو سکتا تھا کہ ہر تعلق ہی ختم کر لیتا، میزاب کو اب کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی، ولید کی آمد پر وہ اب اپنے کمرے میں چھپی نہیں رہتی تھی، اس کے تیور بگڑے ہی رہتے تھے، ذرا ذرا سی بات پر سونو کی شامت آ جاتی، اکثر وہ بلقیس کے ساتھ بھی بدتہذیبی کا مظاہرہ کر جاتی، یہ سب دیکھ کر ولید کس طرح خاموشی سے انگاروں پر لوٹتا ہو گا، یہ سوچ کر ہی میزاب کو عجیب تسکین ملتی، وہ سونو اور بلقیس کے لئے کتنا حساس تھا یہ میزاب کو پتہ تھا، ان دونوں کو تختہ مشق بنا کر وہ ولید کو جتنی ضربیں لگا سکتی تھی لگاتی تھی۔

اسے یہ چیز پسند نہیں آئی تھی کہ اس کے باپ نے انہی کے بہتر مستقبل کے لئے ہی سہی مگر ایک بڑی رقم سبحان کو ملک سے باہر جانے کے لئے دے دی تھی، اس سے زیادہ ناگوار اسے یہ

گزرا کہ اس معاملے میں نظیر الحسن نے ولید سے پہلے مشورہ کیا تھا، مرحوم دوست کی وجہ سے یا پھر بلقیس کی وجہ سے جو بھی تھا، وہ ولید کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور اب تو بہت زیادہ اسے اہمیت دینے لگے تھے، میزاب محسوس کر گئی تھی کہ اس کا سبحان کو ولید پر فوقیت دینا ان کو زیادہ پسند نہیں آیا تھا مگر بہر حال اس معاملے میں وہ جانے کیوں صرف اس کی مرضی پر چلنا چاہتے تھے اور یہ میزاب کے لئے بھی حیران کن تھا۔

☆☆☆

دنیا میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو اپنی زندگی کے لئے کسی اور کے کیے گئے فیصلوں کو بس اپنی زبان سے ادا کرنے کی آزادی اور اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی ان میں سے ہی ایک تھی۔

اگلے دو سال اس نے اپنی اسٹڈیز مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ اسکول میں ٹیچنگ کرتے ہوئے گزارے، دو سال گزرنے کے باوجود اس کی شادی کا معاملہ ملتوی ہوتا جارہا تھا، نظیر الحسن کی تشویش بڑھتی جارہی تھی، اس سے پہلے وہ کوئی قدم اٹھاتے ان کو جو دل کا دورہ پڑا وہ جان لیوا ثابت ہوا۔

ایسے کڑے وقت میں ولید کے علاوہ کوئی نہیں تھا سب کو سمیٹ کر رکھنے میں، نظیر الحسن کی تدفین سے لے کر بعد کے سارے معاملات وہی دیکھتا رہا تھا، بلقیس اور میزاب تو کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہ رہی تھیں، باپ کا سائبان سر سے ہٹتے ہی اسے دنیا مکمل بدلی دکھائی دے رہی تھی، نظریں بدل گئیں، لہجے بدل گئے اور زبانیں بھی، آج یہ رہی سہی خوش فہمی بھی ختم ہو گئی تھی کہ بلقیس کبھی اسے تنہا نہیں چھوڑیں گی، ہر سنگین صورتحال کے لئے وہ خود کو تیار کر چکی تھی مگر یہ اس کی برداشت سے باہر تھا، وہ رونا نہیں چاہتی تھی، خود کو جوڑے رکھنا چاہتی تھی مگر......

☆☆☆

شام ڈھل چکی تھی ہر سمت اندھیرا پھیل چکا تھا مگر وہ اسی طرح گھٹنوں میں چہرہ چھپائے لرز رہی تھی، باہر شدید گڑگڑاہٹوں کے ساتھ بادل برس رہے تھے، جانے اور کتنا وقت گزرا تھا جب درد سے پھٹتے سر کو اٹھا کر اس نے ارد گرد پھیلی تاریکی میں نگاہیں دوڑائی تھیں۔

یہ تاریکی اور تنہائی کا اندھیرا کسی عفریت کی طرح اسے نگل جانا چاہتے تھے، کھڑکی سے نظر آتا آسمان، زمین سے زیادہ تاریک تھا، دھواں دھار بارش کے شور نے بادلوں اور بجلی کے دل دہلا دینے والی گرج چمک نے اس کو سہما دیا تھا، اپنے اکڑے وجود کو اس نے حرکت دینے کی کوشش کی تھی کہ جب کڑکتی بجلی کے جھماکے میں اسے دہلیز پر ایک سایا حرکت کرتا نظر آیا تھا، اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، اس سے پہلے کہ خوف سے اس کی روح فنا ہوتی سرعت سے وہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتی تخت کے نیچے جا گھسی تھی، منہ پر ہاتھ رکھے وہ اپنی چیخوں کو روکتی پھٹی پھٹی آنکھوں سے تاریکی میں ان جوتوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی جن کی دھمک اسے لرزا رہی تھی، وجود برف کی طرح یخ بستہ ہو گیا تھا، بھاری جوتوں کی چاپ تخت کے سامنے کچھ وقت ٹھہرنے کے بعد اب آہستہ آہستہ کہیں عقب میں جارہی تھی، اس کا رواں رواں کسی کی موجودگی کے احساس سے کانپ رہا تھا، وہ یہاں سے نکل بھاگنا چاہتی تھی کہ سامنے کا راستہ صاف تھا، مگر اسے بھاگ کر کہاں جانا چاہیے؟ وہ ارادے پر عمل کرنے والی تھی باوجود اس کے کہ دماغ ماؤف تھا مگر تب ہی اس کے حلق سے چیخیں بلند ہوئی تھیں، ایک سخت ہاتھ نے اپنی گرفت میں اس کا

پیر جکڑ لیا تھا، ایک جھٹکے سے اپنا پیر کھینچتی وہ بھیانک چیخوں کے تخت کے نیچے سے نکلتی اندھا دھند باہر بھاگی تھی، تیز بارش کی تاریک دھند میں گرتے پڑتے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک بار پھر اس کا پیر سخت گرفت میں آیا تھا، بری طرح لڑکھڑاتے ہوئے اس کی چیخیں بارش کے ہیبت ناک شور میں ڈوب گئی تھیں، حملہ آور نے اس بے دردی سے اسے واپس نیچے کھینچا تھا کہ وہ تیورا کر اس کے کندھے پر آگری تھی، اس کا تڑپتا، مچلتا وجود کندھے پر ڈالے وہ صحن کے وسط میں پہنچا تھا کہ جب وہ مچھلی کی طرح پھسل کر اس کی گرفت سے نکلتی فرش پر جا گری تھی، اس سے پہلے کہ وہ اٹھنے کی کوشش کرتی، سر سے ٹکراتی بھاری ٹھوکر نے اس کے دماغ کو سن کر دیا تھا۔

''تمہاری وجہ سے میں نے خودکشی کرنی چاہی تھی۔'' وہ دھاڑا تھا، اگلے ہی پل دوسری زوردار ٹھوکر پر پورے وجود سے پلٹتے ہوئے اس کا چہرہ جل تھل یخ فرش سے ٹکرایا تھا، کربناک چیخیں اسے کے حلق میں گھٹ گئی تھیں۔

''کسی کی پرواہ نہیں تھی مجھے، صرف تمہارا یقین چاہیے تھا۔'' اس بار دھاڑتے ہوئے اس نے ایک ہی جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کے اٹھایا تھا، پیروں پر اٹھتے ہی میزاب نے دونوں ہاتھوں سے اسے دور دھکیلا تھا اور بجلی کی سی سرعت سے کچن کی سمت دوڑی تھی جہاں روشنی دکھائی دے رہی تھی، لڑکھڑا کر سنبھلتا وہ بھی برق رفتاری سے میزاب کے تعاقب میں تھا۔

کچن میں داخل ہوتے ہی وہ اپنی جگہ ساکت ہوا تھا، تیز روشنی وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کی پیشانی اور ناک سے رستا خون اس کے چہرے کو رنگ گیا تھا مگر ولید کے اوسان اس کے ہاتھ میں موجود چھری کو دیکھ کر خطا ہوئے تھے جو اس نے گردن سے لگا رکھی تھی۔

''میزاب یہ مت کرو، میں یہاں سے ایک قدم بھی آگے نہیں آؤں گا، چھری پھینک دو۔'' ولید نے بہت تحمل سے مخاطب کیا تھا۔

''تمہارے دل کی بھڑاس ابھی نکلی نہیں ہو گی، میں وہی کر رہی ہوں جو تم نہیں کر سکتے مگر کرنا چاہتے ہو۔'' وہ لرزتے لہجے میں چیخی تھی، چھری کی دھار تلے اس کی گردن پر خون کی باریک لکیر بہتی چلی جا رہی تھی۔

''میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا اور جو چاہا وہ تم نے ہونے نہیں دیا تھا، تمہاری عقل میں یہ بات نہ پہلے کبھی آئی ہے نہ آ سکے گی۔'' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

''تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی میں کے زعم میں رہنا چاہتے ہیں، حقیقت کا شکار ہونے کے باوجود اس سے نظر چرائے رکھتے ہیں، ہر اس حقیقت سے جو ان کی توقع کے مطابق نہیں ہوتی، تمہاری دوست غلط تھی یا میں، دونوں میں سے کون بے گناہ تھا؟ تم چاہتیں تو معاملہ ایک طرف ہو سکتا تھا، مگر میں جانتا ہوں تم آج بھی یقین اور بے یقینی کی دونوں کشتیوں میں سوار ہو، تمہیں صرف اپنا آپ عزیز رہا، باقی دنیا جائے جہنم میں، تم نے یقین کرنا تھا نہ تم نے کیا مگر مجھے سولی پر ضرور لٹکا دیا تم نے، مجھے لگا تھا کہ ہمارے خاموش جذبے ہمیں محبت کے اس مقام تک لے آئے ہیں جہاں ہم آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہیں، مجھے لگا اعتبار کا یہ تو مضبوط رشتہ ہے کہ تم تنہائی میں بھی مجھ تک آنے کے لئے تیار ہو مگر......'' سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ ایک پل کو خاموش ہوا تھا۔

''تمہیں یہ سلوک میرے ساتھ نہیں کرنا
چاہیے تھا میزاب، میں تمہاری ناراضی، تمہارے
سخت جملوں کا مستحق ضرور تھا مگر اس بے رحم
سلوک کا مستحق ہر گز نہیں تھا اگر ایسا ہی کمزور تعلق
تھا تو پھر ایک طویل عرصے تک تمہیں اس غلط فہمی
میں مجھے نہیں رکھنا چاہیے تھا کہ تمہاری چاہتوں کا
مرکز میں ہوں، تمہاری خوشی، تمہاری مسکراہٹوں کا
باعث میں ہوں۔'' اس کے تھکے تھکے بوجھل لہجے
اور دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے
میزاب کی آنکھوں سے گرم سیال بہتا جا رہا تھا، وہ
چاہتی تھی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

''تم نے مجھے میری نظروں میں گرا کر ہر
بے معنی چیز کو مجھ پر فوقیت دی، لیکن میرے دل
میں جو اونچا مقام تمہارا تھا وہ اونچائی پر ہی رہا،
ی لئے میرا دل مجھے مجبور کرتا رہا کہ میں اپنا
مروسہ، اپنا اعتبار تم سے مانگوں، ضد کرتا رہوں،
مگر...... تم نے سبحان کو مجھ پر فوقیت دے کر سب
تم کر دیا، میری آس، امید، خواب سب کچھ۔''
شدید آزردہ لہجے میں وہ بولا تھا اور پھر دزدیدہ
ظریں اس پر سے ہٹاتا وہاں سے چلا گیا تھا، اس
ے بے جان ہاتھ سے چھری نکل گئی تھی، دیوار کا
ارا لیتی وہ بے دم ہو کر نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی،
ے قصور کس کا تھا، شمع کا جو عزیز از جان تھی، جو
ادوسرا رخ اسے دکھا کر اس کے دل، اس کی
گی سے چلی گئی تھی، یا پھر قصور وار ولید تھا جو
وقت یا تو قائل کرنے کے قابل نہیں تھا، یا
کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا، مگر نہیں، شاید
روار وہ خود تھی۔

اسے اپنے ہی جذبوں پر اگر اعتبار ہوتا تو وہ
بر وہ ہمت کر لیتی شمع سے باز پرس کرنے کی،
رف بڑا رکھ کر تحمل سے ولید کی بات سننے کے
کوئی قدم اٹھاتی، لیکن شاید عمر کا وہ دور ہی

نادانی کا تھا، جنون کا تھا، مگر اب سب کچھ بدل چکا
تھا، وہ جانتی تھی کہ آج کے بعد باقی سب کچھ بھی
بدل جانا ہے، اس کی دھندلائی نگاہیں اس پر
ساکت ہوئیں تھیں جو ہاتھوں میں فرسٹ ایڈ کا
سامان اٹھائے تیز قدموں سے اس کی سمت آ رہا
تھا، پہلی بار وہ اتنے قریب سے اسے دیکھ رہی تھی
جو گھٹنوں کے بل بیٹھا کاٹن سے اس کی گردن کا
زخم صاف کر رہا تھا، اس کے بھیگے بال بکھرے
ہوئے تھے، چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ تھی،
میزاب کی نگاہیں خود پر محسوس کرنے کے باوجود
وہ اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔

''سبحان شادی کر چکا ہے۔'' اس کی مدھم
آواز پر ولید نے چونک کر اسے دیکھا تھا مگر پھر
اسی خاموشی سے گردن کے زخم پر بینڈج کرنے
لگا تھا۔

''ابو کے انتقال سے دو ماہ پہلے اس نے
بات کرنی چاہی تھی، ابو کو اس بارے میں بتانے
سے منع کیا تھا اس نے، اس سے پہلے بھی اس
نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا تھا، سو میں سمجھ گئی کوئی
اہم بات ہو گی، ایک لڑکی کا ذکر کیا تھا اس نے،
جس کا خاندان اسے ہر طرح سے سپورٹ کرنے
کے لئے تیار تھا، وہ خود بھی یقیناً یہی چاہتا تھا کہ
وہاں ہمیشہ کے لئے سیٹل ہو جائے، وہاں شادی
کر کے اس ملک کی شہریت، گرین کارڈ، گھر،
گاڑی، کاروبار سب کچھ حاصل ہونے والا تھا۔''
سپاٹ لہجے میں وہ بتا رہی تھی، اس کی پیشانی پر
چپکے بال ہٹاتا وہ اب پیشانی کا زخم صاف کر رہا
تھا۔

''وہ مجھے بتائے بغیر بھی وہاں شادی کر سکتا
تھا، یہ سب مجھے بتانے کے پیچھے کیا وجوہات تھیں
نہ اس نے بتایا، نہ میں نے پوچھا، یہی کمزوری تو
زمین میں اتارتی رہی ہے مجھے، جو سنا بس ایسے

ہی سچ مان کر زبان بند رکھی، جو آنکھوں سے
دیکھا، وہ چاہے نظر کا دھوکہ ہی کیوں نہ ہو مگر اسے
اٹل حقیقت جانا۔'' اس کے لرزتے مدھم لہجے پر
ولید نے ایک نظر اس کی جھکی آنکھوں کو دیکھا تھا۔
''کہہ دیا میں نے اس سے کہ وہ جہاں
چاہے شادی کرے مگر شادی کی خبر فی الحال یہاں
تک نہ پہنچنے دے، میں جانتی تھی کہ ابو میرا رشتہ
اس سے ختم کرنے والے ہیں مگر ابو اس سے پہلے
ہی......'' وہ بات مکمل نہ کر سکی تھی، باہر بارش کا
زور ٹوٹتا جا رہا تھا۔
''سبحان نے شادی کر لی ہے، یہ بات مجھے
پتہ ہے، کیسے بے خبر رہ سکتا تھا، دو ہی تو باذوق
رہے تھے اس شہر میں، ایک میں اور دوسرا میرا
رقیب رہا تھا۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر میزاب نے
اسے دیکھا تھا۔
''سبحان نے تصدیق مل جانے کے باوجود
میں خاموش رہا کیونکہ وہ مجھے بتا چکا تھا تم سے اپنی
گفتگو کے بارے میں، تمہاری چپ میں مصلحت
تھی سو میں بھی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں
گیا۔'' اپنی جگہ سے اٹھ کر اس میزاب کی طرف
ہاتھ بڑھایا تھا، میزاب نے اس کی آنکھوں میں
دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتی اٹھ گئی
تھی۔
''ایک مشورہ ہے، تم کل ہی سبحان کو فون پر
کہہ دو کہ اب وہ اپنے گھر والوں کو اپنی شادی کی
خبر سے آگاہ کر دے۔'' اس کی تاکید بھرے لہجے
پر میزاب نے اثبات میں سر کو حرکت دی تھی۔
''میرا گھر اس قابل نہیں کہ تم وہاں قدم رکھو
مگر میں سونو سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ اس کی بجیا
کو ساتھ لے کر آؤں گا، پھپھو جان بھی مجھ سے
بہت ناراض اور تمہارے لئے پریشان ہیں، ان کو
[illegible]

چاہو تو میں ان دونوں کو ابھی واپس لے آتا
ہوں۔''
''نہیں، میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔''
اس کی بجھی آنکھوں سے نگاہ چراتی وہ اس کے
سامنے سے ہٹ گئی تھی۔
''میزاب......!'' ابھرتی پکار پر اس کے
قدم ہی نہیں دھڑکن بھی رک گئی تھی۔
''پتہ نہیں کون سا جنون طاری ہوا تھا مجھ پر
لیکن ابھی جو سب ہوا اس کے لئے میں تم سے
معافی مانگتا ہوں، میں ہرگز بھی اس حد تک نہیں
جانا چاہتا تھا۔'' نظریں چرائے وہ رک رک کر
بولا تھا، میزاب چند لمحوں تک اس کے چہرے پر
پھیلی ندامت کو بغور دیکھتی رہی تھی۔
''میں پھپھو جان کو فون کرتا ہوں، وہ
ہمارے انتظار میں پریشان ہو رہی ہوں گی۔''
اس کی خاموشی پر وہ ایک نگاہ اس پر ڈالتا مدھم
لہجے میں بولا تھا جبکہ میزاب چپ چاپ کچن سے
نکل گئی تھی۔

☆☆☆

''مجھے معاف کر دیں، میرے لئے آپ اور
سونو سے بڑھ کر کوئی اہم نہیں ہے، جو لوگ آپ
دونوں کو اہم نہیں سمجھ سکے وہ کبھی میرے بھی نہیں
ہو سکتے، وہ آپ کے شوہر کا آپ کا گھر ہے، سونو کا
گھر ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس گھر سے آپ کا
حق ختم نہیں کر سکتی۔'' بلقیس کے گلے لگی وہ بہتے
آنسوؤں سے بولی تھی۔
''جب تم میرے ساتھ ہو تو مجھے کسی چیز کے
چھن جانے کا غم نہیں ہے میزاب، میرا سہارا تو تم
ہو تمہارے بعد ولید اور سونو ہیں۔'' اس کے آنسو
پونچھتیں بلقیس گلوگیر لہجے میں بولی تھیں۔
''میری ہی کمزوریاں تھیں کہ میں کبھی تمہیں
اور ولید کو صحیح غلط نہ سمجھا سکی، مگر آج کہنا چاہتی

ہوں کہ وہ برا نہیں ہے، تم نہیں جانتیں کہ اس نے تمہارے لئے مجھ سے کتنی التجائیں کی تھیں، کتنا جھگڑا کیا تھا، مگر میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکی، میں تم سے یہ تک نہ کہہ سکی کہ سبحان کو ولید پر ترجیح نہ دو۔"

"آپ کا کوئی قصور نہیں، سب میری غلطی اور بے وقوفی کا نتیجہ ہے، میں کچھ نہ سہی مگر اتنا تو جانتی ہوں کہ آپ کی خواہش میں میری بھلائی ہے، اب وہی ہوگا جو آپ چاہتی ہیں۔" اس کے مستحکم لہجے پر بلقیس بے یقینی سے دیکھتی رہی تھیں۔

"سونو کہاں چلا گیا؟" لاؤنج میں نگاہ دوڑاتی وہ پوچھ رہی تھی۔

"تمہارے سامنے ہی تو ولید کے ساتھ نکلا ہے، ولید بھی تمہیں یہاں چھوڑ کر دروازے سے ہی واپس چلا گیا، بھیگے کپڑے بھی بدلنے نہیں رکا، باہر اتنی سرد ہوا چل رہی ہے، میں نے کہا بھی تھا کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ بنا لوں گی مگر اس نے سنا ہی نہیں، کہہ گیا ہے کچن میں کوئی نہ جائے، کھانا وہ باہر سے ہی لانے گیا ہے، میں نے اس سے تمہاری پسندیدہ بریانی لانے کے لئے کہا ہے، کتنے ہی دن گزر گئے، اپنے ابو کے گزر جانے کے بعد سے اب تک تم نے بریانی بنانے کی فرمائش بھی مجھ سے نہیں کی۔" بلقیس کے نم لہجے پر اس کے حلق میں بھی آنسوؤں کا گولا اٹک گیا تھا۔

"تم بارش میں صحن میں کیوں نکلیں؟ اگر زیادہ چوٹ لگتی تو وہاں کون تھا تمہیں سنبھالنے کے لئے، مگر تمہاری گردن پر یہ......"

"کوئی زیادہ چوٹ نہیں ہے، ولید کے آنے پر گیٹ کھولنے تو جانا ہی تھا، پتہ ہی نہیں چلا کیسے پیر پھسلا۔" سرعت سے بلقیس کی بات کاٹ کر بہانہ بناتے ہوئے اس نے ان کی توجہ اپنی گردن سے ہٹائی تھی، تب ہی کال بیل کی گونجتی آواز پر بلقیس کو اس کے پاس سے اٹھنا پڑا تھا۔

کھانے کے وقت ہی ولید سے اس کا سامنا ہوا تھا، سیاہ جینز کے ساتھ سیاہ ہی کرتے میں ملبوس وہ میزاب سے بالکل لاتعلق سونو اور بلقیس کی طرف ہی متوجہ رہا تھا یہ الگ بات کہ چور نگاہوں سے میرون گرم شال کے ہالے میں اس کے سستے ہوئے اور بالکل اترے مرجھائے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں شرمسار ہوتا رہا تھا۔

کھانے کے بعد وہ بلقیس کے کہنے پر سونو کے ہمراہ گھر کا جائزہ لینے میں معروف ہو گئی تھی کیونکہ وہ پہلی بار یہاں آئی تھی، کچھ وقت سونو کی ضد پر وہ ٹیرس پر رکی رہی، بارش تو رک چکی تھی مگر بڑھتی ٹھنڈ کے باعث وہ زبردستی سونو کو ساتھ لئے واپس کمرے کے گرم ماحول اور کمبل میں آ گئی تھی، کچھ وقت کے بعد بلقیس بھی اس کے پاس آ گئیں تھیں، میزاب کو یہی وقت مناسب لگا تھا ان کو سبحان کی شادی کے بارے میں باخبر کرنے کا، بہت سنبھل کر اس نے ان کو یہ اطلاع دی تھی اور ساتھ ہی یہ باور بھی کروا دیا تھا کہ اسے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اپنے باپ کی طرح وہ بھی بہت پہلے سے سبحان سے اپنا رشتہ ختم کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھی، ساتھ ہی اسے نے تاکید کی تھی کہ سبحان کی شادی کی خبر ابھی اپنے تک ہی رکھیں، یہ خبر سبحان کے ذریعے ہی عیاں ہونی چاہیے۔

سونو سو چکا تھا اور پھر باتیں کرتے کرتے بلقیس بھی، مگر وہ سر میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کی وجہ سے سو نہیں پا رہی تھی، برداشت حد سے گزری تو اسے گرم کمبل سے ایک گرم چائے کی طلب میں

نکلنا پڑا تھا، ابھی وہ کچن میں داخل ہونا ہی چاہتی تھی کہ یکدم ہوتے تصادم نے اسے بوکھلا دیا تھا مگر اگلے ہی پل ولید کے فق تاثرات پر وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی۔

''تمہارا ہنسنا جائز ہے، میں واقعی ڈر گیا تھا، کوئی شک نہیں۔'' جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

''کسی چیز کی ضرورت ہے تو حکم کیجیے۔'' سینے پر ہاتھ رکھے وہ مودب انداز میں بولا تھا۔

''تمہاری وجہ سے میرا سر تکلیف سے پھٹ رہا ہے، ایک کپ چائے بنانے آئی تھی۔'' مسکراتی نظروں سے میزاب نے اس کے یکدم سنجیدہ ہوتے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''میں ابھی تمہارے لئے چائے بناتا ہوں اور ساتھ ہی ٹیبلیٹ بھی لو، تمہیں اس کی ضرورت ہے، تم چاہو تو کچن میں ہی آجاؤ۔'' وہ کرسی کھینچ کر ٹیبل کے گرد بیٹھتی خاموشی سے کچن کا جائزہ لینے لگی تھی۔

''میں اب تک ہزار بار خود پر لعنت بھیج چکا ہوں۔'' کیبنٹ سے مگ نکالتا وہ بہت شرمندگی سے بولا تھا۔

''ملک سے باہر دو سال رہ کر تم کوکنگ ایکسپرٹ بن سکے یا نہیں؟'' میزاب نے جان بوجھ کر موضوع بدلا تھا۔

''کسی حد تک ضرور ہوا ہوں ایکسپرٹ۔'' ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈالتا وہ بولا تھا۔

''گھر کیسا لگا تمہیں؟''

''بہت اچھا مگر کچھ بکھرا بکھرا سا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی۔

''گھر ہی نہیں، میں خود بھی بکھرا ہوا ہوں مگر کیا کروں سمیٹنے والی راضی نہیں ہوتی۔'' اس کے معنی خیز لہجے پر وہ چپ رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ اپنا مگ تھامے اس کے سامنے ہی ٹیبل کے گرد بیٹھا تھا۔

''ٹیبلٹ اثر دکھانا شروع کر چکی ہے یا نہیں؟''

''ہاں اثر تو ہو رہا ہے۔'' مگ اٹھاتی وہ بس ایک پل کو مسکرائی تھی۔

''کہاں چھپا لیا تم نے اپنے اس روپ کو، جس میں تم میری خطائیں نظر انداز کر کے مجھ سے نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا؟'' اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر میزاب نے اسے دیکھا تھا۔

''شاید انا کی دھند میں، جیسے تم نے اپنا یہ مہربان اور خیال رکھنے والا رخ چھپائے رکھا تھا۔'' وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''میزاب! تم جانتی ہو نظیر الحسن انکل نے آخری وصیت کیا کی تھی؟'' بغور اس کے تاثرات دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

''ہاں، انہوں نے کہا تھا کہ میرا رشتہ سبحان سے ختم کر کے، میری شادی تم سے کر دی جائے تاکہ میں، سونو ای اور تم ایک ہو کر رہیں، ہمارے لئے ان کو صرف تم پر بھروسہ تھا۔'' نظر جھکائے وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''اور میں ان کے بھروسے کو اپنی آخری سانس تک ٹوٹنے نہیں دوں گا۔'' اس کے بلا جھجک کہنے پر وہ اسے دیکھ نہیں سکی تھی۔

''میزاب! اب جو میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں اس کے بعد شاید تم دوبارہ مجھ سے متنفر ہو جاؤ مگر دل کو یہ یقین سا ہے کہ تم اس سچ کو پیچھے میرے جذبات کو ضرور سمجھو گی۔'' ولید کے متذبذب انداز نے اسے چونکا دیا تھا۔

''یہ کتنی عجیب بات ہے کہ میں نے جسے چاہا اس کی انا کے سامنے اپنی انا کو کسی طور کم نہ ہونے

دیا مگر اس کے لئے کسی تیسرے انسان کے سامنے التجا کرنا منظور تھا۔" بولتے ہوئے وہ ایک پل کو رکا تھا۔

"جس دن مجھے سبحان سے تمہارا رشتہ طے ہونے کی خبر ملی، اس دن میں شاید خود کو بھی تہس نہس کر دینا چاہتا تھا، میں جانتا تھا کہ یہ سب میری غلطیوں کا ثمر ہے، جانتا تھا کہ کیوں تم نے مجھ پر سبحان کو فوقیت دی، میں اگر تم سے بدگمان تھا، تو بری میں نے خود کو بھی نہیں کیا، ہمارے درمیان غلط فہمیاں، بے یقینی، انا کی دیواریں حائل رہیں مگر ہم نے ان دیواروں کو گرانے کی کبھی کوشش نہیں کی، کبھی کبھی خاموشی بہت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے، یہ غلط فہمیوں کو مضبوط کرتی ہے اور تعلق کو کمزور، مجھے تم سے رابطہ رکھنا چاہیے تھا، خود کو سچا ثابت کرنے کے بجائے تمہارا اعتبار واپس حاصل کرنے کی، تمہیں قائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔" اس کے مضطرب لہجے پر وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"غصے میں، میں نے کئی بار یہ چاہا کہ سبحان کو تمہارے خلاف کر دو، تمہیں اپنے سامنے جھکا دوں، مگر میرا دل اس سفاکی پر راضی نہ تھا، میں تمہارے دامن پر کیچڑ نہیں اچھال سکتا تھا، یہاں بات میری انا کی تسکین کی نہیں، تمہاری عزت کی تھی، روح کو تسکین اسی فیصلے سے ملتی ہے جس میں دل، دماغ دونوں کی رضا مندی شامل ہو، انجام پھر جو چاہے ہو۔" گہری سانس لے کر اس نے میزاب کو دیکھا تھا۔

"جس دن سبحان کی فلائٹ تھی اس سے ایک دن پہلے میں نے اس سے ملاقات کی تھی، میں نے اس سے کہہ دیا جو میرے دل میں تمہارے لئے تھا جس سے تم بھی ناواقف تھیں، میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ سارے جذبات میرے دل تک محفوظ ہیں، میزاب ان سے لاتعلق ہے، یہ سب یکطرفہ ہی ہے اور یہ کہ میں ابھی خود کو اسٹیبلش کر رہا تھا تو کیسے تمہارا نام زبان پر لاتا نظیر الحسن انکل کے سامنے، اس نے غور سے میری باتوں کو سنا اور سمجھا، اس نے کہا تھا کہ تم سے اس کا رشتہ اس کی ماں کی وجہ سے ہوا تھا، یعنی کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی مگر اس وقت وہ کوئی قدم اٹھاتا صرف میرے لئے تو معاملات خراب ہو سکتے تھے، یہ میں بھی نہیں چاہتا تھا اور......"

میزاب کے چہرے کے بدلتے تاثرات پر وہ جو سنبھل سنبھل کر بول رہا تھا ایک لمحے کے لئے رک کر گلا کھنکھار کر اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اور پھر وہ تم سے کیا وعدہ کر کے گیا اس کے بارے میں، میں تمہیں بتا دیتی ہوں۔" اس کے سپاٹ لہجے نے ولید کو حق دق کر دیا تھا۔

"اس نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تب تک واپس نہیں آئے گا جب تک کہ ابو خود تنگ آ کر اس سے میرا تعلق ختم نہ کر دیں، سبحان نے تم سے کیا وعدہ نبھایا، مگر میرے باپ کے ارمان تو ان کے ساتھ ہی قبر میں چلے گئے، مگر قصور میرا ہی ہے، میں ہی کبھی کسی پر یقین کرنے کے قابل نہیں تھی، اعتبار کرنا شاید مجھے اس لئے نہیں آ سکا کہ وہ کبھی مجھ پر نہیں کیا گیا، تحفظ کے نام پر گھر کی چار دیواری میں دنیا کی نظروں سے چھپا کر رکھا گیا، اپنی ماں کے بچھڑ جانے کے بعد میں یہ بھی نہ سیکھ پائی کہ اپنی ذات کا بھروسہ کیا ہوتا ہے۔"

"میزاب! میں تمہاری اس تکلیف اور مشکل کو پہلے بھی سمجھتا تھا، احتیاجات زیادہ نہیں تھیں، آج خود کو مورد الزام نہ ٹھہراؤ، نظیر الحسن انکل تمہاری طرف سے بہت مطمئن ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، جو میں نے تمہیں بتایا

ہے وہ بتانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ میں کسی قیمت پر تمہیں گنوانے کا تمہیں کھو دینے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا، تم جتنا چاہے برا بھلا کہو، میں سنوں گا مگر میرے بے لوث جذبوں پر شک مت کرنا، میں تمہارا اعتبار جیتنے کی کوشش کرتا رہوں گا لیکن کبھی مجبور نہیں کروں گا، آخری فیصلہ ہمیشہ کی طرح آج بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

''میرا فیصلہ اب وہی ہے جو ہونا چاہیے، وہی جو مجھ سمیت سب کے لئے اہم ہے۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ مجھے کسی بھی الزام سے بچانے کے لئے تم نے سبحان سے یکطرفہ ہونے کا ذکر کیا تھا مگر میں انجان نہیں تھی، تمہارے ان جذبات سے جو میرے لئے تمہارے دل تک محدود تھے، میں اتنی بھی بے حس نہیں تھی۔'' بات ختم کرتی وہ کرسی سے اٹھی تھی، اس نے اپنے مگ کے ساتھ ولید کا خالی مگ بھی اٹھانا چاہا تھا مگر اسے روک کر ولید مگ اٹھائے سنک کی جانب بڑھ گیا، جبکہ میزاب اس کی پشت سے نگاہ ہٹا کر دبے قدموں کچن سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

ٹیرس کے کھلے دروازے سے اندر جھانکتی تیز نور جیسی روشنی نے اس کے قدم اپنی جانب کھینچ لئے تھے، مدھم یخ بستہ ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال کیا تھا، آسمان خوب برسنے کے بعد اب بالکل صاف تھا، بے شمار جگمگاتے تاروں سے سجا، پورے چاند کی پرفسوں بکھری چاندنی میں پر سکوت رات جانے کن جادوئی لمحوں سے گزر رہی تھی، اس کی پراسرار خاموشی میں ہوا کی مدھم سرسراہٹیں تھیں وہ یکدم آہٹ پر چونک کر پلٹی تھی۔

خیرہ کن روشنی میں بھیگتے اس کے نقش بہت ماورائی سے دکھائی دیے، ولید کو اپنی دھڑکنیں کہیں گم ہوتیں محسوس ہو گئی تھیں، خود پر جمی اس کی کشادہ سیاہ آنکھوں سے جانے کیوں وہ خود سے بھی غافل ہونے لگا تھا، ٹیرس پر موجود رات کی رانی اور کھلے گلابوں کی مہک اچانک ہی بہت تیز ہو گئی تھی۔

''یہ رات کتنی خوبصورت اور سحر انگیز ہے۔'' وہ مدہم آواز میں بولی تھی۔

''ہاں، ایسا ہی ہے، کیونکہ اب ہم نے محبت کی اس خوشبو کو پا لیا ہے جس کا بیج قدرت نے ہمارے دل میں بویا تھا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا گمبھیر لہجے میں بولا اور پھر اس کے سامنے سے ہٹ گیا، میزاب نے حیرت سے اسے دیکھا جو گلاب کا ایک پھول شاخ سے الگ کرتا واپس اس کے مقابل آٹھہرا تھا۔

''سرخ گلاب دینے کا، مطلب تو سمجھتی ہوں گی آپ؟'' پھول اس کی سمت بڑھاتا وہ بولا تھا، دوسری جانب مسکراتے ہوئے میزاب نے پھول اس سے لیا تھا۔

''ظاہر ہے، اب بھی نہ سمجھے تو مر جائیں گے۔'' اس کے مسکراتے لہجے پر بے ساختہ ہنستے ہوئے ولید نے قدرے اس کی جانب جھک کر اس کے اردگرد ٹیرس کی آہنی باؤنڈری پر اپنے ہاتھ جمائے تھے، جبکہ اس تنگ مگر مضبوط حصار اور اتنی قربت پر میزاب کی سانس اور دھڑکن ساکن ہوئی تھیں۔

''پھر کیا سمجھ چکی ہو تم؟ کم از کم اب تو بتائے بغیر رہائی نہیں دینے والا میں......'' اس کے مخمور لہجے میں چھپی حسین دھمکی اور اپنی پیشانی سے ٹکراتی اس کی سانسوں کی حدت نے میزاب کے چہرے کو دہکا دیا تھا، مہکتا پھول درمیان میں لا کر اپنے چہرے کو پیچھے کرتی وہ لبوں پر بکھری حیا آلود مسکراہٹ اس کی گہری نظروں سے نہیں چھپا سکی

تھی۔

"دیکھو مجھے تم پر بالکل رحم نہیں آنے والا کیونکہ تمہارے پیچھے خوار ہو ہو کر یہ بندہ پردرذعیث ہو چکا ہے۔" اس کی جھجک سے لطف اندوز ہوتا وہ شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

"دیکھو، اگر اس طرح مجھ سے نظر چرائے رکھی تو اس پھول کو جو اس وقت تم ظالم سماج بنا کر درمیان لے آئی ہو، اس کے حد توڑنے میں مجھے وقت نہیں لگے گا۔" اس کے خبردار کرنے والے انداز پر میزاب نے ذرا کی ذرا بھاری پلکیں اٹھا کر اس کی چاہت سے لبریز مسکراتی آنکھوں میں دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل وہ اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتی بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسی تھی، جانے کتنی صدیوں سے سانسوں میں بسا قریب موجود یہ شخص خود کو منواتا۔

اب جان چکا تھا مگر یہ دل تو صدیوں پہلے ہی سے اسے اپنا چارہ گر مان چکا تھا، زبان سے فی الحال اس کا اقرار کرنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا، لیکن آنکھیں تو سب کچھ کہہ رہی تھیں، کچھ رشتے بس اچانک ہی بن جاتے ہیں، بے نام سے، بے وزن سے، بے رنگ سے، بالکل محبت کے اس ابتدائی دور کی طرح جس میں جذبات بے سروپا سے ہوتے ہیں، کبھی پرسکون بہتی ندی کے جیسے کبھی بحر تلاطم جیسے...... مگر جیسے، جیسے محبت اور چاہتوں کے رشتے پنپتے ہیں، یہ اپنا رخ، اپنا بہاؤ اور رنگ خود ہی متعین کر لیتے ہیں، ولید اور اس کے درمیان بھی کچھ ایسا ہی سلسلہ رہا تھا اور اب جذبے نکھر چکے تھے۔

ساحت رنگ سے سج گئے تھے، اعتبار، یقین، مستحکم ہو چکا تھا اور پھر محبت وقت آنے پر سب کچھ منوا ہی لیتی ہے۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

سولہویں قسط کا خلاصہ

امرکلہ کو جو عورت آگے بڑھ کر گلے لگاتی ہے، وہ اس کی ماں ہوتی ہے۔
امرت فنکار کی ڈائری میں محبت کے باب کے بعد حقیقی باپ پر رک جاتی ہے۔
حالار اور علی گوہر فنکار کو ہر شام ڈھونڈنے نکلتے ہیں۔
لاھوت اور امرت کی ماضی کے بارے میں بات ہوتی ہے۔
فنکار نوجوان کے گھر سے بد دل ہو کر جب نکلتا ہے تو اسے بالآخر نواز حسین کا تانگہ مل ہی جاتا ہے۔
نواز فنکار کو امرکلہ کی حیران کن کیفیت کے بارے میں بتاتا ہے اور اسے فنکار جواز بتاتے ہوئے اور حیران کر دیتا ہے۔
حقیقت کے باپ میں فنکار اور اس کی بیوی ایک دوسرے پر برس رہے ہیں اور چند ماہ کی بچی حراساں ہو کر بلک رہی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

سترھویں قسط

علی گوہر کے ہاتھ میں کالا تھیلا تھا اور وہ عمارہ کی مشکوک نگاہوں کی زد میں تھا، تھیلے پر جمے ہاتھ کی گرفت کو پسینہ آ گیا، یہ پسینہ گرمی کی وجہ سے نہ تھا، کسی کی نظر کی اشتیاق کی تپش تھی ایسے ہی نہیں انسانی نظر کا اثر ہوتا کسی چیز پر، اس نے عمارہ کی نظروں کے زاویے کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

''مجھے کھا جاؤ گی یا پھر تھیلے کو۔'' کہتے ہوئے کمرے میں گھس گیا۔

اسے دیکھ کر حالی اٹھ گیا، اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آ گئے علی گوہر، کہاں گئے تھے؟'' اس کی نظر ابھی تھیلے پر نہیں گئی، علی گوہر کی چمکتی آنکھوں کے اشتیاق پر ٹھہر گئی۔

''خیریت ہے گوہر۔'' وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

''تمہیں خیریت لگ رہی ہے۔'' وہ اور مسکرایا، علی گوہر جب مسکراتا تھا تو زندگی اس کے ساتھ مسکراتی تھی۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے محبوبہ سے مل کر آئے ہو۔'' حالی بھی مسکرایا، تب بھی زندگی مسکراتی تھی، حالی بھی اس کا حصہ تھا مطلب زندگی کا۔

علی گوہر خوش ایسے ہوا جیسے واقعی محبوبہ سے مل آیا ہو۔

''محبوبہ سے مل کر نہیں آیا مگر محبوبہ سے ملنے جاؤں گا۔''

عمارہ دروازے کے بیچ رک گئی، اشتیاق کی سانس رک گئی، لمحہ بھاری تھا، حالی حیران ہوا۔

''یار کبھی حیرانیوں سے باہر نکل کر دیکھا کرو کہ کتنے حیران کن لمحے آگے بھینے کے لئے بے قرار ہیں، اٹھو کھانا کھایا ہے یا نہیں، نہائے ہو یا نہیں، منہ شکل دھویا ہے کہ نہیں مگر اٹھو، محبوبہ سے ملنے کے لئے سجنے کی کیا ضرورت ہو گی۔''

''محبوبہ سے ہی ملنے کے لئے سجا جاتا ہے، مگر محبوبہ تمہاری ہے میرا کیا لینا دینا یار۔'' حالی کھنے لگا، ڈھیلا پڑ گیا۔

''سجن یار ہو سکتا ہے تیری اور میری محبوبہ ایک ہی ہو۔'' علی گوہر بے ساختہ کہہ گیا، عمارہ نے زبان دانتوں تلے دبا لی۔

حالار ششدر رہنے سے پہلے ایسا ہوا جیسے برسات ہونے لگی ہو، کنکریوں کی، چھوٹے چھوٹے زخم، نظر نہ آنے والے، مگر چبھن سے خالی نہیں ہوتے، کنکریاں برسنے لگیں دل پر، سب سے نازک جگہ پر، حساسیت اللہ نے ہی لگی ہو گی۔

''یار ہم دونوں کی محبوبہ محبت ہے، باقی اس کا کیا نام و نشان ہے اسے چھوڑ دو، چلو اپنی محبوبہ کو ڈھونڈیں۔''

''ڈھونڈنے سے اباتو نہیں ملا محبوبہ کیا ملے گی۔'' حالی بے حال تھا۔

''نہیں یار سجن کہانا ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔''

''جب خدا ملے تو خدائی مل جائے، جو کھویا ہو وہ سب ہاتھ لگے، تو چلو جس تلاش پر ہم نکل رہے ہیں، وہ تلاش انوکھی ہے۔''

اس نے تھیلا ایسے کھولا جیسے راز کھولا جاتا ہو، مگر صرف حالی کے سامنے، عمارہ سوالیہ نشان ہی

بنی کھڑی تھی اس کے لئے۔

"سامان در بدری ہے، عشق کا روپ چڑھائے پھریں گے۔" عمارہ نے ہاتھ بڑھا کر تھیلا جھپٹ لیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" وہ چلایا، آنکھ میں نرمی کی جگہ تیکھا پن آ گیا، تیزی، بے زاری۔

وہ تھیلا کھول کر دیکھنے لگی، کھول کر دیکھنے لگی تو بے یقینی اور ناسمجھی سے نکلنے میں چند منٹ ہی لگے۔

تھیلے میں دو کالے جوڑے، مگر کچھ پرانے سے، جیسے پہنے ہوئے، ہاں مگر دھلے ہوئے، رنگین ٹوپیاں، موٹے دانوں والی تسبیح، کڑے، دھاگے سرخ اور کالے، فقیروں کا مکمل بھیس تھا، مکمل ترین۔

"یہ سب کیا ہے علی گوہر۔" عمارہ نے ماں جی کی کمی پوری کر دی، وہ ابھی گھر پہ نہ تھیں۔

"یہ بھیس ہے، عشق کا بھیس۔"

"بہروپیوں کا بھیس ہے یہ۔" وہ زور سے بولی۔

"تو کیا ہوا، عشق بھی تو بہروپیا ہے، مختلف شکلوں میں پھرتا ہے، کئی طرح کے بھیس اوڑھ کر۔"

"وہ عشق ہے، تم علی گوہر ہو۔" اس کے لہجے میں دھونس تھی۔

"وہ عشق ہے، میں علی گوہر ہوں۔"

"ارے عشق اور علی گوہر کا ساتھ تو جنم جنم کا ساتھ ہے پگلی۔" اس نے عمارہ کے سر پہ چپت لگائی پیار سے، ابا کی کمی پوری کر دی، وہ بھی گھر پہ نہ تھے۔

عمارہ کو گوہر میں دو لمحے کے لئے بزرگی لگی، بلکہ عیاں ہوئی ورنہ اس کے اندر کی بزرگی ہمیشہ اس کی عمر کی نظر میں چھپی رہتی تھی، یا پھر چہرے کی معصومیت میں دبی رہتی۔

"ابھی اٹھ اٹھ کر آئی، کیا خوب آئی، آ ہی گئی بالآخر۔" عمارہ چپ ہو گئی۔

"چل حالی اٹھ اور پھرتے ہیں، یہاں سے صحیح سالم جاتے ہیں، جگہ پر جا کر بھیس بدل لیں گے، چل خود کو چھپا لیں بڑا مزا آئے گا۔"

"کیا تلاش کرنے جا رہے ہیں علی گوہر؟ کیا تمہاری محبوبہ سے نہیں ملنا۔"

"یار حالا، میری محبوبہ جس دن ملے گی اس دن کا مقدر خدا نے لکھا ہے، اسی کو پتہ ہے، ابھی چور کے پیر دا کے نشان دیکھتے ہوئے راہ دیکھتے ہیں، کتوں کی طرح خوشبو سونگھ کر جائیں گے، گدھوں کی طرح عشق کا بوجھ سر پہ اٹھائے جائیں گے، بلوں کی طرح ہر برتن میں چاٹ کر ذائقہ محسوس کریں گے۔"

"کوئی تو بات انسانوں والی بھی ہو علی گوہر، تمہیں نہیں لگتا کہ حالا، یہ کبھی کبھی انسانیت سے افضل ہونے کے چکر میں انسانیت سے گر بھی جاتا ہے۔" عمارہ پرانی بن گئی ایکدم۔

"یہ انسانیت کا اصل ہے عمارہ کہ جانوروں کی انسانیت بھی اس پر کھلی پڑی ہے، وہ بھی پہچان لیتا ہے۔"

حالی اٹھا، نہ نہایا، نہ منہ دھویا، نہ کھانا کھایا، بس تھیلا اٹھایا اور ساتھ ساتھ ہو لیا تھا اور دیکھنے

والی دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"سفر اول سے سفر آخر تک کی روداد دہرانا مشکل ہے، نواز حسین جی یہ چاہتا ہے کہ نواز حسین سب کچھ جلدی جلدی سمیٹ لوں، اکٹھا کر کے رکھوا دوں، جمع پونجی مگر ایسے بکھری پڑی ہے کہ سمیٹے نہیں سمٹتی۔" ٹوٹے پھوٹے لہجے سے جسموں کی جوڑ توڑ کرتے ہوئے ناشتے کی میز پر بچی ہوئی بریڈ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پھیلاتے رہے تھے۔

اور نواز حسین لفظوں سے بھی، لہجے سے بھی اور عمل سے بھی ان کے اندر کی توڑ پھوڑ سے آشنا ہو رہا تھا۔

وہ چاہ رہا تھا غبار پوری طرح سے نکل جائے، پانی بہنے لگے تاکہ گندگی دھل جائے، کثافت نکل جائے اور صاف ستھرا ہو جائے، اس سے پہلے تالاب میں دنیا بھر کا ڈھیر پھینکا جانے کی کسر رہتی تھی، آلودگی مزید باقی تھی، مگر چند خوشبوؤں کی شیشیوں کا عطر بھی تھا، صاف شفاف رستوں پر بچھے تھے پتھر جب لڑھکتے ہو گئے تو منزل کی طرف کا پتہ بھی دیتے ہو گئے، ڈھلوان سے نیچے یا آ گئے سمندر کے اندر جیسے آدمی کے گرنے سے پہلے پتھر گرتے ہیں، پھر جا کر بندہ گرتا ہے اور پھر سب کچھ گر جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ امیدیں، خواب خواہشیں بھی گر جاتی ہیں، زندگی کا ساز و سامان گر جاتا ہے مگر جب بندہ اٹھنے کی کوشش کرتا ہے تو ساری چیزیں اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، لگتا یوں ہے کہ جیسے نیا پیدا ہوا ہے، جوان ہونے لگتا ہے اور پھر جب چیزیں جوان ہونے لگتی ہیں خواب خواہشیں اور زندگی بھی۔" نواز حسین دیکھ رہا تھا، وہ گر چکے ہیں، مگر اٹھنے کی کوشش میں گر... بے بس تالاب میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، سب کچھ گر چکا ہے

وہ چاہ رہا تھا کہ ایک بار یہ کھل کر چیخ لیں، آہ و زاری کر لیں وبال نکل جائے تاکہ اس کے بعد وہ سکون سے آ کر اٹھنے کا سوچیں۔

کیونکہ تب دو صورتحال ہو سکتی ہے، یا تو ہمیشہ کے لیے تھک کر تالاب کے اندر مر جانا، ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر موت کو دل سے لگانا یا پھر تیراکی کے کرتب کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے پتھروں پہ بھاری وجود گھسیٹتے ہوئے کسی بڑے پتھر سے لگ کر اوپر اٹھنے کی کوشش کرنا، وہ نہیں جانتا تھا کہ ان کے پاس وہ وقت، وہ ہمت وہ چاہ ہو گی بھی یا نہیں، ایک ایک دو اور دو دو چار تو کرنا ہی تھا، وہ اطمینان سے اٹھا، ان کے سامنے ہتھیلی پھیلائی کہ اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیں۔

"نوجوان داؤ پیچ کرنے کے چکر میں ہو، اپنی نوجوانی کو آزما رہے ہو؟" وہ بے ساختہ منطق سمجھتے ہوئے مسکرائے تھے، نواز ہنس پڑا جبکہ ہنسنے کا جواز نہ تھا۔

کبھی فضول میں ہنسنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، جہاں لفظ نہیں ملتے وہاں مسکرایا جاتا ہے، جہاں مسکراہٹ نہ ملے وہاں کھوکھلے پن پر ہنس دیا جائے گا، انہوں نے نوجوان کا ہاتھ تھاما جو قدرے گرم تھا۔

حرارت زیادہ تھی، وہ مسکرائے، بے معنی مسکراہٹ معنی ڈھونڈتی تھی اور اٹھے، کھلی ہوا میں آ گئے، پہاڑی علاقے پر سورج پوری طاقت سے کرنیں پھینک رہا تھا، وقت تھا، کام کے آغاز کا۔

وہ اس کے ساتھ کچے جھونپڑے سے باہر دیوار کے سائے میں آ کر بیٹھ گیا، یہاں سے سورج سے آنکھیں ملاتے ہوئے بات ہو سکتی تھی۔

"بتاؤ نواز حسین بات کہاں سے شروع کروں؟"

"بات وہاں سے شروع کریں سر جہاں سے بات شروع ہوئی تھی۔"

"بات وہاں سے شروع' دل گا جہاں پہ بات ختم ہوئی تھی۔" یہ بھی فنکار تھا، ہر چیز میں فنکاری کرتا تھا، باز نہ آئے دل، دل کی شرارت بھی، نواز حسین جی جان سے مسکرا دیا۔

"چلو یہی ٹھیک ہے۔"

"تو پھر کہانی کہاں پہ ختم ہوئی تھی؟" فنکار کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھا وہ اپنے ہاتھ کی حرارت سے ان کو پگھلانے کی کوشش کرتا رہا، نوجوانی آزماتا رہا۔

شکستہ دل لئے بڑھا، نوجوانی سمیٹ رہا تھا، اپنے اندر کی زندگی کو آواز دینے لگا، طے یہ ہوا کہ آج بس ساری کہانی تمام ہو گی، اس نے نواز کی تھکی آنکھوں میں ابھرتی زندگی کو یکجا ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

"کہانی کہاں ختم ہوئی نواز حسین؟" لہجہ الجھا ہوا اور دھیما تھا۔

"یہ کہانی سے پوچھنا چاہیے سر۔" لہجہ سلجھا ہوا مگر دھیما تھا۔

"کہانی کہتی ہے کہ وہ ختم نہیں ہوئی ابھی، واقعات ختم ہوئے ہیں تو تب سے شروع کرتے ہیں جب کوئی نیا حادثہ جنم لیتا ہے۔"

"بڑی بھیجی بتاتی تھی سن 19ء کی بات تھی، جب حویلی میں ایک کم سن کے رونے کی آواز نے چڑیوں کے لہجے میں چہکار بھر دی، گرمیوں کا موسم تھا، تپتا ہوا جون دوپہر سے کچھ پہلے صبح کی ٹھنڈ میں کوئی بچہ گھر میں تحفہ بن کر آیا تھا، جس کا نام والدین نے عبدالحادی رکھا تھا۔"

☆☆☆

تیرے عشق میں سر نہ دیا، دو جگ جیا تو کیا ہوا
حاجی مدینے شہر میں سجدہ دیا تو کیا ہوا

فقیر ستار پہ سر چھیڑ رہے تھے، گوہر بھائی کے پاس بیٹھ کر قلندری کیفیت کو چڑھائے ہوئے چوکھٹ پہ بیٹھا تھا، گود میں اکیزاری بھری تھی، سکے چھلک رہے تھے، فرش پہ بکھر گئے، اسی وقت آنے جانے والے نے دیکھا کہ اس فقیر کو سکوں کی حاجت نہ ہو گی، اس کی حاجت کیا تھی، یہ سوال خود اس کے پاس بھی نہ تھا، وہ پلر سے ٹیک لگائے کھو گیا۔

حالی نے تسبیح گردن سے اتار پھینکی، ٹوپی جیب میں رکھ دی تھوڑی کھجانے لگا، بے چین ہو کر اٹھا میدان میں رسنے لگا، وائی کے بعد کلام عروج پر تھا۔

دل کا کفر ٹوٹا نہیں حاجی بنا تو کیا ہوا
قاضی کتاباں کھول کے مسئلے پڑھا تو کیا ہوا
پڑھیا ہے یہ پرچا نہیں قاضی بنا تو کیا ہوا

حالی مارا مارا پھرنے لگا۔

یار تیرے عشق میں وفا بھی ہے جفا بھی ہے
مرنا بھی ہے جینا بھی ہے نقصان بھی نفع بھی ہے

علی گوہر کا دل کیسے نہ تڑپتا، تڑپ کر آیا تھا، تڑپ رہا تھا۔

ملنے کی طاقت نہ رہی دل یہ شکستہ ہو گیا
دستور تیرے درد میں فرقت بھی ہے رنج بھی ہے
مرنا بھی ہے جینا بھی ہے نقصان بھی ہے نفع بھی ہے

یہ دل کی آواز ہے۔

حیرت ہوئی اس بھید کی کیسے تو مجھ میں چھپ رہا، راز کھلنے لگا تھا، حالی تھا، گوہر ٹھنکا، سر عروج پر تھا اور کیفیت سفر میں تھی۔

حیرت ہوئی اس بھید کی کیسے تو مجھ میں چھپ رہا
حسن صورت ہے خلل ظاہر بھی ہے صفا بھی ہے
عاشقوں کا اک سبق محبوب ہے مقصود ہے
مرض محبت کی دوا داروں بھی ہے شفا بھی ہے

پانچوں وقت ایک جگہ آرک رہے تھے، لوگ سفر میں تھے۔

☆☆☆

اسے ٹاسک مل گیا، اسے ٹارگٹ مل گیا، وہ جسے حاصل کرنا سب سے مشکل بھی ہے اور آسان بھی۔

محلہ تھا، خطے کے درمیانے درجے کے افراد کا، جو ذرہ ذرہ جمع کرتے ہیں، جمع کر کے خرچ کرتے ہیں، جہاں بہتری لانے کے لئے کئی جواز، بہت گنجائش ہوتی ہے، جہاں چھوٹے چھوٹے لوگ، چھوٹی چھوٹی خواہشوں کی گھات لگائے ہوئے رہتے ہیں، دوڑتے ہیں پھر ہانپتے ہیں، پھر تھک کر لیٹ جاتے ہیں، یاجوج ماجوج کی طرح ساری رات دیوار کو چاٹتے ہیں جب دیوار تھوڑی سی بچ جاتی ہے تو باقی کام صبح پر چھوڑ کر لیٹتے ہیں، صبح دیوار اتنی ہی پہاڑ جتنی ہو جاتی ہے، دیوار فصیل بن جاتی ہے۔

اسی طرح چھوٹی بستی کے مکین جب اردگرد دیکھتے ہیں تو جاگنے سے پہلے میدان میں اس سے کہیں زیادہ کچرے کے ڈھیر جمع ہو جاتے ہیں اور سمیٹنے سے پہلے لوگ تھکے چہروں سے کھانستے ہیں اور آدھا کوڑا اٹھایا آدھا گرایا اور ہو گیا کام، بھری دوپہر سر پہ آگئی اور چلو پلیٹ کے اوندھے ڈھکن کے اندر چھپی آدھی سوکھی روٹی جس پہ کئی مکھیاں بھنبھنا کر بیٹھی رہی ہوتی ہیں، ناک سے مکھی اڑانے والی مثال کی طرح ہاتھ کا جھٹکا دے کر روٹی کے ٹکڑے اٹھا کر نوالے بنانے لگتی ہیں۔

امر کلہ، ماں کے ساتھ اسی بستی کے کوڑے سے بھرے ڈھیر کے بیچ گزرتی ہوئی تنگ گلیوں سے تھوڑا سا آگے جا کر جہاں خستہ مکان کے ساتھ پرانی کوٹھی کے اوپر بنا ہوا وہ دو کمروں کا پورشن تھا، جو اس کی ماں کی جنت نہ تھا مگر پناہ گاہ تو تھا ہی اس نے ایک لمحہ، صرف ایک لمحہ یہ شکوہ کیا کہ پھر اسی جگہ پھر اس جیسی کسی جگہ لا پھینکا یا خدا، جہاں سے زندگی شروع ہوئی تھی۔

گھوم پھر کے، چارہ چر کے گھاس کھا کر، گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر بھانت بھانت کی بولیاں بول کر، دکھ سے زندگی، زندگی سے محبت کا پانی پی کر، سیر ہو کر، بھاگ دوڑ کر، زندگی پھر سے تنگ گلیوں کے درمیان آ کر رک گئی۔

ایک دفعہ پھر سے زندگی، ایک دفعہ پھر سے مصیبت، وہ بڑبڑائی کہ ناشکری انسان کا حصہ بن چکی ہے، اصل میں خوش نہ ہی نقل میں، محل میں نہ ہی جھونپڑے میں، رستے میں نہ ہی منزل پہ آ کے، بڑا آوارہ ہے، بڑا بے صبرا ہے، بکھرا ہے، جبھی تو بکھرا ہے، نواز حسین کی باتیں یاد آنے لگیں، یاد آنے لگیں، ساری باتیں، زندگی پلٹ رہی تھی۔

وہ گھٹنے ہوئے کمرے کی سسکتی ہوئی دیوار کے ساتھ بیٹھی خاموش آنسوؤں کے ساتھ پیچھے جا رہی تھی، بہت پیچھے، اس کی ماں نے کھلے دروازے سے اس کی حالت دیکھی، اسے اس کے حال پہ صرف آج کے لئے چھوڑ کر خود مزدوری پر چلی گئی۔

امرکلہ، بہتی ہوئی جا رہی تھی، نواز سے کبیر بھائی، کبیر بھائی کے ساتھ وہ عمر رسیدہ عورت، علی گوہر، امرت، حالار، پروفیسر غفور، فنکار، کیسے کیسے سلونے لوگ، سوہنے لوگ، جو انسان دکھتے تھے، چھیلے لوگ، وہ بہت پیچھے رہ گئی، قصہ پیچھے رہ گیا، خود آگے چلی آئی، مگر زندگی وہیں تھی۔

البتہ کہانی اپنا باب پلٹ رہی تھی، نئے سرے سے آغاز ہونے لگا تھا، امرکلہ کو ایک ایک کر کے اپنے سارے شکووں کا جواب مل رہا تھا، ملنے لگا تھا، ملتا رہے گا، سلسلہ چل نکل کھڑا تھا، اسے تو چلنا تھا، دوڑنا دور تھا۔

بارہ سال تک عبدالهادی گھر بھر کا لاڈلا رہا، چھوٹا اور آخری بچہ تھا، وہ ہمیشہ کتابیں لے کر بیٹھ جاتا تھا، قاعدہ پڑھ چکا تھا، ناظرہ قرآن پاک جلدی ختم کر لیا، ماسٹر صاحب پڑھانے آتے، چودہ سال کی عمر سے تصویریں بنانے کا شوق ہوا، چھوٹے چھوٹے قصے، گھڑنا اور باتیں بنانا آ گئی تھیں، آج کا چودہ سال کا بچہ یہ کام کرے تو بڑی بات نہیں، پچاس سال پہلے تھوڑی حیرت ہوتی تھی، پہلے پہل بچہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا تھا، مگر عبدالحئی کو پتہ تھا کہ یہ بچہ ہم سے الگ سوچتا ہے، عبدالحئی بڑا بھائی تھا، باپ کی جگہ تھا مگر شفقت کے بجائے اس کے اندر آگ کے الاؤ جلتے تھے، آنکھیں قہر برساتی تھیں نواز حسین، میں شروع سے اس سے خائف تھا پتہ ہے کہانی لکھنے کا شوق بھی تب پیدا ہوا جب چھوٹی چھوٹی چیزوں میں نظریات کا فرق آیا، میں میٹرک کے لئے شہر چلا گیا اس کے بعد بھی پرچے دینے جاتا رہتا تھا، کافر اور جھوٹے کا ٹھپہ تب بھی لگ چکا تھا، ابا کو انتظار تھا کہ میں راہ راست پر لوٹ آؤں گا اور وہ مجھے بڑھ کر سینے سے لگا لیں گے۔

نواز حسین وہ دن کبھی نہ آیا، ابا کے سینے سے لگ کر رونے کی حسرت ہی رہی، پھر حسرت مر گئی، پتہ ہے سب کچھ میں نے خود سے لئے کیا مگر گھر والوں کو چھوڑا اس عورت کے لئے تھا اور وہ چپ ہو گئے، نواز نے ہاتھ کا دباؤ گھٹا دیا، وہ گھڑی بھر کو چپ ہو گئے۔

☆☆☆

بیل پر بیل ہو رہی تھی دروازے پر، صنوبر بیگم کچن میں کھڑی تھیں، امرت کمرے میں عجلت میں تیار ہو رہی تھی۔

وقار صاحب نے دوائیوں کے سیمپل پھیلا رکھے تھے۔

"اب دروازہ کون کھولے۔" صنوبر بیگم نے وہیں سے آواز دی۔

"دروازہ کھلا ہوا ہے بھئی اندر آجاؤ۔" انہیں اندازہ تھا کہ حنان آرہا ہے، وہ کچھ دیر پہلے ہی فون کر چکا تھا، آنے کے لئے۔

"ارے واہ جو بھی ہو آجائے منہ اٹھا کر، چاہے دودھ والا گوالا ہو۔" وقار صاحب نے بہ آواز بلند اعتراض کیا تھا۔

"دودھ کے گوالے کی آواز سنی ہے نا، وہ دروازہ نہیں بجاتا نعرے لگاتا ہے دودھ لانے کے۔" وہ وہیں سے جوابی کاروائی کر رہی تھی۔

دروازہ بجنا بند ہو گیا تھا، بیچارہ شریف آدمی آوازوں پہ گزارا کر رہا تھا۔

"ارے آجاؤ حنان آجاؤ۔" وہ ابھی تک اسی خیال میں تھیں۔

"حنان ہوتا تو ابھی تک اندر آچکا ہوتا، بغیر انتظار کیے۔" وقار صاحب نے سیمپل سمیٹتے ہوئے کہا۔

امرت کی مسکراہٹ پھیل گئی، وہ بالوں کا جوڑا بناتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور دروازے تک گئی۔

"السلام علیکم!" سامنے لاھوت کھڑا تھا تھوڑا سا سہا ہوا۔

"وعلیکم السلام! آجاؤ لاھوت، کیسے ہو؟" اس نے سامنے سے ہٹ کر اسے اندر آنے کے لئے کہا، وہ جھجکتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے اندر آیا۔

"امی یہ لاھوت ہے میرے چاچا کا بیٹا، آپ نے شاید دیکھا ہو، بہت پہلے جب وہ بہت چھوٹا ہو گا۔" وہ بہت جوش سے بتا رہی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی!" وہ نروس ہو رہا تھا اور صنوبر بیگم سلام کا جواب دینا بھول گئی۔

"وعلیکم السلام بیٹے اندر آجاؤ۔" وقار صاحب نے کمرے سے آواز دی، کھلے دروازے سے وہ انہیں دیکھ رہے تھے۔

"چلو انکل کے پاس بیٹھو تم میری ذرا تیار رہتی ہے، آتی ہوں۔"

"آپ کہیں جا رہی تھیں، میں غلط وقت پر آیا۔" وہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے اور پشیمان سا ہوا، پہلے ہی آنے کی ہمت کم پڑ رہی تھی۔

"ہم کچھ دیر بعد اکٹھے چلے چلیں گے۔" وہ اسے مطمئن کرتی ہوئی کمرے میں آگئی۔

وقار صاحب کچھ آگے بڑھ کر اس سے ملے اور ساتھ بٹھایا، حال احوال معلوم کر کے ادھر ادھر کا پوچھنے لگے، گاؤں کے بارے میں، زمینوں کی کاشت کے بارے میں اور وہاں کی رہن سہن کے بارے میں، ان کے کہنے پر صنوبر بیگم اوپرے دل سے چائے لاتے ہوئے ساتھ بیٹھ گئیں اور اسے کیسے عجیب کھوجتی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

وہ مزید نروس ہو رہا تھا بغیر نظر ملائے بات کر رہا تھا۔

امرت نے بیگ میں کاغذ رکھے، بال بنائے ایک سیدھی سی چوٹی بنائی جالی کا سفید دوپٹہ لیا

اور سیل فون لے کر باہر نکل آئی۔

"چلو لاھوت چائے شائے ہو گئی کیا۔" امرت نے ایک اضافی کپ میں اپنے لئے کچھ چائے انڈیلی اپنے لئے، لاھوت سے کچھ فاصلے پہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

صنوبر اس کی فرینکنس نہیں دیکھ رہی تھیں لاھوت کے ساتھ، لاھوت جھینپا جھینپا سا بیٹھا تھا، وقار صاحب مسکرا رہے تھے، تینوں کے تاثرات دیکھتے ہوئے۔

"چلو مسٹر چلنے کا ارادہ ہے یا مزا آ گیا ہے بیٹھنے میں۔"

"بس چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"امرت بیچارے کو چائے تو پینے دو بھئی۔" وقار صاحب نے ٹوکا اسے۔

"پی لے گا دوبارہ آ کر، پھر آئے گا تو نخرہ نہیں دکھائے گا، ویسے گاڑی ہے تمہارے پاس دوست کی؟ یا رکشہ لے لیں۔" وہ اس کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"موٹر بائیک ہے میرے پاس۔"

"پھر بھی ٹھیک ہے، مجھے تمہارے ساتھ بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے مزے سے کہا تھا۔

"دیکھا تم نے۔"

"دیکھ لیا، وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔" صنوبر بیگم کا خدشہ یقین کی صورت باہر آیا تھا۔

"آہستہ بولو ان کو دروازے سے باہر تو نکل جانے دو، دروازے کے اندر لے آئی ہے باہر نکل جانے سے کیا ہو گا، پھر اندر آ جائے گا۔" وہ خاصی خائف تھیں، وقار صاحب پھر سے دوائیوں میں مصروف ہو گئے اور امرت لاھوت کے ساتھ پچھلی پر بیٹھے اسے عمارہ کے گھر کا رستہ بتا رہی تھی۔

ہر کوئی ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔

پروفیسر غفور نے امرت کو کسی لڑکے کے ساتھ دیکھ کر کچھ حیران ہو کر بے یقینی سے سوچا کہ کون ہو گا، شاید نظر دھوکا کھا گئی ہو، وہ کوئی اور لڑکی تھی۔

مگر امرت کے گھر کی طرف آتے ہوئے ٹریفک سگنلز پر ٹھہرے ہجوم میں سے ایک گاڑی سے سر نکالے ہوئے عبدالحنان کے اندر حیرت کیا غصے کا لاوا ابل رہا تھا، جو آتش بننے کو تھا۔

☆☆☆

کہتے ہیں ایک پرانی کہاوت کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے، جیسے محبت میں سب جائز، فکر، طلب، احساس، امید، اسی سے تو کہانی شروع ہوئی تھی جب محبت کے باب میں صفحہ اول پر دن درج تھا، دن تھا ان کی شادی کا، اس دن کے لئے وہ کتنے کڑے دن گزار کر آیا تھا، دھتکار کے دن، نا انصافی کے دن، کامل اور کافر تو پہلے ہی کہلوایا جاتا تھا اور ہر معاملے سے دستبردار پہلے سے کروا دیا خود کو، وہ سمجھتے تھے۔

اس کے گھر والے کہ وہ آئے گا اور سر پہ سہرا سجا کر بٹھا دیں گے، کاہلی بھی جائے گی ذمہ داری پڑتے ہی اور گاؤں میں رہ کر لوگوں کے بیچ جب اسے رہنا ہو گا، درگاہ کی نگرانی ہو گی، لنگر تقسیم ہو گا، تو یقیناً کافری بھی روپوش خانہ بدوش کی طرح فرار ہو جائے گی، مگر آتے ہی ہتھکڑی

اس نے توڑ دی، اس نے ٹھیک کیا وہ زبردستی کے جھوٹے بندھنے کسی کے پلو کی گرہ میں کیسے باندھ لیتا اس کی منگ کو اس کے بڑے بھائی کے ساتھ بیاہ دیا گیا، اسے گھر سے نکال دیا گیا، وہ سب چھوڑ کر آیا، کس کے لئے، پوچھا جاتا تو وہ کہتا محبت کے لئے، وہی محبت جو حقیقت کا رعب نہ ہو سکی اور موم کی طرح پگھل گئی۔

کہنے کو آسان تھا کہ تمہارے ساتھ مشکل زندگی میں خوش رہوں گی، ہر دکھ سکھ میں ساتھ جئیں گے ساتھ مریں گے۔

پہلے پہل محبت کا خمار تھا، سب سہہ لیا، تھوڑا سا آٹا تھوڑی سی چینی تھوڑا سا نمک، دو لوگ، ایک چپاتی ایک دودھ کا گلاس خوشی خوشی پی لیا، اسی طرح تھوڑے پہ قناعت کرنے کی پریکٹس شروع ہو گئی، یہ نہیں کہ نوجوان سڑکوں پر مارا مارا نہ پھرتا تھا، کام نہ ڈھونڈتا تھا، ڈھونڈتا تھا پر کام ملتا نہ تھا، یہ پہلا سال تھا سولہ مہینے ان کی بچی اٹھارہ دن کی تھی، خوراک کی کمی تھی، اسی دن پہلا جھگڑا نہیں ہوا، چھوٹے موٹے جھگڑے درویشی اس سے پہلے بھی ہوتی تھیں، جب وہ سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا اور تھک کر گھر آتا، پھر کئی دن تک اپنے کاغذوں کے ساتھ کھیلتا رہتا، وہ اس کے کاغذ ضائع کر لی جاتی اسے لگتا خود اسے ضائع کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنے کاغذوں کے ہر دہ کرداروں نے ایک دفعہ پھر زندہ ہو کر آ جاتا ہے اور وہ ایک بار پھر اسے پھاڑ کر پھینک دیتی ہے، ڈسٹ بن میں پرزہ پرزہ اس کے کاغذ نہیں تھے وہ خود جیسے تھا۔

پرزہ...... پرزہ...... ریزہ...... ریزہ...... ٹوٹا بکھرا، محبت کا باب بدل رہا تھا۔

☆☆☆

مگر ان سب سے زیادہ ذرا حیران عمارہ : سے اجنبی کے ساتھ دیکھ کر، وہ دروازے کے بیچ کھڑی تھی۔

"یہ میرا کزن ہے لاھوت۔"

"اس سے آگے کا تعارف اندر آ کر کرائیں، کیا ہے کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے، کیوں آیا ہے وغیرہ۔" امرت اس کے سوالوں کو محسوس کر رہی تھی اس کے تاثر سے وہ دو لمحے تک اسی کیفیت میں تھی جب لاھوت نے بیرونی جیب کی تحویل میں دیا ہوا شناختی کارڈ نکال کر اسے دکھایا، امرت اس حرکت پر بے ساختہ ہنس دی اور عمارہ کی حیرانی میں ناگواری کا اضافہ ہوا تھا، خوب ہوا تھا۔

وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی، ان کو اندر آنے کے لئے جگہ دی، مگر ناگواری تو قائم تھی۔

لاھوت نے کارڈ دوبارہ جیب کی حفاظت میں دے دیا اور چوکھٹ پھلانگتے وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے آنے لگے، لاھوت اتنے بھولپن سے دیکھنے لگا جیسے کارڈ دکھائے بغیر کوئی حل نہ تھا کیونکہ تفتیش اتنی ہو رہی تھی۔

عمارہ نے لاھوت کو کمرے میں بیٹھنے کے لئے، پنکھے کے ساتھ دوسرا اسٹینڈ فین بھی لگا لیا تاکہ گرمی زیادہ نہ ہو اور خود امرت کے ساتھ دروازے کے باہر کھڑی ہو کر اب اس کی پیشی لے رہی تھی۔

"کس کس کو لے کر جاتی ہوں؟" وہ آہستگی سے بولی مگر سن لیا گیا۔

"کارڈ دکھا تو دیا ہے بیچارے نے تمہیں، یقین کیوں نہیں آ رہا۔" لاہوت اندر ہی اندر بیٹھا مسکرا رہا تھا، مزا آ رہا تھا، اسے عمارہ کا ری ایکشن دیکھ سن کر کے۔

"اب یہ مت کہنا کہ اسے ساتھ کیوں لائی ہو، بھئی ظاہر ہے ملوانے کے لئے اور پھر گوہر سے کچھ کام بھی ہے۔"

"گوہر جیسے آوارہ بندے سے کم امیدیں رکھا کرو تم اچھا۔"

"اچھا وہ ہے کہاں مگر؟" وہ ارد گرد دیکھنے لگی، پورا گھر خالی خالی سا لگا تھا۔

"اور لوگ کہاں ہیں؟" اسے یاد آیا فوراً کہ اوروں کا بھی پوچھنا چاہیے۔

"اماں ابا گئے ہوئے کسی مزار پہ منت ماننے یا اتارنے، حیدر آباد سے کچھ باہر بھی جانا تھا ان کو، کچھ کام بھی تھا، کسی سے ملنا بھی تھا، کل تک آ جائیں گے، کہہ رہے تھے کہ رات کو فون کر کے تمہیں بلوا لوں سوچ رہی تھی رات کو فون کروں گی۔"

"اور دیکھو مجھے الہام ہوا میں پہلے ہی آ گئی تھی۔"

"بہت اچھا کیا کوئی نمونہ بھی ساتھ لے آئی، اب یہاں بیٹھو تم اس کے پاس میں تم لوگوں کے کھانے پینے کا کوئی انتظام کروں۔"

"یار عمارہ تینوں مل کر باہر کھانا کھانے چلتے ہیں، کچھ بورڈ کے کام بھی ہیں میڈم آپ کو یاد دلانا تھا کہ آپ کی کسی دفتر میں ملازمت درج ہے، سیٹ خالی ہے اور کام بڑھ گیا ہے۔"

لاہوت باہر آ گیا تھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ خواتین باہر ہیں تو میں اکیلا بیٹھ کر کیا کروں گا کمرے میں۔" عمارہ کا منہ پھولا ہوا تھا، اس کی بات سن کر وہ آگ بگولہ ہو گئی دل میں مگر مروت میں چپ تھی، مروت بھی عمارہ کے پاس آ کر ٹھہرنے لگی تھی، وقت بدل رہا تھا، امرت جی بھر کر مسکرائی۔

"ہاں ہم بھی کہہ رہے تھے کوئی آ کر فیض یاب ہو ہم سے۔"

"میں کھانا بنا لیتی ہوں تم لوگ باتیں کرو۔" عمارہ نے کھسکنے میں عافیت جانی۔

"ارے نہیں بھئی مل کر سارا کچھ کر لیتے ہیں، گھر میں کیا ہے، چلو آلو کے چپس بناتے ہیں، مجھے اچھے بنانے آتے ہیں۔" لاہوت بہت ایکسائیٹڈ تھا، ان سے پہلے وہ کچن میں گھس گیا، عمارہ مرتا کیا نہ کرتا کی مجبوری میں کچن کی طرف چل دی۔

اب شامت آئی ہوئی تھی چیزوں کی، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ لاہوت بڑی مہارت کے ساتھ آلو چھیل رہا تھا، کاٹ رہا تھا، کڑھائی میں تیل ڈالا گرم کیا اور اس میں ڈال دیئے چپس اور تلنے لگا جیسے تنگ ہو۔

"یہ بتاؤ لاہوت گاؤں میں یہ کرتب سیکھے ہوئے تھے یا پھر یہاں کی مار کام آ گئی۔" امرت بغور کارروائی دیکھ رہی تھی اور عمارہ آٹے کو اپنے ہاتھوں کی مار مار رہی تھی، امرت دونوں کو دیکھتے ہوئے سلیٹ بنانے لگی، رات والا سالن بھی بچا ہوا تھا، وہ بھی گرم کر لیا تھا اور ساتھ ساتھ میں گپ شپ بھی چل رہی تھی۔

"یہ یہاں کی تنہائی کی مار کا اثر ہے کہ جب گھر کے آلو کھانے کا دل کر رہا ہوتا ہے تو بندہ آخر کیا کر سکتا ہے، سوچا ہے خود ہی بنا لوں۔"

"عمارہ پتہ ہے ہماری ملازمہ ہوتی تھی سجاگی وہ ایسے آلو تلتی تھی۔" امرت کو اچھی طرح یاد آ گیا۔

"جب تم وہاں رہتی تھیں؟" عمارہ تازہ تازہ روٹی ڈال رہی تھی۔

"ہاں جب میں وہاں رہتی تھی۔" اسے یاد تھا، بہت کچھ تلخ، بہت کچھ تیز، بہت کچھ اچھا بھی، اچھی یاد ایک تھی، دوسری کچھ تھیں بری یادیں، یادیں آپس میں ٹکرانے لگیں، یادیں، ٹکرائی تھیں، توڑ پھوڑ ہوتی تھی، ہو رہی تھی۔

☆☆☆

آدم میں ہے چھپا ہوا گوہر شباب کا
واحد یہی ہے راستہ کار ثواب کا
میں راز فاش کر تو دوں یہ چپ ہوں سوچ کر
رکھا ہوا ہے میں نے بھرم تیرے نقاب کا

سر نہیں تھے، وجد تھا، وجد نہیں تھا وجدان تھا، حالی قلندر کی نگری کے سحر میں جکڑ چکا تھا، جکڑ چکا تھا، گھیرے میں آ گیا، پھنس گیا، مٹھی میں ریت آنی نہیں جو آ گئی تھی۔

گوہر پر تو کیف تھا، کیفیت کا، کوئی اس کے ساتھ کھڑا تھا، ملنگ تھا، کہہ رہا تھا، کیا کہہ رہا تھا۔

آدم کو خدا مانتا ہے میرا اختیار
قعبہ لرز نہ جائے کہیں تیرے خطاب کا

حالی لرز گیا، سرپٹ دوڑا، گناہ...... گناہ...... گناہ ہو رہا ہے، اس آدمی کے پیچھے دوڑا جو دیوانہ وار کہتے ہوئے بھاگا تھا، علی گوہر نے حالی کو پکڑا۔

"کیا ہوا، کیا کہہ رہے ہو؟ کہہ کیا رہے ہو، پاگل ہو گیا، اسے مارو گے، اس درویش کو۔"

"دیکھو گوہر اس نے گناہ کیا، شرک کیا، شرک کیا اس نے۔" وہ چیخا۔

"آہستہ بولو قلندر کی نگری میں آہستہ بولو حالارہ، ادب کا مقام ہے۔"

"ادب کا مقام ہے آہستہ بولوں۔" وہ چیخا۔

"اس نے شرک کیا، آدم کو خدا کہہ دیا، شرک کر دیا۔" وہ پھر چیخا زور سے۔

"اسے مارنے دو، اسے مارنے دو۔" وہ بری طرح تڑپا، دھمال کا وقت ہو رہا تھا۔

"اسے اس کے حال پہ چھوڑ دو، حالی اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، اس نے کچھ دیکھ لیا ہو گا اور سہہ نہ پایا ہو گا، حالی اسے چھوڑ دو۔" گوہر حالی کو زبردستی پکڑے کھڑا تھا، آدمی مست مست کرتا ہوا دھمال کے ہجوم میں کھو گیا، گم ہو گیا، مست ہو گیا، الست ہو گیا۔

حالی چیخ رہا تھا، "گناہ گناہ ہے، شرک شرک ہے۔"

"کوئی شرک توحید کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا حالی۔" ایک فقیر چیخ رہا تھا تو دوسرا رو رہا تھا۔

وہ دیکھ رہا تھا کیفیت حالی پر بھی آ رہی تھی، حالی چیخ چلا رہا تھا، لوگ متوجہ تھوڑے ہوئے باقی

دھمال میں گم تھے، حالی چیخ کر فرش پر بیٹھ گیا، گوہر نے اسے اوپر اٹھایا، لوگوں کی وارفتگی میدان میں دھمال کی طرف بڑھ رہی تھی، وہ بمشکل حالی کو گھسیٹا لیتا ہوا مزار کے پاس پہنچا تھا، اسے پتا تھا، اندر کے بیروں میں پتا تھا، حالی نے لکڑی کی جالی کو تھام لیا، جیسے قدموں کو تھام لیا، جکڑ لیا، جکڑا گیا۔

ہر جائے جلوہ نہ کی اول بھی تھی آخر بھی تھی
باطن بھی تھی ظاہر بھی تھی
وحدت کا جام پکڑ دیکھو نظارہ حق کا

کوئی دل کے اندر بولا، آگے کی سکت نہ تھی۔

ہر جائے جلوہ منہ کیا غائب بھی تھی ظاہر بھی تھی
موگمی بھی تھی مئے کشی بھی تھی
مومن بھی تھی کافر بھی تھی

اب کون اس جنگ میں پڑتا، پڑتا تو لٹ جاتا، سر کٹا کر آ جاتا، حالی مگر تڑپ رہا تھا، پہلا ش ئے کا۔

مجاز سے حقیقی، حقیقی کے اندر مجاز، اور مجاز کے اندر حقیقت تھی، وہ تڑپا، محبت اس کے اوپر وار تھی، فقیر قلندر کے قدموں میں بیٹھا ہوا تڑپا تو تڑپ اٹھا۔

''علی گوہر کیوں بھلا دونوں ہاتھوں منہ چہرہ چھپا کر روتے ہو۔''

کیفیت کا ایندھن بن کر آیا ہوا تھا۔

اسے پتہ تھا پہلی سیڑھی، حیرت کی سیڑھی ہوتی ہے، ابھی حیرت کا در کھلے گا، پھر اور تماشہ ہوگا اور تڑپ ہوگی عروج پر، عشق سر پہ بیٹھ کر ناچنے لگا۔

''حالی مر گئے، برے پھنسے، پھنس ہی گئے یار آخر۔''

حالی سے کوئی پوچھتا کہ تڑپ کیا چیز ہوتی ہے۔

تو وہ بتاتا کہ تڑپ کیا چیز ہوتی ہے، یاد کیا چیز ہوتی ہے، احساس کیا چیز ہوتی ہے، وہ قلندر کی جالی کے ہاتھ تھام کر بیٹھا ہوا تھا۔

دوسری طرف خلق خدا کے اندر علی گوہر تھا جسے کیا پتہ کہ وہ امر کلہ کیا، وہ عشق کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا، لور لور پھرتا تھا۔

وہ عشق کے پیچھے پیچھے پھرتا رہا تھا، سامنے مجاز ہاتھ باندھے کھڑا تھا، عشق کیا کیا آخر روپ دھارے گا، نام تھا جس کا امر کلہ۔

دوسری طرف کا خلق خدا کے اندر ایک اور عشق کا نشانہ بن چکا تھا، ہٹ چکا تھا، ہٹ رہا تھا، رو رہا تھا، کسی کی جالی کا ہاتھ ہاتھ میں تھا اور کسی تخی نے دیا تھا وہ ہاتھ اس کے ہاتھ میں، تڑپ بہت گہری تھی، حالی دھیان رکھتا یہ کون کہتا اس سے، کون سمجھاتا، وہ ساری سمجھ سے باہر تھا۔

محبت نقش ہوگئی، عشق نقش ہونے لگا تھا۔

''محبت ہماری محبوبہ ہے حالی۔'' اس کا جملہ اس کے اندر گونجا۔

''اور عشق اس کا ابتدائیہ ہے، ارتقائیہ بھی، مگر انتہائیہ دور بہت دور کی بات تھی، ہاں بڑی دور

کی بات تھی۔"

بات اور تھی، بات سمجھ سے باہر تھی، کیفیت سمجھ سے باہر تھی، اس سے باہر تھی، خود سے باہر تھی، کون پوچھتا کہ حالی یوں جو روتے ہو تو کیوں روتے ہو۔

"کون پوچھتا کہ گوہر یوں جو رو چکے ہو تو کیوں رو چکے ہو، کیا وجہ ہے؟"

"کون بتاتا کہ عشق سر پہ کھڑا ہو کر ناچتا ہے تو کوئی روئے گا نہیں تو کیا ہوگا۔"

عشق خود اپنا تعارف کراتا تھا۔

کبھی کوئی ہوں کبھی کوئی

کبھی زبر ہوں کبھی زیر

زیر زبر کا کھیل پیش لفظ سے آگے کی بات تھا، عشق کے عجب نام ہیں۔

تو کہہ دیا جائے کہ علی گوہر، رو کر چپ کی اوڑھنی اوڑھے پھرتا آوارہ گرد، تو کہہ دیا جائے کہ، کالی بے چین اداس چادر اوڑھے گھومتی امر کلہ تو کہہ دیا جائے کہ روتا بلکتا سسکتا ہوا حالار۔

باقی اس کے دیگر نام وہ خود جانے، وہ خود آشنا ہے، اسے ہم تو عشق کے نام سے جانتے ہیں۔

☆☆☆

"اور پھر نواز حسین یوں ہوا کہ ہمارے راستے الگ ہو گئے، وہ میری چند ماہ کی بیٹی ساتھ لے گئی، میں چپ رہا، پتہ تھا بچی کو اس عمر میں ماں کی ضرورت ہوتی ہے، پلٹ کر نہ دیکھا، نہ پوچھا، بس جیسے سکتہ طاری ہو گیا، کیا بتاؤں کیسا، کیا حالت تھی۔"

"نواز حسین فنکار اکیلا تھا، تنہا تھا، نہ ماں نہ باپ، بہن نہ بھائی، عزیز نہ رشتے دار، سمٹا جا رہا تھا، دنیا گول تھی، مگر سب کچھ پہنچ سے دور تھا۔"

"پھر دل کیا گول دنیا میں گول گول دوڑ لگاؤں، بھاگوں، بھاگتا رہوں اور گول چکر کاٹتا رہوں، نواز حسین منزل کا پتہ نہ تھا، بات حقیقت کی پہنچ سے دور تھی۔" فنکار ریزہ ریزہ ہو گیا۔

تب کہانی کے صفحات ایسے پھاڑے جیسے خود کو پھاڑ کر پھینک دیا ہو، پھر مجھ میں سے ایک بہروپ نکل کھڑا ہوا۔

ہاتھ کا دباؤ ڈھیلا پڑ گیا تھا، نرم پڑ گیا تھا، مگر حرارت جاگ اٹھی تھی، شدت جاگ اٹھی تھی، وہ دور تھا نواز حسین جب لکھاری گویا بن چکا تھا، بن رہا تھا۔

"لوگ کہتے تھے بن چکا، پر میں کہتا ہوں بن رہا تھا، نواز حسین ہر جگہ سے چوٹ کھا کر لوٹا ہوں۔"

"سر آپ نے چوٹ کو پکنے نہیں دیا اس لئے، تازہ چوٹ لے کر بھاگتے تھے، چوٹ کو پکنے دیا جاتا ہے، کہانی جب منہ زور تھی تب آپ نے کہانی کو پھاڑ دیا، خود کو پھاڑ دیا، پھر وہ نغمے کی صورت نکلنا چاہتی ہوگی اور تب آپ نے نغمے گائے ہونگے عشق کے، مگر جب گائیکی کا روپ چڑھا ہوگا تب آپ نے گائیکی چھوڑ دی ہوگی یہی نا۔" نواز حسین کہانی کی گرہیں کھول رہا تھا۔

"ہاں نواز یہ کیا راز ہے میرے یار، میری جان۔"

"سر شدت سے بھاگتے ہیں، سفر طے کر کے چوٹی کے قریب جا کر آپ کو گرنے کا خیال آ

جاتا ہے، چکر آتے ہیں نا؟'' نواز کیا ہی گر رکھتا تھا، فنکاری سے کھیل رہا تھا، کیوں کر جاتا تھا۔

''نواز! میں ڈرپوک ہوں اور بھگوڑا بھی۔'' وہ بچے سے دکھ رہے تھے۔

''نہیں سر، کیفیت ہضم کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور آپ ہضم نہیں کر پاتے ہو نگے، ہاضمہ خراب ہو جاتا ہوگا۔''

''ٹھیک کہتے ہو نواز حسین بالکل ٹھیک کہتے ہو، ہضم نہیں ہو پاتا تھا، ہاضمہ مشکل تھا، کچھ گر کر ٹوٹتا تھا اور ٹوٹ کر بکھر جاتا تھا، میں الٹے پاؤں بھاگنے لگتا تھا، پاگلوں کی طرح بھاگتا تھا، پاگل ہی تھا، لگتا ہے جیسے سب کچھ بیچ میں ادھورا چھوڑ دیا ہو، اب کس کس کام کو مکمل کروں نواز، یا پھر کا'' نا کو کروں یا خود کو کروں مکمل، ٹوٹا ہوا ہوں۔''

''اس سے آگے کی کیا کہانی ہے سر۔''

''نواز فی الحال ہمت نہیں ہے یار، آگے بھی ایک پہاڑ پڑا ہے، چوٹی سے کچھ پہلے ہی، مگر سر کیا ہوا، آدھا سہی، صوفیوں کی چوکھٹ پر گزاری راتیں، طنبورے کے ساتھ کھلتی رات اور یار یہ بھی بے آوارہ گردیاں، رولا کے اور رونا بھی، تڑپ بھی، عشق کی گلیوں کی بقیہ ماندہ رونق جو کھلتی تھی مجھ پہ سحر کی طرح، ٹوٹ پڑتی تھی مگر۔''

وہ سمجھ رہا تھا ان میں بیان کی سکت نہیں ہے۔

''سر رہنے دیں، کہانی کو یہیں رہنے دیں، بس یہ بتائیں فی الحال سکون چاہیے یا کام۔''

''نواز زندگی کی حرارت چاہیے چار دن ہی سہی پر چاہیے، کہاں سے ملے گی، کوئی ڈاکٹر، کوئی طبیب، کوئی وارڈن، کوئی دوا، کوئی علاج کوئی معالجہ، نواز ان ساری جگہوں پر لے چلو جہاں سے چوٹ کھا کر کھسکا تھا۔''

''مطلب کہاں سر؟''

''نواز حسین، کوئی صوفی شاہ عنایت، کوئی تجل دروازے والا، کوئی بھٹائی بھٹ والا، کوئی قلندر سیہون والا، کوئی گولڑوی گولڑہ والا۔'' نواز حسین ششدر نہیں تھا، مسکرایا۔

''تو چلو پھر گنتی الٹی کھیلیں یا سیدھی؟''

''جو بھی نواز حسین مگر گنتی تو کرو، کچھ تو کھیلو، کچھ تو کرو، سفر کا آغاز تو کرو، نواز حسین۔''

''سفر کا آغاز تو ہو چکا، ہو رہا ہے۔'' نواز بڑبڑایا۔

''یہ بے چینی یہ بے کلی، یہ بے قراری، مطلب کچھ باقی ہے، کھیل باقی ہے۔''

''زندگی میں اگر بہت کچھ ادھورا ہے سر تو اس کا غم نہیں ہے، خوش ہو جائیں کہ ادھورے تجربے مکمل کرنے کے لئے زندگی باقی ہے اور وقت باقی ہے۔'' نواز نے ہاتھ پکڑا ان کا اور وہ جیسے سوال کا آدھا جواب پا کر خوش ہو گئے۔

(جاری ہے)

ہما عامر

''اب تو میرا دل بھی ہونے والے بہنوئی سے ملنے کے لئے مچل رہا ہے۔'' تجل کی زبانی ایزد کی تعریفیں سن سن کر عیشال نے اشتیاق سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''ایزدی بہت گڈ لکنگ اور ویل مینرڈ ہیں'' تجل نے مزید کہا۔

''وہ تو ہونا ہی ہے، تایا جی نے منتخب کیا ہے ہونے والے داماد کو، سونے پہ سہاگہ موصوف بیرون ملک سے ایم بی اے کی ڈگری لے کر لوٹے ہیں۔'' عیشال بنا دیکھے ہی ایزد آفریدی سے متاثر ہو گئی تھی، جبکہ تجل مسلسل مسکرا رہی تھی۔

''میری ملاقات تو شاید منگنی کی تقریب میں ہی ہوگی۔'' عیشال نے مایوسی سے کہا، منگنی میں چار دن باقی تھے۔

''ایزدی شام کو مجھے لینے آرہے شاپنگ کر جانا ہے۔'' تجل نے بتایا۔

''پھر تو میری ملاقات پکی ہے۔'' عیشال نے جوش سے کہا، مگر یہ ممکن نہ ہوا ایزد آفریدی کے آنے سے پہلے فری خالہ کا بیٹا شایان اسے اپنی گاڑی میں لینے کے لئے آگیا، فری خالہ نے بھانجی کو بلوایا تھا ملنے کے لئے مبادا خالہ سے ملے بنا کراچی لوٹ جائے، خالہ نے اس دفعہ بھی اس کا استقبال پر جوش انداز میں کیا، عیشال ان کی لاڈلی بھانجی تھی، خالہ نے دوپٹہ سلیقے سے سر پہ جما

مکمل ناول

رکھا تھا، خالہ کو دیکھ کر اسے مما کا بے باک انداز اور عریاں لباس یاد آ گیا، سلیولیس کسا ہوا بلاؤز اور ڈیپ گلا، ”کتنا فرق ہے دونوں بہنوں میں“ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر سر جھٹک کر شایان کی جانب متوجہ ہو گئی جو بھوک لگنے کی وجہ سے شور کر رہا تھا، خالہ کے ساتھ وہ بھی کچن میں آ گئی۔

”سجل کیسی ہے، خالہ پوچھ رہی تھیں۔“

،وہ خالہ کے ساتھ ان کے بیڈ روم میں آ گئی، بیڈ پر لیٹے لیٹے خالہ نے اس سے ڈھیروں باتیں کیں، بس نہیں پوچھا تو اپنی بہن کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا، جانے دونوں بہنوں کے درمیان کون سی خلیج تھی جس سے عیشال ناواقف تھی، فری خالہ ہی نہیں دادی اور تایا جی بھی مما کا ذکر نہیں کرتے تھے، اگر وہ لوگ مما کے وجود سے نالاں تھے تو دوسری جانب بھی ان لوگوں سے اتنی ہی بیزار تھیں، بلکہ وہ بے انتہا کوششوں کے باوجود عیشال کو ان رشتوں سے بدگمان نہیں کر پائی تھیں، کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ در پردہ مما ان لوگوں سے خوفزدہ ہیں، خالہ سے باتیں کرتے کرتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ شام اپنے پر پھیلا چکی تھی خالہ کمرے میں موجود نہیں تھیں، ہاتھوں سے بالوں کو ٹھیک کرتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکل آئی، کچن سے خالہ کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔

”آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟“ اس نے کچن کے دروازے پہ رک کر خالہ سے پوچھا، فری خالہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور پھر مسکرائیں۔

”تم سوتے میں اتنی پیاری اور معصوم لگ رہی تھیں کہ میرا دل ہی نہیں چاہا کہ تمہاری نیند خراب کروں۔“ خالہ نے پیار سے اسے دیکھا، تو وہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔

”میں نے تمہارے پسندیدہ سینڈوچز بنوائے ہیں تم لیونگ روم میں چلو، میں چائے لے کر آ رہی ہوں۔“ وہ مگوں میں چائے انڈیل رہی تھیں، چائے کے دوران وہ کہنے لگیں۔

”زری تمہارا بھی رشتہ طے کر دیتی تو اچھا ہوتا۔“ بلا ارادہ ان کے منہ سے زری کا نام نکل گیا، پھر انہوں نے اپنے لب بھینچ لئے جیسے کہ اس کا نام لینا گناہ ہو۔

”خالہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی ہے۔“ اس نے منہ بنایا۔

”پڑھائی تم مکمل کر چکی ہو، کیا کوئی اور سلسلہ ہے۔“ خالہ کا انداز دوستانہ تھا۔

”اوہ نو خالہ۔“ اسے ہنسی آ گئی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”یہ پیار، محبت، عشق اپنی سمجھ کے باہر روگ ہیں، البتہ میں مما کے منتخب کردہ شخص سے آنکھیں بند کر کے شادی نہیں کروں گی، میرے لائف پارٹنر کو میرا بن کے رہنا پڑے گا، جگہ جگہ منہ مارنے والے کمزور کردار کے مردوں سے مجھے نفرت ہے۔“ اس کے لہجے میں تلخی تھی، اسے مما کے حلقہ احباب کے مرد حضرات یاد آ رہے تھے، جو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر مما کے حسن کے قصیدے پڑھتے تھے، ان کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر رقص کرتے تھے، یہ سب عیشال کے لئے شرمناک تھا، مگر وہ اپنی ماں کی زندگی کا یہ کمزور پہلو کسی کے ساتھ ڈسکس نہیں کر سکتی تھی، یہ دکھ اندر ہی اندر اسے زہریلے ناگ کی طرح ڈستا رہتا تھا، اس وقت بھی شادی کا ذکر آتے ہی اسے یہ سب یاد آ گیا۔

”تمہارا شریک سفر یقیناً ایک بہترین مرد ہو

گا میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، ایزد آفریدی بھی ایک بہترین اور شاندار شخص ہے، شایان کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں اس کے دونوں نے ایک ہی اسکول سے پڑھا ہے، بعد ازاں ایزد انگلینڈ چلا گیا تھا، ویسے بھی مجھے تجل کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی، ارمان بھائی اور تمہاری دادی تجل کا بھلا ہی سوچیں گی، تمہیں بھی ایزد آفریدی جیسا اچھا ہم سفر مل جائے تو میری فکر دور ہو جائے۔''

''آپ تو ہاتھ پاؤں بچا رہی ہیں خالہ شایان ہاشمی جیسے اچھے انسان کی ماں ہو کر آپ باہر کے لڑکوں کی مدح سرائی کر رہی ہیں۔'' اس نے شایان کو آتے دیکھ لیا تھا، تب ہی شرارتاً کہا۔

''مجھے تو تم معاف رکھو، مجھے فی الحال شادی نہیں کرنی، میرا کوئی نام بھی نہ لے۔'' شایان جو کہ نزدیک آ گیا تھا، خالہ کے برابر میں صوفے پر ٹکتے ہوئے گویا ہوا۔

''ہاں عیشو! یہ شایان تو شادی کا نام بھی نہیں لینے دیتا۔'' خالہ نے گویا گلہ کیا۔

''شایان تم کہیں کمیٹڈ ہو؟'' اس نے کھوجنا چاہا تو شایان جھنجلا گیا۔

''اگر ایسا ہے بھی تو تمہیں کیوں بتاؤں۔'' شایان کا سپاٹ انداز دیکھ کر اس کے چہرے کی رنگت متغیر ہو گئی، جسے دیکھ کر خالہ نے شایان کو تنبیہی انداز میں گھورا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے عیشو تم خیال مت کرنا، یہ بتاؤ تمہاری دادی بیگم کے کیا حال چال ہیں۔'' خالہ نے موضوع بدل دیا، دوسرے دن شایان اسے واپس چھوڑ گیا، اس مرتبہ بھی شایان اسے گیٹ پر چھوڑ کر چلا گیا، عیشال کے بے حد اصرار کے باوجود وہ گھر کے اندر نہیں آیا تھا، تائی جی نے ڈھولکی رکھوائی تھی، تجل کی سہیلیوں اور تائی جی کی بھانجیوں کے ساتھ مل کر عیشال نے خوب رنگ جمایا تھا۔

ریشم کا ہے لہنگا میرا جالی کی چنریا
چھن چھن چھن بولے میری پاؤں میں پائلیا

رات گئے تک لڑکیوں نے رونق لگا رکھی تھی، دادی کے ٹوکنے پر ہی انہیں سونے کا خیال آیا تھا، دوسرے روز مہندی تھی تجل اپنی دوست کیٹی کے ساتھ پارلر چلی گئی تھی، تقریب کا انتظام لان میں ہی کیا گیا تھا، تائی جی نے عیشال کے لئے بطور خاص جوڑا بنوایا تھا، پاؤڈر پنک کلر کا خوب گھیر والا فراک اور چوڑی دار پاجامہ فراک پر سفید اور گرین رنگوں میں کام بنا ہوا تھا، تین رنگوں میں رنگا بڑا سا بنارسی دوپٹہ لئے لائٹ میک اپ کیے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی، کانوں میں سفید بڑے بڑے جھمکے ڈال رکھے تھے، تجل بھی کچھ کم نہیں لگ رہی تھی، البتہ دونوں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ دونوں جڑواں ہیں خالہ مقررہ وقت پر آ چکی تھیں پر آج بھی شایان انہیں گیٹ پر چھوڑ کر جا چکا تھا، خالہ نے بتایا کہ وہ کسی دوسری جگہ مدعو ہے۔

لان میں بے حد خوبصورت اسٹیج سجایا گیا تھا، تجل اور ایزد آفریدی اسٹیج پر ایک دوسرے کے پہلو میں براجمان تھے، ایزد آفریدی کے قصیدے عیشال گزشتہ کئی دنوں سے سن رہی تھی آج اسے دیکھ بھی لیا، ایک پل کو تو اس کے دل کی دھڑکن تھم سی گئی دل کو اس نے بری طرح ڈپٹا تھا یہ کہہ کر یہ شخص اس کی بہن کا مقدر ہے اس کی سحر انگیز شخصیت نے اس پر کچھ سحر سا پھونک رہی تھی، بڑی دقتوں سے اس نے خود کو سحر زدہ ہونے سے روکا، تائی جی کے پکارنے پر وہ سج سج کر اسٹیج پر چڑھنے لگی، اس کی نظریں تجل پر تھیں جو ایزد کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی، اسکائی بلیو بھاری کام والا

فراک اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ دوپٹہ سر پر لگائے اس کا نمکین روپ غضب ڈھا رہا تھا، گہری سیاہ آنکھوں کے دیپ جھلملا رہے تھے، عیشال نے دل ہی دل میں اس کی مسکراہٹ کے قائم رہنے کی دعا مانگی، تائی جی نے جب ایزد سے عیشال کا تعارف کروایا تو ایزد اسے بغور دیکھتے ہوئے سوچتا رہ گیا کہ ”عیشال اور نجل میں ذرہ بھر مشابہت نہیں ہے۔“

”کیا سوچنے لگے آپ؟“ عیشال نے اسے متوجہ کیا۔

”سوچ رہا ہوں آپ سے پہلے ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔“ اس کے انداز میں وہی شرارت تھی جو سالی اور بہنوئی کے رشتے کا خاصہ ہوا کرتی ہے، عامیانہ پن کی جھلک بھی نہیں تھی، مگر پھر بھی عیشال کو اس کا انداز ناگوار گزرا تھا اور وہ تنک کر بولی۔

”اچھا ہی ہوا کہ میں آپ سے پہلے نہیں ملی ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس نشست تک پہنچنا نصیب نہ ہوتا۔“ اس کا انداز نجل کو کھلا تھا تب ہی تو اس نے اپنا پیر عیشال کے پیر پر مار کر اسے فضول بولنے سے روکا۔

”بہت خوب۔“ ایزد نے اس کے انداز کو انجوائے کیا تھا، یہ تو طے تھا کہ عیشال اور نجل ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں، ایزد پھر سے نجل کی جانب متوجہ ہو چکا تھا جو کہ اس سے ماہ نور کے بارے میں پوچھ رہی تھی، ماہ نور جو کہ ایزد کی چھوٹی بہن تھی اور آسٹریلیا میں زیر تعلیم تھی، ایزد ایک مضبوط کردار کا نوجوان تھا اور کافی حد تک انا پسند بھی تھا، نجل سے اس کا رشتہ اس کے والد کی پسند پر طے ہوا تھا، اس کے والد فرید آفریدی اور ارمان احمد کے درمیان گہری دوستی تھی اور یہ دوستی تعلیمی دور میں پروان چڑھی تھی، اس دوستی میں آفتاب احمد کا بھی پورا حصہ تھا، آفتاب احمد کے انتقال کے بعد بھی ارمان احمد اور فرید آفریدی کے درمیان مراسم پہلے سے ہی رہے تھے اور اسی تعلق کو مضبوط کرنے کے لئے ایزد اور نجل کے درمیان رشتہ جوڑا گیا تھا، بلکہ وہ تو نکاح کروانا چاہ رہے تھے مگر ارمان احمد کو اعتراض تھا کہ تایا جی کا انتخاب نجل کے لئے موزوں نہیں ہے، رات گئے تقریب اختتام پذیر ہوئی تھی۔

☆☆☆

ارمان احمد اور آفتاب دو ہی بھائی تھے پر دونوں کا ذہنی رجحان مختلف تھا، ارمان احمد درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ تھے اور گورنمنٹ کالج میں لیکچرار تھے جبکہ آفتاب احمد نے محدود سرمائے سے بزنس شروع کیا تھا جو کہ دن بدن ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا، ارمان احمد نے والدہ کی خواہش کو مقدم رکھتے ہوئے اپنی خالہ زاد کو زندگی میں شامل کر لیا تھا، آفتاب احمد نے یہاں بھی من مانی کی اور اپنی پسند سے زرینہ سے شادی کر کے اسے اماں کے سامنے لا کھڑا کیا تھا، زرینہ ایک روشن خیال لڑکی تھی، آمنہ بیگم بیٹے کے اس عمل سے حد درجہ دل برداشتہ ہوئی تھیں، زرینہ کا کھلا ڈلا انداز انہیں سخت ناگوار گزرتا تھا، انہیں یقین ہو گیا تھا کہ بیٹا ہاتھ سے نکل چکا تھا، کاش جب وہ بزنس کے سلسلے میں کراچی گیا تھا، تب وہ اسے اکیلا نہ جانے دیتیں یا خود اس کے ساتھ چلی جاتیں، یا پھر اس کی شادی کر کے بیوی کو اس کے ساتھ بھیجتیں، لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا، سو اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، چند روز رہ کر آفتاب اپنی نئی نویلی دلہن کو لے کر کراچی لوٹ گئے، وقت اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا، شادی کے چند مہینوں بعد ہی آفتاب کو احساس ہو گیا کہ انہوں نے زرینہ کو زندگی میں شامل کر کے سنگین

تو اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور اتنا روئی کہ بخار
چڑھا لیا، وہ ذری سے ملنا چاہتی تھی، مجبوراً ذری کو
اس کی بات ماننی پڑی تب سے وہ چھٹیاں دادی
کے پاس ہی گزار رہی تھی، تجل البتہ کم ہی آتی تھی
اور اس بات کا ذری کو بہت قلق تھا، اب بھی
عیشال منگنی کے بہانے پندرہ دن کے لئے لاہور
پہنچ گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں
تھیں بند آنکھوں کے پیچھے وہ دلنشین چہرہ
مسکرانے لگا، جس کی سنہری آنکھیں لو دے رہی
تھی اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔
''ہشت وہ تجل کی بہن ہے، تمہاری منگیتر
کی بہن، یہ بے ایمانی نہیں چلے گی ایزد آفریدی۔''
اس نے خود کو گھر کا۔
''خواب دیکھنے ہیں تو تجل آفتاب کے
خواب سجاؤ، عیشال آفتاب کے نہیں، عیشال
تمہارے لئے شجر ممنوعہ ہے۔'' اس نے دوسرا تکیہ
منہ پر رکھا اور سونے کی کوشش کرنے لگا، کچھ دیر
بعد ہی وہ نیند کی وادیوں میں کھو چکا تھا۔
عیشال کے کراچی واپس جانے میں چند روز
باقی تھے، گریجویشن کے بعد وہ اپنی ایک دوست
کے بوتیک کے لئے ڈریس ڈیزائن کرتی تھی، تجل
چاہتی تھی کہ وہ مزید کچھ دن رک جائے لیکن وہ
رضامند نہیں تھی، بڑی مشکل سے وہ تجل کی
ناراضگی دور کر پائی تھی، دراصل وہ ایزد آفریدی کا
سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ جانتی تھی کہ جب
تک ایزد آفریدی شہر میں ہے وہ تجل سے ملنے تو
آئے گا ہی اور یہی وجہ تھی کہ وہ جلد واپس جانا
چاہتی تھی۔
''اگر تم نہیں رکنا چاہتی ہو تو میں مجبور نہیں
کروں گی، لیکن تمہیں میرے ساتھ شاپنگ کے
لئے چلنا ہوگا، میں تمہیں شاپنگ کروانا چاہتی
ہوں۔'' یہ الفاظ تائی جی نے اس وقت ادا کیے
جب انہیں پتا لگا کہ عیشال اب رکنے والی نہیں
ہے، تائی جی کے الفاظ سن کر عیشال اور تجل دونوں
ہی پرجوش ہو گئیں، دادی کو بتا کر وہ تینوں گھر میں
موجود گاڑی میں روانہ ہوئیں، گاڑی عیشال
ڈرائیو کر رہی تھی۔
''تائی جی گول گپے بھی کھائیں گے۔''
عیشال نے چٹخارہ لیا۔
''اور چاٹ بھی۔'' تجل نے اس کا بھرپور
ساتھ دیا جبکہ رابعہ مسلسل مسکرا رہی تھیں، شاپنگ
مال سے تائی جی نے اس کے لئے سوٹ اور ایک
سوئیٹر خریدا جبکہ تجل نے اس کے لئے خوبصورت
سی چوڑیاں خریدیں، ویسی ہی چوڑیاں اس نے
تجل کو دلوائی تھیں، تائی جی اب دادی کے لئے
شال لے رہی تھیں کیونکہ سردیوں کی آمد آمد تھی،
تجل بھی اپنے لئے کارڈیگن دیکھ رہی تھی، جبکہ وہ
پرفیومز والے سیکشن میں آ گئی اور پرفیومز چیک
کرنے لگی، تب ہی اسے خود پر کسی کی نظروں کی
تپش محسوس ہوئی تو وہ چونکی اس نے سامنے لگے
دیوار گیر شیشے میں دیکھا تو اسے ایزد آفریدی کا
عکس نظر آیا جو اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑا
گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، اس کی بے
خبری کا فائدہ اٹھا کر، جیسے ہی عیشال کی نظر اس
سے ملی اس کی آنکھوں کا نرم گرم تاثر اجنبیت میں
ڈھل گیا اور وہ عیشال سے نظر چراتا پرفیوم کی
شاپ سے باہر نکل گیا، جبکہ عیشال کے اندر تک
کڑواہٹ گھل گئی۔
''یہ شخص تجل کے لائق نہیں ہے۔'' اس نے
ہونٹ سکوڑے اور پرفیوم واپس رکھتی مڑی اور
تائی جی اور تجل کو ڈھونڈنے لگی، ایزد آفریدی
اسے پھر نظر نہیں آیا، مگر وہ بری طرح سے ایزد

آفریدی سے بدظن ہو چکی تھی، ایزد کا اسے دیکھنا اور پھر انجان بن کر گزر جانا، اس کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا، جب ہی تو واپسی پر اسے گول گپوں نے مزا دیا نہ ہی چاٹ نے چٹخارا لینے پر مجبور کیا، رات کے کھانے کے بعد وہ دادی کے بستر میں گھس گئی۔

"چند روز اور رک جاتیں۔" دادی نے پیار سے اسے دیکھا۔

"نہیں دادی میری غیر موجودگی میں مما کو گھر آنے کا ہوش بھی نہیں رہتا۔" اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا، اس نے فوراً دانتوں تلے زبان دبالی، وہ دادی سے یہ ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی مگر۔

"ایشا وہ اب بھی اپنی روش پر برقرار ہے، جوان بیٹی کا بھی اسے احساس نہیں ہے۔" دادی نے تاسف سے کہا تھا اور وہ پچھتا رہی تھی کہ کیوں اس نے یہ بات بتائی۔

"میری گھر میں موجودگی سے اتنا فرق تو پڑتا ہے کہ ان کے دوست گھر میں نہیں آتے۔" اس کی آنکھیں ضبط گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں، اچانک وہ کسی خیال سے چونکی۔

"دادی! مجھے ایزد آفریدی اچھا نہیں لگتا، وہ تجل کے لائق نہیں ہے۔" اس نے ان کے کان میں گھس کر کہا۔

"دماغ درست تو ہے تیرا بچی، وہ اتنا سلجھا ہوا بچہ ہے۔" دادی کو ناگوار گزرا تھا۔

"سب ڈھکوسلہ ہے دادی، اس کا کیریکٹر ٹھیک نہیں ہے۔" وہ بضد تھی۔

"ارے تو اتنی سمجھدار کب سے ہو گئی کہ ایک ملاقات میں ہی بندے کو پرکھ لے۔"

"اور پھر وہ ایک اعلیٰ خاندان کا چشم و چراغ ہے۔" دادی کو اس کی سمجھداری پر شک تھا۔

"خاندان کی بات تو آپ نہ ہی کریں، کیا مما اعلیٰ خاندان کی فرد نہیں ہیں، میں نہیں چاہتی کہ تجل کو کوئی دکھ ملے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ماں کا حوالہ دیا تھا اور دادی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عیشال کو کس طرح یقین دلائیں کہ ایزد آفریدی بہترین انتخاب ہے، دو روز بعد وہ دل میں بے پناہ وسوسے لئے کراچی لوٹ آئی، حسب معمول مما غیر حاضر تھیں، لیڈی ماریا نے بتایا کہ وہ پارٹی میں گئی ہیں لیٹ نائٹ واپس آئیں گی۔

☆☆☆

"یہ بتائیں بھابھی کیسی لگیں آپ کو۔" اسکائپ پر ماہ نور اس سے مخاطب تھی۔

"اچھی ہے۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔

"صرف اچھی۔" ماہ نور نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"میرا خیال تھا لالہ کہ آپ کہیں گے کہ بہت اچھی لگیں ہیں بھابھی آپ کو۔" اس نے کہا۔

"بہت اچھی تو مجھے عیشال آفتاب ہے تجل کی بہن۔" اس نے رک کر کہا۔

"آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی لالہ آپ کو آپ کی منگیتر سے زیادہ اس کی بہن اچھی لگی ہے، تو پھر منگنی بھی اسی سے کر لیتے۔"

"میں نے منگنی پر ہی عیشال کو دیکھا ہے۔"

"تو اب آپ عمر بھر اپنی بیوی کو دھوکا دیتے رہیں گے کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں۔" ماہ نور تلخ ہو گئی تھی، اسے اپنے لالہ سے یہ توقع نہیں تھی۔

"میں نے سوچا ہے کہ شادی کے بعد میں انگلینڈ سیٹل ہو جاؤں گا، عیشال میرے سامنے نہیں آئے گی تو تجل کو خوش رکھنے میں آسانی ہو گی اور جب عیشال میرے سامنے آتی ہے تو مجھے سب کچھ بھولنے لگتا ہے۔" وہ بہت شرمندہ لگ

رہا تھا، محبت اس کے اختیار سے باہر تھی۔

"حیرت ہے لالہ! آپ کو محبت ہوئی بھی تو کہاں۔" ماہ نور نے کہا اور وہ بے دلی سے لائن آف کر گیا، وہ عہد شکنی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، نجل بابا کا انتخاب تھی، منگنی سے پہلے اس نے نجل کو دیکھ کر اوکے کیا تھا، تب تک دل نے محبت کا ذائقہ نہیں چکھا تھا، وہ اپنی کچھ روز پہلے والی حرکت پر خائف تھا جب اس نے عیشال کو شاپنگ سینٹر میں دیکھا تھا اور کچھ دیر کے لئے تو وہ خود کو بھی بھول گیا تھا اور ہوش آتے ہی وہ بنا شاپنگ کئے واپس لوٹ آیا تھا۔

☆☆☆

"عیشال آج شام مسز قدیر کے گھر پارٹی ہے تم بھی ساتھ چلنا انہوں نے بہت اصرار سے تمہیں انوائیٹ کیا ہے۔" ناشتے کی ٹیبل پر زری اس سے مخاطب تھی۔

"سوری مام مجھے ایسی جگہوں پر جانے سے وحشت ہوتی ہے، جہاں بہت زیادہ ہجوم ہو، گہما گہمی ہو اور پھر کس قدر بناوٹی انداز میں گال سے گال ملا کر ملتے ہیں۔" اس نے معذرت کے ساتھ وضاحت بھی کر دی، زری سے اسے بہت محبت تھی، اختلاف رائے کے باوجود بھی باپ کو تو وہ کم عمر میں ہی کھو چکی تھی، پر زری کو کھونا نہیں چاہتی تھی، زری کی ایکٹوٹیز اکثر اسے شرمندہ کر دیتی تھیں، ماؤں کو تو باوقار ہونا چاہیے اور اتنی پرہیزگار بھی کہ بنا کسی جھجک کے کہ بندہ ماں کے آنچل پر نماز ادا کرے پر اس کی ماں میں ایسی کوئی خوبی نہیں تھی، پھر بھی وہ اپنی ماں سے محبت کرتی تھی، مگر اس کی ایکٹوٹیز میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔

"تو تم نہیں چلو گی؟"

"مام مجھ ثانیہ کی طرف جانا ہے۔" اس کی کال آئی تھی، اس کی مما ہاسپٹلائز ہیں۔" اس نے بتایا۔

"او کے ڈارلنگ! میں آفس سے لیٹ ہو رہی ہوں۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر بیگ سنبھالتی ہوئی آگے بڑھ گئیں، وہ ان کی پشت کو دیکھتی رہ گئی، وہ اب بھی اتنی ہی اسمارٹ تھیں البتہ سگریٹ نوشی نے ان کے ہونٹوں کو سیاہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

"یار اچانک آنٹی کو کیا ہوا جو ہاسپٹلائز کرنا پڑا۔" ہاسپٹل کی راہداری میں ثانیہ کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے پوچھا، وہ دونوں ہاسپٹل کے لان کی سمت جا رہی تھیں، ثانیہ کی مما اس وقت سو رہی تھیں ان کی بھاوج ان کے پاس تھی۔

"پرسوں رات عدنان بھائی سے بحث ہو گئی تھی اسی بات کو لے کر ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔" ثانیہ کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی تھی، وہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی اور اپنی والدہ سے نزدیک بھی تھی، وہ دونوں لان میں بنی سنگی بینچ پر بیٹھ گئی تھیں، ہسپتال میں اس وقت کافی چہل پہل تھی مریضوں اور دیگر افراد کی آمد و رفت جاری تھی، عیشال اس رخ سے بیٹھی تھی کہ کوریڈور سے باہر آنے والے افراد اس کی نظروں سے سامنے سے گزرتے ہوئے باہر جا رہے تھے، ثانیہ بتا رہی تھی کہ بھابھی کی والدہ اپنے بیٹے کا رشتہ اس کے لئے لانا چاہ رہی تھیں امی رضامند نہیں تھیں کیونکہ وہ شخص پہلے ہی ایک بیوی کو نمٹا چکا تھا۔

"آنٹی کی بیماری کا لحاظ کر کے شاید عدنان بھائی دوبارہ یہ موضوع نہ چھیڑیں۔" اس نے ثانیہ کو اطمینان دلایا مگر خود اس کا سکون رخصت ہو گیا، کوریڈور سے نکلتے شخص کو پہچاننے میں اسے دقت نہیں ہوئی تھی، وہ ازید آفریدی تھا اور وہ تنہا

نہیں تھا اس کے ساتھ ایک نازک اندام لڑکی تھی، جس نے اسٹائلش سوٹ پہن رکھا تھا، چہرے سے ہی وہ بیزار نظر آرہی تھی، اسے لگا کہ وہ اس لڑکی کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکی تھی پر اسے یاد نہیں آیا کہ اس نے اس لڑکی کو کہاں دیکھا تھا، عیشال پوری توجہ ان دونوں پر مرکوز ہو چکی تھی، ثانیہ سے کیا کہہ رہی تھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

''کتنا دھوکہ باز ہے یہ شخص جہاں لڑکی دیکھی پھسل گیا، نجانے کتنی لڑکیوں سے دوستانہ ہے اس کا، میں اسے تجل کی زندگی برباد نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی، جبکہ وہ گاڑی میں جا چکا تھا، وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ تھی، وہ خالی خالی نظروں سے ثانیہ کو دیکھنے لگی، جواب بھی کچھ کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

رات کو وہ سونے لیٹی تھی جب اس کے سیل پر کال آنے لگی، اس نے لیس کا بٹن دبا کر کال ریسیو کی لی، دوسری جانب تجل گلہ کر رہی تھی کہ اسے کراچی واپس گئے اتنے دن ہو گئے ہیں اس نے ایک مرتبہ بھی تجل کو کال نہیں کی۔

''سچ تجل آج میں تمہیں کال کرنے ہی والی تھی، بلیو می یہ بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں اور وہ ایزد آفریدی ان کا کیا حال ہے؟'' اس نے ایک ساتھ اتنے سوالات کر دیئے۔

''تم کہتی ہو تو میں مان لیتی ہوں، گھر میں سب ٹھیک ہیں اور تمہیں یاد کرتے ہیں، ایزد آفریدی بھی ٹھیک ہیں، اسی ہفتے پہلے وہ ضروری کام سے کراچی گئے ہیں۔'' تجل نے بتایا۔

(ان کے ضروری کاموں کو میں اب اچھی طرح جان گئی ہوں۔)

''کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں جیجو، مجھے ان کا ایڈریس دو ان سے ملنے بھی جاؤں گی۔''

''اچھا!'' تجل ہنس دی۔

''ایزد کا ایڈریس میں تمہیں سینڈ کر دوں گی۔'' کافی دیر تجل نے باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی، اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ موقع نکال کر ایزد سے ملنے جائے گی، اس نے طے کر لیا تھا کہ اسے ایزد سے کیا کہنا ہے، سوچتے سوچتے اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ مسلسل ایزد کے بارے میں ہی سوچ رہی ہے، وہ شخص اس کی سوچوں سے کسی جونک کی طرح چمٹ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ کافی لیٹ سو کر اٹھی تھی، ناشتہ اس نے روم میں ہی کیا تھا اور اس وقت وہ میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی، دروازہ کھول کر ملازمہ داخل ہوئی اور اس نے ثانیہ کی آمد کا بتایا تو عیشال نے ثانیہ کو کمرے میں بھیجنے کا کہا، اس نے اپنے حلیے پر نظر ڈالی وہ رات والے ڈریس میں تھی، پہلے سوچا کہ لباس تبدیل کرے مگر پھر کاہلی سے بیڈ پر نیم دراز ہو گئی اور پھر سے میگزین پر نظر ڈالی، کالج آف ہونے کے بعد اکثر و بیشتر ثانیہ اس کی طرف آجاتی تھی، کبھی وہ بھی ثانیہ کی طرف چلی جاتی تھی۔

''اوہ ہو دل چاہ رہا ہے تمہیں چوم لوں۔'' ثانیہ نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس کا جائزہ لیا اور پھر لوفرانہ انداز اختیار کیا، جس پر عیشال جھینپ گئی۔

''بکواس بند کرو، بہت بولنے لگی ہو۔''

''او نہیں یار تو واقعی قیامت لگ رہی ہے۔''

''کیسے زحمت کی یہ بتاؤ۔'' عیشال نے موضوع بدلا۔

''تمہیں بتایا تھا کہ میڈم عالیہ ریٹائرمنٹ لے کر آسٹریلیا جا رہی ہیں، ان سے ملنے چلو پر تم

نہیں مائیں سو میں آج ان سے مل کر ہی آ رہی ہوں، وہ تمہارا پوچھ رہی تھیں اب تمہیں ایسی بھی کیا مصروفیت کہ تم استاد سے ملنے کے لیے بھی وقت نہیں نکال سکتیں وہ ہماری کالج پرنسپل ہیں۔"
ثانیہ اس کی نزدیک بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ریموٹ اٹھا چکی تھی۔

"دیکھوں گی یار، آج تو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے جمائی روکی۔

"کل ضرور چلی جانا۔" ثانیہ نے تاکید کی۔

"او کے اب سر مت کھاؤ چلی جاؤں گی، کیا منگواؤں تمہارے لیے۔" اسے ثانیہ کی تواضع کا خیال آیا۔

"میرا خیال ہے کافی ٹھیک رہے گی اور ساتھ میں سینڈوچز بھی۔" ثانیہ نے پیر سمیٹ کر بیڈ پر رکھ لیے، عیشال انٹرکام پر ملازمہ کو ہدایت دینے لگی۔

☆☆☆

عیشال دوسرے روز کجل کے بتائے گئے ایڈریس پر گئی تو وہاں سے مایوس لوٹی، بنگلے کے چوکیدار نے کہا کہ صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں، اس پر جھلاہٹ سوار ہو گئی تھی، اس نے گاڑی کو کالج کی جانب موڑ لیا، تاکہ پرنسپل سے ملاقات ہو جائے، ایزد آفریدی پھر کسی حسینہ کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہو گا، میں اسے زیادہ کھل کھیلنے نہیں دوں گی، اس نے دانت کچکچا کر سوچا تھا، آج کل ایزد آفریدی ہر وقت اس کے حواسوں پر چھایا رہتا تھا، بس کسی طرح اسے کجل کی زندگی برباد کرنے سے روک دے، اس نے آلٹو گیٹ کے پاس پارک کی اور خود کار سے باہر نکل آئی، میڈم سے ملاقات خوشگوار رہی تھی، میڈم عالیہ نے اسے تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دیا تھا، جس پر عمل کرنے کا اس کا ارادہ نہیں تھا، چند ایک

دوسری ٹیچرز سے بھی اس نے ملاقات کی اور پھر کالج گیٹ کی جانب آ گئی، اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے دیکھا کہ سفید کرولا کالج گیٹ سے نکل رہی تھی، فرنٹ سیٹ پر وہی لڑکی تھی جسے اس نے اب پہچان لیا تھا، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص وہ تھا، جس نے اس کا سکون غارت کر رکھا تھا، سفید کرولا آگے بڑھ چکی تھی عیشال نے بھی اپنی آلٹو احتیاط کے ساتھ کرولا کے پیچھے لگا دی۔

"آج تو ایزد آفریدی تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑوں گی۔" وہ مہارت سے کرولا کا پیچھا کر رہی تھی، کرولا کا رخ ہاؤسنگ سوسائٹی کی جانب تھا، عیشال نے قیاس لگایا کہ وہ اس لڑکی کے گھر جا رہا تھا تب ہی سگنل پر اسے گاڑی روکنا پڑی، ایزد کی گاڑی بھی کچھ آگے جا کر رک گئی تھی، درمیان میں دو گاڑیاں اور بھی تھیں، عیشال پر امید تھی کہ آج ایزد بچ نہیں سکے گا۔

"پھول لے لو۔" ایک لڑکا کھڑکی میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا، وہ اسے منع کرتے کرتے رکی اور پھر پھول اس کے ہاتھ سے لے کر ڈیش بورڈ پر رکھ کر اس نے سائیڈ پر رکھا اپنا بیگ کھولا اور پیسے نکالنے لگی۔

"پیسے نہیں چاہئیں مس جی۔" لڑکا دانت نکوس رہا تھا۔

"ہائیں تو پھر یہ گجرے کس لیے؟" اس نے لڑکے کو گھورا جس کی عمر سترہ اٹھارہ سال لگ رہی تھی۔

"وہ جی تحفہ سمجھ کر رکھ لیں، آپ بہت خوبصورت ہیں جی۔" وہ لڑکا اسے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھ رہا تھا، جبکہ عیشال کا میٹر گھوم گیا، اس کی یہ اوقات، رہ گئی تھی کہ سگنل پر گجرے بیچنے والا اس پر لائن مارے گا۔

"دماغ درست ہے تمہارا پکڑو اپنے گجرے اور دفع ہو جاؤ ورنہ ابھی پولیس کو بلا کر اندر کروا دوں گی پھر تھانے میں بیٹھ کر جس کو مرضی تحفے دینا یا پھر تھانیدار کے حسن کے قصیدے پڑھنا، غضب خدا کا اب سگنل پر کھڑے ہو کر تم یہ کام کرو گے۔" اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، جب ہی وہ تیز لہجے میں چیخ رہی تھی، لڑکا اس کا موڈ دیکھتا ہی کھسک گیا تھا، گجرے بیچ سڑک پر پڑے اپنی قسمت پر نوحہ کناں تھے، سگنل کی بتی سبز ہو چکی تھی، گاڑیاں رواں ہو چکی تھیں، ایک عیشال ہی تھی جو اب بھی بڑبڑا رہی تھی۔

"اب سڑکوں پر اس طرح کی لو اسٹوری بھی بنیں گی، گجرے بیچنے والا لڑکا اور گاڑی میں بیٹھی حسینہ۔" وہ شاید مسلسل بولتی رہتی، مگر اس کی آلٹو کے پیچھے کھڑی گاڑی کا ہارن مسلسل بج رہا تھا، سو اس نے اپنے حواسوں کو یکجا کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی سڑک پر دور دور تک سفید کرولا کا نام و نشان تک نہیں تھا، عیشال کے چہرے کی رنگت غم و غصے کے باعث سرخ ہو رہی تھی، نقوش میں تناؤ محسوس ہو رہا تھا، اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس بات کا زیادہ غم کرے پھول بیچنے والے لڑکے کی ہمت پر یا ایزد آفریدی کے بچ نکلنے پر۔

☆☆☆

گھر میں حسب معمول الو بول رہے تھے وہ بھی کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی رات کا کھانا بھی اس نے کمرے میں ہی کھایا تھا، مما اب تک واپس نہیں آئی تھیں، آج صبح سے ہی اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ غلط ہو رہا تھا، صبح ملازمہ نے کپڑے پریس کرتے ہوئے اس کے نئے سوٹ کی شرٹ جلا دی تھی، پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے بوتل اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی تھی، پھول بیچنے والے لڑکے کی دیدہ دلیری نے مزید اس کا موڈ خراب کر دیا تھا، سونے پہ سہاگہ ایزد آفریدی اس لڑکی سمیت بچ نکلا تھا، رات کے بارہ بجے تھے اور اب تک مام کی واپسی نہیں ہوئی تھی، وہ بے قراری سے کمرے میں یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھی، کچھ خیال آنے پر اس نے مام کا سیل نمبر ملایا جو کہ حسب توقع بند آ رہا تھا، اب اگر وہ ان سے پوچھے گی کہ مام موبائل بند کیوں آ رہا تھا تو وہ جواب میں کہیں گی کہ سگنل نہیں آ رہے تھے، یا پھر بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی، رات کے دو بجے آفتاب منزل کے گیٹ پر گاڑی رکنے کی آواز سن کر عیشال کھڑکی کا پردہ سرکا کر کھڑی ہو گئی، وہ گاڑی مما کی نہیں تھی، مگر اس میں سے مما ہی باہر آئی تھیں اور انہیں سہارا دینے والے بازو رضوان گوریجہ کے تھے، رضوان کی فیملی امریکہ میں سیٹل تھی، مام اس وقت مکمل طور پر مدہوش لگ رہی تھیں، ایک نامحرم مرد کو اپنی ماں کے اس قدر نزدیک دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ وہ خودکشی کر لے، یا پھر کسی جنگل میں جا کر بس جائے، گیٹ تک چھوڑ کر رضوان اپنی گاڑی میں بیٹھ کر جا چکا تھا، جبکہ مام کچھ گنگناتے ہوئے روش عبور کر رہی تھیں، ان کے قدم ڈگمگا رہے تھے، عیشال کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی، ضبط کے باوجود بھی اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"مما آپ رات کہاں تھیں؟" اسے جیسے ہی مما کے بیدار ہونے کا علم ہوا وہ ان کے بیڈ روم میں جا پہنچی، لیمن جوس پیتے ہوئے زری نے اسے دیکھا، آج سے پہلے اس نے بھی زری سے جواب طلب نہیں کیا تھا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"میں آپ سے سیدھی سی بات پوچھ رہی ہوں کہ آپ کل رات دو بجے تک کہاں تھیں؟"

اس کا لہجہ تلخ تھا۔
"میں نعیم صدیقی کے گھر پر تھی۔" انہوں نے جواب دیا۔
"اس طرح رات گئے تک گھر سے باہر رہنا اور ڈرنک کر کے غیر مردوں کے ساتھ لوٹنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔" آج وہ سب ادب آداب بھول گئی تھی، پچھلی شب محسوس کی جانے والی اذیت اس سے بھولی نہیں جارہی تھی۔
"تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو، کچھ احساس ہے تم اپنی ماں سے مخاطب ہو۔" ان سے عیشال کا انداز ہضم نہیں ہو رہا تھا۔
"احساس ہے جب ہی تو سہا نہیں جا رہا مجھ سے اور ماں کب ایسی ہوتی ہے؟ آپ نے کب میرے لئے اپنی راتوں کی نیند برباد کی ہے، میری وجہ سے اپنی ذات پر تکلیف جھیلی ہے، میرے شب و روز میں دلچسپی لی ہے۔" اس کا لہجہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔
"آپ کو تو یہ تک نہیں پتا کہ مجھے کھانے میں کیا اچھا لگتا ہے آپ کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اپنے اسکول کے رزلٹ پر پیرنٹس سگنیچر والی جگہ پر آپ کے سائن میں خود کرتی تھی، آپ نے بس مجھے پیدا کرنے کی زحمت کی ہے۔" اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔
"ایسی کیا قیامت آگئی ہے اگر میں نے نشہ کر لیا یا اپنی تنہائی بانٹنے کے لئے کچھ دوست بنا لئے، میں چاہتی تو آفتاب کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لیتی، لیکن میں نے تمہاری خاطر دوسری شادی نہیں کی۔" زری کا لہجہ پست تھا۔
"بہتر تھا آپ دوسری شادی کر لیتیں، آج جس غلاظت میں اتر چکی ہیں، جسے دیکھ کر مجھے جس قدر شرمساری ہوتی ہے اس سے تو بچت ہو جاتی، یا پھر آپ مجھے بھی تایا جی کو دے دیتیں۔"

اس کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔
"کیوں دے دیتی میں تمہیں ان کو، انہوں نے میری ایک بیٹی تو چھین لی مجھ سے۔" اب زری کی آواز میں بھی نمی کی جھلک تھی، آج اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ خسارہ اٹھا چکی ہے۔
"بہت اچھا ہوا کہ پاپا نے نجل کو تایا جی کو دے دیا، مجھ سے بہت اچھی زندگی گزار رہی ہے نجل، میری طرح اس کے شب و روز اذیت بھرے نہیں گزرتے، نہ ہی میرے جیسی ٹوٹی بکھری شخصیت ہے اس کی، آپ بہت غلط کر رہی ہیں اپنے ساتھ بھی اور میرے ساتھ بھی۔" وہ تھکے تھکے قدموں سے زری کے کمرے سے باہر نکل آئی اور اپنے کمرے میں بند ہو گئی، البتہ زری مقررہ وقت پر آفس کے لئے نکل گئی تھی اور پھر رات بھی اس کی واپسی جلد ہی ہو گئی تھی، اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کی روش اسے عیشال کی محبت سے بھی محروم کر دے گی۔
دو روز بعد عیشال آج کمرے سے باہر نکلی تھی، زری آفس جا چکی تھی، گھر میں صرف ملازمین ہی موجود تھے، بے خوابی اور کمزوری کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں ہو رہے تھے، لیڈی ماریا کو اسے دیکھ کر دکھ کا احساس ہو، وہ پھرتی سے اس کے سامنے ناشتہ کرنے لگی، دو روز سے اسے کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں تھا، لیڈی ماریا اس کے روم میں جا کر زبردستی کچھ نہ کچھ کھلا پلا رہی تھیں، ورنہ اس وقت وہ چلنے کے قابل بھی نہیں ہوتی، لیڈی ماریا اس کے بچپن سے اس گھر میں تھیں، گھر کے تمام امور ان کی ہی زیر نگرانی ہوتے تھے۔
"بے بی میں نے تمہارے لئے فرنچ ٹوسٹ بنائے ہیں۔" لیڈی ماریا نے اس کی پلیٹ میں سنہرا اسلائس رکھا تو وہ آہستگی سے کانٹے

کی مدد سے اسے کھانے لگی، ناشتے سے فارغ ہو کر لاؤنج میں آ بیٹھی، لیڈی ماریا نے بتایا کہ لینڈ لائن پہ گزشتہ روز ثانیہ کی کال آئی تھی وہ اس سے ملنا چاہتی ہے، اس نے بددلی سے لیڈی ماریا کی بات سنی تھی، اس کا سیل فون دو دنوں سے آف تھا، شاید اسی لئے ثانیہ نے لینڈ لائن پر کال کی تھی، جب دل گھر میں نہ بہلا تو وہ آٹو لے کر آفتاب منزل سے نکل آئی، لیکن اس سے پہلے اس نے شاور لے کر ڈھنگ کے کپڑے ضرور پہن لئے تھے، اس کی گاڑی کا رخ ایک پارک کی جانب تھا، وہ کچھ دیر کے لئے تفکرات کو دل و دماغ سے جھٹک دینا چاہتی تھی، وہ ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گئی، اس وقت پارک میں آمد ورفت بہت کم تھی، عیشال نے درخت کے تنے سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں، اس کے چہرے پر حزن وملال کا تاثر چھایا ہوا تھا، درخت کی شاخ پر ایک کوئل بیٹھی کوک رہی تھی، اس کی آواز کانوں کو بھلی لگ رہی تھی، عیشال کی سماعت کوئل کی کوک پر مرکوز تھیں، اسے اسی پوزیشن میں بیٹھے جانے کتنی دیر ہو گئی تھی، اسے کوئی اندازہ نہیں تھا نرم ہوا اس کے کومل سے وجود سے ٹکرا کر گزر رہی تھی، اسے نیند سی آنے لگی تھی، ایکدم وہ چونک کر آنکھیں کھول بیٹھی اسے محسوس ہوا کہ وہ کسی کی نظروں کی گرفت میں ہے اور اس کا شک درست تھا، اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھا شخص اسے ہی دیکھ رہا تھا، بنا پلکیں جھپکائے عیشال کو ہتک کا احساس ہوا تھا۔

"آخر یہ مجھے کیا سمجھتا ہے۔" وہ کپڑے جھاڑتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے، اس شخص کی جانب، عیشال کو اپنے نزدیک آتے دیکھ کر اس نے نظر ہٹائی اور بے حد سکون کے ساتھ موبائل پر کچھ ٹائپ کرنے لگا۔

"اے مسٹر مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ اس کے سر پہ کھڑی تھی۔

"عیشال آفتاب تمہیں اپنے سامنے اچانک دیکھ کر اچھا لگا۔" وہ اس کے سامنے پورے قد سے کھڑا تھا اور اس کے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ کھیل رہی تھی، بلیو جینز پر انگوری ٹی شرٹ پہنے وہ ہمیشہ کی طرح ماحول پر چھا رہا تھا۔

"پوچھ سکتی ہوں یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" عیشال کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میں یہاں کسی سے ملنے آیا تھا۔"

"کسی لڑکی سے ملنے ہی آئے ہو گے اینی وے مجھے یہ کہنا تھا کہ تم تجل سے منگنی ختم کر دو۔" وہ ایکدم چونکا تھا، عیشال کی بات سن کر اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"میں سمجھا دیتی ہوں، مسٹر ایزد آفریدی تم مجھے تجل کے لائق نہیں لگے۔"

"تو پھر؟" اس کے ابرو تن گئے۔

"کہا نہ کہ منگنی توڑ دو۔"

"یہ بات تم تجل سے کہو یا پھر اپنے گھر والوں سے، میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کروں گا۔" اس کے چہرے کے تاثرات میں تناؤ آ گیا تھا۔

"کوئی میری بات سمجھنے کو تیار نہیں ہو گا، تمہاری ظاہری شخصیت نے ان سب پر جادو کر دیا ہے، جبکہ میرے خیال میں اصل حسن انسان کے خدوخال میں کہیں اس کے کردار میں پوشیدہ ہوتا ہے۔" اس کا لہجہ نفرت میں ڈوبا ہوا تھا، ایزد کو حیرت نے گھیر لیا، اس قدر نفرت اس قدر کڑواہٹ اس کے مزاج میں آ گئی کیسے اور وہ جانے کیسے جھیل گیا، کوئی دوسرا اس کے مقابل

کھڑا ہو کر اس کے کردار کو نشانہ بناتا تو وہ اسے شوٹ کر دیتا مگر مقابل یہ لڑکی تھی، جسے اسے نے کہا تو فقط اتنا۔

"تم نے کب میرے کردار میں کھوٹ دیکھا ہے اس طرح کی الزام تراشی کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔" اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں، خود کو بہت بے بس پا رہا تھا وہ۔

"نہ مجھے کچھ ثابت کرنا ہے نہ بتانا ہے، میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ منگنی ختم ہو جائے۔"

"ایسا ہرگز نہیں ہوگا تمہیں جو کرنا ہے کر لو۔" ایزد نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"میں تجل کو تمہاری نہیں بننے دوں گی۔" عیشال نے انگلی اٹھا کر اس کی جانب اشارہ کیا پھر وہ ایڑھیوں پر مڑی اور تیز قدموں سے پارک کے گیٹ کی جانب بڑھ گئی، وہ ہونٹ بھینچے اس کی پشت کو گھورتا رہ گیا۔

☆☆☆

اس کی گاڑی ثانیہ کے گھر کی جانب رواں تھی، آج ثانیہ کی منگنی کی تقریب تھی، اس کا رشتہ اس کے لندن پلٹ کزن کے ساتھ طے پا چکا تھا، اس کی گاڑی نے ابھی آدھا فاصلہ طے کیا تھا، اس کی توجہ بھی ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا سیل فون وائبریٹ کرنے لگا، تجل کا نمبر دیکھ کر اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی اور کال ریسیو کی، دوسری جانب تجل کا مزاج برہم تھا، وہ عیشال کی آواز سنتے ہی شروع ہو چکی تھی۔

"عیشو تم ایسا کیوں کر رہی ہو، تمہیں ایزد کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے، ایزد بہت اچھے ہیں۔"

"اوہ تو انہوں نے تمہیں خبر پہنچا دی۔" اس کا لہجہ نادانستہ کٹیلا ہو گیا تھا۔

"تمہیں ان کے بارے میں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔" تجل کی آواز گھبرائی ہوئی تھی، اس کے دل کو دھچکا لگا، یہ سب وہ تجل کی خوشی کے لئے کر رہی تھی۔

"ایزد آفریدی تم سب لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں، میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جیسا وہ نظر آتا ہے وہ ویسا نہیں ہے تجل، اس کے ساتھ تمہاری زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"عیشال میری بات سنو، ایزد نے جب مجھے فون کیا تھا تو پاپا نے ایکسٹینشن پر ساری بات سن لی ہے، گھر میں بہت ٹینشن چل رہی ہے، پاپا بہت غصے میں تھے، ان کے خیال میں تمہیں ایزد سے کوئی بات نہیں کرنا چاہیے تھی، تمہیں ایزد کے کردار میں کوئی جھول نظر آیا تھا تو تم پاپا سے یا مجھ سے بات کرتیں۔" تجل نے تفصیل سے بتایا۔

"میں نے دادی سے اس موضوع پر بات کی تھی، مگر انہیں تو زمانے بھر کی خوبیاں ایزد آفریدی میں نظر آتی، اور تم لکھ لو میں غلط نہیں ہوں، میں تمہیں پروف دوں گی کہ وہ تم جیسی لڑکی کے لائق نہیں ہے۔" اس نے تپ کر کال ڈسکنیکٹ کر دی اور بے دلی سے گاڑی آگے بڑھا دی، ثانیہ کی منگنی کافی دھوم دھام سے ہو رہی تھی، عیشال نے اسٹیج پر جا کر ثانیہ سے ملاقات کی اور پھر اسٹیج سے اتر کر ایک جانب خالی کرسی دیکھ کر اس پر بیٹھ گئی، ثانیہ اس کے دیر سے آنے سے کافی ناراض تھی، عیشال نے خود کو بہت مشکل میں گھرا محسوس کیا تھا اور ایزد کو وہاں دیکھ کر اسے اچھا خاصا دھچکا لگا تھا، وہ دولہا کے ساتھ آیا تھا اور اس کے ساتھ وہ لڑکی بھی تھی عیشال کو اس کا نام یاد آ گیا وہ رانیل تھی، وہی لڑکی جسے دو مرتبہ پہلے بھی وہ ایزد کے ساتھ دیکھ چکی تھی، عیشال قدرے سنسان گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی، کچھ دور وہ دونوں بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ ارد گرد سے بے خبر

تھے اور باتوں میں مگن تھے، عیشال کی ساری توجہ ان دونوں پر تھی، رانبل نے ریڈ کلر کا اسٹائلش سوٹ پہن رکھا تھا، یکا یک ایک خیال نے اس کے دل میں گھر کیا تو اس نے بیگ سے اپنا موبائل نکالا اور ان دونوں کی ویڈیو بنانے لگی، ایزد رانبل کا ہاتھ تھامے اسے کچھ کہہ رہا تھا، عیشال کو ایسا لگا کہ رانبل رو رہی تھی، پھر وہ دونوں اٹھے اور بنا کسی سے کچھ واپس جانے لگے، عیشال نے پھرتی سے موبائل کا کیمرہ آف کر کے بیگ میں موبائل ڈالا اور کچھ دیر بعد وہ بھی باہر آ گئی، ایزد کی وائٹ کرولا گیٹ سے باہر نکل رہی تھی، کچھ دیر بعد اس کی آلٹو ایزد کی کرولا کا تعاقب کر رہی تھی، رات کا وقت تھا مگر اس وقت بھی شہر کی رونقیں عروج پر تھیں، اس سفر کا اختتام گلشن اقبال کے رہائشی علاقے میں ہوا، ایزد کی گاڑی عمارت کی پارکنگ میں جا کر رک چکی تھی، عیشال نے علاقے کو ذہن نشین کر لیا تھا، پھر اس کی گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی، اس کا ارادہ پھر کسی وقت یہاں آنے کا تھا۔

☆☆☆

دو دن ہو گئے تھے اس کی تجل سے فون پر بات ہوئے، تجل نے ان دو دنوں میں لاتعداد مرتبہ اس کے سیل پر کال کی تھی، مگر اس نے کال ریسیو نہیں کی تھی، تایا جی اور تجل کی غیر متوقع آمد نے اسے حیران اور کچھ پریشان کر دیا، تایا جی نے آج سالوں بعد آفتاب منزل کی دہلیز پار کی تھی، ان کی آمد کا مقصد عیشال جان چکی تھی۔

''میں ایک سیمینار میں شرکت کے لئے آ رہا تھا تو تجل بضد ہو گئی کہ میں بھی چلوں گی۔'' تایا جی نے بتایا، تو اس نے سر ہلا کر تجل کی جانب رخ کیا۔

''تم تو اب ادھر میرے پاس رکو گی نا۔''

''ہم دونوں ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں، میں تم سے ایزد کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔'' تایا جی نے فوراً اصل بات پر آتے ہوئے کہا۔

''ہمارے ہاں معمولی باتوں پر رشتے ختم نہیں کیے جاتے بیٹا، مجھے تجل سے تمہاری محبت پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے، لیکن تمہیں ایزد سے اس سلسلے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' تایا جی نے رسان سے سمجھایا۔

''تایا جی میں نے کچھ دیکھا ہے تب ہی تو۔'' اس کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی، اسی دم اسے اس ویڈیو کا خیال آیا جسے بنانے اور پھر ایزد کا تعاقب کرنے کی وجہ سے اسے ثانیہ کی منگنی کی تقریب ختم ہونے سے پہلے جانا پڑ گیا تھا، ثانیہ اس وجہ سے اس سے اب تک خفا تھی، تایا جی سے معذرت کر کے وہ اپنے کمرے کی جانب بھاگی تایا جی اور تجل ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے، دو منٹ کے وقفے کے بعد عیشال تیز قدموں سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

''یہ دیکھیں تایا جی یہ ویڈیو میں نے کچھ دن پہلے ہی بنائی ہے۔'' اس نے اسمارٹ فون تایا جی کو تھمایا، ویڈیو دیکھتے ہوئے تایا جی کے چہرے کی رنگت پل پل بدل رہی تھی۔

ویڈیو ختم ہونے کے بعد انہوں نے اسمارٹ فون تجل کو تھما دیا تھا البتہ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

''میں ایزد آفریدی کو اس لڑکی کے ساتھ ایک سے زائد مرتبہ دیکھ چکی ہوں اس لڑکی کا نام رانبل ہے، ان دونوں کے درمیان رشتے کی نوعیت کیا ہے یہ مجھے معلوم نہیں ہے۔'' عیشال نے تجل کی جانب دیکھ کر کہا جو کہ دو منٹ پر مشتمل ویڈیو دیکھ چکی تھی۔

"پاپا میرا خیال ہے کہ اگر ایزد اور اس لڑکی کے درمیان کوئی اور معاملہ ہے تب بھی اسے مجھے اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔" تجل جو اب تک خاموش تھی، پست لہجے میں بولی۔

"ہونہہ ٹھیک ہے، ہم لاہور چلے جاتے ہیں، انگوٹھی آفریدی ہاؤس بھجوا دیں گے، بلکہ میں خود فرید کو جا کر دے آؤں گا وہ بڑے فخریہ انداز میں اپنے بیٹے کے اعلیٰ کردار کے گن گاتا ہے۔"
تایا جی کو تجل کی دل آزاری دکھ دے رہی تھی۔

"پاپا ثبوت کے لئے ہمارے پاس اس ویڈیو کا موجود ہونا ضروری ہے۔" تجل نے ارمان احمد سے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں فرید سے خود بات کر لوں گا۔" زری کے آنے سے پہلے وہ دونوں واپس چلے گئے، ملازمہ نے خاطر مدارت کے لئے میز بھر دی تھی لیکن ان دونوں نے چائے کے سوا کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، عیشال کو لگ رہا تھا کہ جیسے سر سے کوئی بوجھ سرک گیا ہو پھر بھی وہ پرسکون نہیں تھی، ایک بے چینی سی تھی جو وجود میں سرائیت کر گئی تھی، اس واقعہ کے ایک ہفتے بعد ملازم نے آ کر بتایا کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے، جب وہ دس منٹ بعد ڈرائینگ روم میں پہنچی تو ایزد آفریدی بے قراری سے ڈرائینگ روم کے عین وسط میں ٹہل رہا تھا، اسے دیکھ کر ایک پل کو عیشال کے دل میں خوف دامن گیر ہوا (یہ یہاں کس سلسلے میں آیا ہے؟) عیشال نے اسے بغور دیکھا اس کی سرخ ہوتی رنگت اس کی اندرونی کیفیت کی گواہ تھی۔

"ہو گئی تسلی کر لی من مانی۔" وہ کڑے تیوروں سے کہہ رہا تھا۔

"یہ تو ہونا ہی تھا۔" اس نے دبے دبے لہجے میں کہا، آج اسے سامنے دیکھ کر عیشال کی ہمت کہیں رخصت ہو گئی تھی۔

"میرے کردار کو میرے اپنوں کی نظر میں مشکوک کر کے تم نے اچھا نہیں کیا عیشال آفتاب، تم اپنا داؤ چل چکی ہو، یاد رکھنا اب میں اپنا وار کروں گا تم سہہ نہیں پاؤ گی۔" اس کی ہیزل براؤن آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"مجھے تجل سے محبت نہیں اور نہ ہی میں نے اس سے وعدے وعید کیے تھے، ہاں وہ میرے بابا کی پسند تھی، اس کے اور میرے درمیان جو رشتہ تھا وہ تمہاری محدود ذہنیت کی بھینٹ چڑھ گیا، میرا دل نہیں ٹوٹا ہے، میرے پندار پر ضرب لگی ہے، میری انا مجروح ہوئی ہے اور تمہیں اس کی سزا بھگتنا ہو گی۔" وہ تیر برسا رہا تھا اور عیشال خاموش کھڑی تھی۔

"بہت جلد ہم پھر آمنے سامنے ہوں گے پر اس وقت تم مجھ سے اس طرح نظر نہیں ملا پاؤ گی، یہ میرا وعدہ ہے۔" اس کے بعد وہ رکا نہیں تھا، خارجی دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا عیشال پر ایک تیز نظر ڈال کر، عیشال ایک صوفے پر گر گئی (مجھ سے غلطی تو نہیں ہوئی) جبکہ کار ڈرائیو کرتا ہوا ایزد تین روز پہلے کے منظر میں کھو گیا، جب بابا جان نے اسے ایمرجنسی کا کہہ کر حویلی بلایا تھا، اس وقت بابا جان کے کمرے میں عمو جان کے علاوہ وہ اور بابا جان موجود تھے۔

"ایزد آفریدی تم نے ہمیں کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا، ارمان احمد رشتہ ختم کر چکے ہیں وہ تم جیسے بدکردار شخص کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ نہیں سکتے۔" بابا جان کے سرخ و سفید چہرے پر غضب چھایا ہوا تھا۔

"میں بدکردار نہیں ہوں بابا۔" اس جیسے بچھو نے ڈنک مارا تھا، عمو جان کی آنکھوں میں بھی نمی تیر رہی تھی۔

"آخر میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے ضبط کی طنابیں چھوڑ دیں تھیں۔

"رائیل کون ہے؟ کیا رشتہ ہے تمہارا اس کے ساتھ۔" بابا جان کے الفاظ اس کے اعصاب ہلا گئے تھے۔

"اوہ خدایا۔" اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ ڈالے، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی اس کے اور رائیل کے رشتے کو شک کی نگاہ سے دیکھے گا، اس نے سارا معاملہ شروع سے آخر تک بابا جان کے گوش گزار کر دیا، کہ کب اس نے پہلی بار رائیل کو دیکھا تھا، بابا جان نے اسے بتایا کہ عیشال اسے رائیل کے ساتھ کئی مرتبہ دیکھ چکی ہے اور اسی نے ان دونوں کی کوئی ویڈیو بنا کر ارمان احمد کو دکھائی ہے جس کی وجہ سے وہ بدگمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے رشتے سے معذرت کر لی ہے۔

"تمہاری غلطی یہ ہے کہ تم نے اپنے گھر والوں سے اس معاملے کو خفیہ رکھا۔" بابا جان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ غلطی میری ہے لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ عیشال آفتاب اس حد تک چلی جائے گی۔" وہ بڑبڑایا تھا، بابا جان کی ناراضگی کو لے کر بھی وہ پریشان تھا، لیکن اسے امید تھی کہ ان کی خفگی جلد دور ہو جائے گی اور وہ امید لے کر کراچی لوٹ آیا، اس وقت گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہا تھا۔

☆☆☆

خالہ کی فون کال ریسیو کرتے ہوئے اسے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی اچھی خبر سننے کو ملے گی خالہ کہہ رہی تھی۔

"میں نے تجمل کو شایان کے لئے مانگ لیا ہے، اگلے ہفتے ہی نکاح کا ارادہ ہے۔" اس کی مبارک ہو کے جواب میں خالہ نے نکاح کا بتایا، ان کا لہجہ پرجوش تھا۔

"اتنی جلدی خالہ۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"شایان اسپیشلائز کرنے امریکہ جا رہا ہے، نکاح ہو جائے گا تو غذات بنوانے میں آسانی رہے گی، رخصتی ان کے جانے سے کچھ دن پہلے کروا لوں گی۔" خالہ بہت خوش لگ رہی تھیں۔

"خالہ میرا خیال تھا کہ شایان کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے۔" اسے یاد آیا۔

"وہ تجمل کو ہی پسند کرتا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ میں بات کرتی ارمان بھائی نے اس کا رشتہ ایزد سے طے کر دیا، پھر بنا کوئی ٹھوس وجہ بتائے رشتہ ختم بھی کر دیا، خیر شایان کی مراد بر آئی ہے۔" ایزد کے نام پر اسے ایزد کی ہیزل براؤن آنکھیں یاد آ گئیں جن میں عیشال کے لئے بدلے کی آگ دہک رہی تھی، کتنی سرخ تھیں اس روز اس کی آنکھیں، خالہ مسلسل بول رہی تھیں پر اب اس کا دھیان ایزد کی جانب چلا گیا تھا۔

"ہیلو...... عیشال...... عیشال۔" خالہ اس کا نام پکارتی رہی تھیں۔

"جی...... جی خالہ۔" وہ حال میں واپس لوٹی۔

"تم کب آ رہی ہو؟"

"میں جلد آنے کی کوشش کروں گی۔" اس نے کچھ دیر مزید بات کر کے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

ماہ نور ایم بی اے کمپلیٹ کر کے وطن لوٹ آئی تھی اور ان دنوں وہ کراچی میں ایزد کے گھر پر تھی دونوں بہن بھائی رات کے کھانے کے بعد سڑک پر واک کرنے نکلے تھے۔

"اور سنایئے لالہ عیشال آفتاب کا کیا حال ہے۔"

"تمہیں عمو جان سے سارے معاملے کا علم تو ہو ہی گیا ہے۔" اس نے رک کر سگریٹ سلگایا، عیشال کا ذکر آتے ہی اس کی آنکھوں سے وحشت جھانکنے لگی تھی، ماہ نور نے اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں اسے بغور دیکھا۔

"عمو جان بتا رہی تھیں کہ ارمان انکل نے نجل کا رشتہ اس کی خالہ کے بیٹے سے طے کر دیا ہے اور جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا ہے اس کی تنہا ذمہ دار عیشال نہیں ہے، لالہ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔" نور کے لہجے میں اشتیاق جھلک رہا تھا۔

"بہت جلد تمہاری یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔"

"میں سمجھی نہیں لالہ۔"

"میں نے طے کیا ہے کہ میں عیشال آفتاب سے شادی کروں گا جس بد کردار انسان وہ اپنی بہن کو دور کرنا چاہتی تھی، اسی کے ساتھ جب ساری زندگی بسر کرنا پڑے گی تب اسے معلوم ہو گا کہ اس نے مجھ پر الزام لگا کر کتنی بڑی بھول کی ہے۔" اس نے قدم آگے بڑھا دیئے تھے تو ماہ نور نے بھی اس کی پیروی کی۔

"جن سے محبت ہو لالہ اسے تکلیف دینا آسان نہیں ہوتا۔" ماہ نور اس کی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"محبت...... وہ تو دل کے کسی کونے میں سو گئی ہے، اب تو بس بدلے کی آگ ہے جو دل کی سرزمین کو پھونک رہی ہے، اس کی وجہ سے مجھے جس ذلت کا سامنا کرنا پڑا ہے، تم نہیں جان سکتیں، ماہ نور میں اپنے اندر بابا جان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتا، صرف یہی نہیں مجھ میں تو رابیل کے سامنے جانے کی بھی ہمت نہیں ہے، حالانکہ اسے اس سارے قصے کا علم نہیں ہے لیکن میں رابیل سے ملنے کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے یاد آنے لگتا ہے کہ عیشال نے میرے اور رابیل کے رشتے کو کس نظر سے دیکھا ہے اور پھر سب کے سامنے برا بنا کر پیش کیا، میں اسے معاف نہیں کروں گا۔" اس نے آخری کش لگا کر سگریٹ ایک جانب اچھال دیا۔

"لیکن لالہ۔" جانے کیوں ماہ نور کا دل عیشال کو قصوروار نہیں مان رہا تھا مگر ایزد اس کی وکالت میں کچھ سننے کو تیار نہیں تھا، سو ماہ نور کی بات کاٹ کر بولا۔

"واپس چلیں ماہ نور مجھے ایک فائل پر کام کرنا ہے، میں نے یہاں ایک فرم کے ساتھ پارٹنر شپ میں نیا بزنس شروع کیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"پارٹنر شپ کیوں لالہ ہمارے پاس سرمائے کی کمی تو نہیں ہے۔" ماہ نور حیرت سے پوچھنے لگی۔

"یہ تو کچھ تعلقات بڑھانے کی کوشش ہے۔" اس کا انداز مبہم تھا، ماہ نور نے کھوج کا ارادہ ترک کر دیا۔

☆☆☆
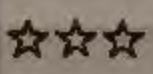
بہت کم ہی وہ اپنے بیڈ روم سے باہر نکلتی تھی، بالخصوص زری کی موجودگی میں، اس وقت اس کا دل بے وجہ گھبرانے لگا تھا تو وہ بالکونی میں آ گئی، لان میں تمام مرکری لائٹس روشن تھیں، پورچ میں کھڑی سفید کرولا کو دیکھ کر وہ چونکی، یہ تو ایزد آفریدی کی گاڑی ہے، تب ہی ایزد باہر نکلا اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھنے سے پہلے اس نے اوپر کی جانب دیکھا اور بالکونی میں عیشال کو دیکھ کر اس کے چہرے کے عضلات تن

گئے، دوسرے ہی پل نظر ہٹا کر وہ گاڑی لے کر
چلا گیا، جبکہ عیشال کمرے سے باہر نکل آئی، اس
کا رخ اسٹڈی کی جانب تھا، زری اتنے دنوں
کے بعد اسے اپنی نظروں کے سامنے دیکھ کر
مسکرائی۔

"میں تو تم سے باتیں کرنے کو ترس گئی
ہوں ہنی۔" عیشال نے ماں کا فقرہ نظر انداز
کر دیا۔

"ایزد آفریدی یہاں کیوں آیا تھا مام۔"
اس کے انداز میں شک کی پھانس تھی، جس نے
زری کو زخمی کر دیا۔

"وہ میرا بزنس پارٹنر ہے کچھ ڈسکشن کرنا
تھی، میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے اس نے
کہا تھا کہ وہ گھر پر آ جائے گا، بس اسی لئے وہ آیا
تھا۔" زری نے پھیکے لہجے میں کہا، وہ عیشال کو حق
بجانب سمجھ رہی تھی، اسے پتا لگ گیا تھا کہ جو اس
نے بویا ہے وہی اب اسے کاٹنا پڑے گا، عیشال
مزید کچھ کہے بغیر پلٹ گئی۔

☆☆☆

"تم بہت بدل گئے ہو ایزی۔" ممو جان
افسردہ لہجے میں بولیں، صبح جس طرح اس نے
آملیٹ میں نمک زیادہ ہو جانے کی وجہ سے
خانساماں کی توہین کی تھی، اس کے لب و لہجے کی
سختی نے انہیں دہلا دیا تھا، ان کے گھر میں
ملازموں سے ایسا رویہ نہیں روا رکھا جاتا، پھر
خانساماں عمر میں ایزد سے بہت بڑا تھا، گزشتہ
شب وہ کراچی پہنچی تھیں، انہیں ماہ نور نے بلوایا
تھا، اسے بھی لالہ کا بدلا ہوا رویہ ہراساں کر رہا تھا،
وہ تو بہت نرم مزاج تھا، بہت سلجھا ہوا ہر کسی کی
تکلیف کو محسوس کرنے والا تھا۔

"آپ کا وہم ہے۔" اس نے ٹالا۔

"تم بھول نہیں سکتے، نجل دنیا کی آخری
لڑکی نہیں ہے۔" وہ ان کا لاڈلا بیٹا تھا اور اکلوتا
بھی، اس کی پیدائش کے وقت پیچیدگی ہو جانے
کے باعث ڈاکٹرز اس کی زندگی سے مایوس ہو
گئے تھے، پورا آفریدی خاندان اس کی زندگی کے
لئے دعا گو تھا، وہ فرید آفریدی اور کشمالہ کی پہلی
اولاد تھا، کئی دن انڈر آبزرویشن رہنے کے بعد وہ
صحت یاب ہوا تھا، اس کی زندگی کی نوید پا کر
آفریدی ہاؤس میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی، وہ
دس سال کا ہوا تھا اور ماہ نور چھ سال کی جب فرید
آفریدی کے چھوٹے بھائی نوید آفریدی اور ان
کی اہلیہ ایک حادثے میں زندگی کی بازی ہار گئے
تھے، ایسے میں کشمالہ نے دیور کے بیٹوں حدید
اور عدید کو اپنی ممتا کی ردا میں سمیٹ لیا تھا، حدید
عمر میں ایزد سے دو سال چھوٹا تھا اور وہ ماہ نور سے
منسوب تھا جبکہ عدید ماہ نور کا ہم عمر تھا، دونوں
بھائی تعلیم سے فراغت کے بعد پشاور میں اپنا
خاندانی کاروبار سنبھال رہے تھے ایزد کا رویہ ان
سے چھوٹے بھائیوں جیسا تھا۔

"تم کوئی جواب کیوں نہیں دے رہے۔"
انہوں نے اسے جھنجوڑا، وہ دونوں اس وقت
لاؤنج میں موجود تھے اور ایزد صوفے پر ان کی گود
میں سر رکھے آنکھیں موندے لیٹا تھا۔

"ممو جان پلیز مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس
نے اپنا داہنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

ایسا گستاخانہ رویہ اس کے مزاج کا حصہ
نہیں تھا، انہیں ماہ نور کی بات کا یقین آ گیا کہ
"لالہ بہت بدل گئے ہیں" ان کی آنکھیں نمی کے
باعث چھلکنے لگیں، ماہ نور کی طرح وہ بھی فقط
عیشال کو قصوروار نہیں سمجھتی تھیں، اس لڑکی کو انہوں
نے نجل کی منگنی پر دیکھا تھا، وہ خود انہیں غیر معمولی
لگی تھی، لبوں پر چپکی مسکراہٹ اور آنکھوں میں
حزن و ملال کا جامد تاثر، ایزد برابر کا قصوروار تھا،

جس نے اتنی بڑی بات اپنے گھر والوں سے چھپائی تھی، وہ ماں تھیں معاف کر سکتیں، پر ہر کسی کا ظرف ماں جیسا نہیں ہوا کرتا، اس کے اور نجل کے رشتے کا تقاضا تھا کہ ایک دوسرے پر اعتماد کیا جائے اور ایزد نے یہاں غفلت کا مظاہرہ کیا تھا، انہوں نے ایک گہری نظر اپنے بیٹے پر ڈالی، ہیزل براؤن آنکھوں پر اس نے اپنا بازو رکھا تھا، عنابی لب بھینچ رکھے تھے، اس وجہ سے اس کے دونوں گالوں پر ڈمپل پڑ رہے تھے، وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہیں، وہ بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا۔

☆☆☆

"لیڈی ماریا ٹیلیفون چیخ رہا ہے۔" اس نے لاؤنج سے زوردار آواز میں کہا۔

"یس بے بی۔" لیڈی ماریا اسے جواب دیتی ہوئی ٹیلیفون اسٹینڈ تک آئیں اور ریسیور اٹھا کر بات کرنے لگیں جبکہ وہ بدستور اپنے سیل پر ٹیمپل رن کھیلنے میں مصروف تھی۔

"بے بی۔" لیڈی ماریا اس کے نزدیک کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا کس کا فون تھا۔" اس نے نظر اٹھائی، لیڈی ماریا پریشان لگ رہی تھیں۔

"میم ہاسپٹل میں ہیں، بے بی ان کی طبیعت بگڑ گئی تھی اس لئے رضا صاحب (مینجر) انہیں ہسپتال لے گئے تھے، ان کی ہی کال تھی وہ کہہ رہے ہیں، میم کے لاکر میں ان کی میڈیکل رپورٹس رکھی ہیں، وہ ہسپتال بھجوادیں۔"

"مام کو کیا ہوا ہے؟" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ کچھ عرصے سے زیر علاج ہیں۔" لیڈی ماریا نے نظر چرائی، وہ زری کے وفادار ملازمین میں شامل تھی، اسی دم جانے کیوں عیشال کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا، وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اوپر پہنچی تھی، مما کے بیڈ روم میں پہنچ کر پہلے اس نے لاکر کی چابیاں ڈھونڈیں جو اسے بیڈ کی سائیڈ دراز میں مل گئیں، لاکر میں کئی فائلیں رکھی ہوئی تھیں، زیور اور نقدی بھی تھی، متعلقہ فائل ڈھونڈنے میں اسے زیادہ وقت نہیں ہوئی، نیلے رنگ کی فائل نکال کر اس نے لاکر بند کیا اور کھڑے کھڑے ہی فائل کھول کر دیکھنے لگی، وہ مما کے میڈیکل ٹیسٹ کی رپورٹس تھیں، جن پر پچھلے ماہ کی تاریخ درج تھی۔

"او خدایا!" اسے چکر آنے لگے تو وہ گرنے سے بچنے کے لئے زمین پر بیٹھ گئی۔

"مما نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی۔" وقت گزرنے کا احساس ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور تیز قدموں سے سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی لاؤنج میں آ گئی، جہاں لیڈی ماریا اسی جگہ کھڑی تھیں جہاں وہ انہیں کچھ دیر پہلے چھوڑ کر گئی تھی، اس کے چہرے کی متغیر رنگت دیکھ کر وہ جان گئیں کہ میم جو راز بے بی سے خفیہ رکھنا چاہتی تھیں وہ بے بی پر آشکار ہو چکا ہے۔

"لیڈی ماریا! میں ہاسپٹل جا رہی ہوں۔" فائل کے علاوہ اس نے اپنا بیگ لیا اور باہر آ گئی، ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ ہسپتال پہنچی تھی، رضا انکل اسے ہسپتال کی راہداری میں مل گئے تھے رضا صاحب کا ساتھ ان کی فرم کے ساتھ اور گھرانے کے ساتھ بہت پرانا تھا، وہ آفتاب احمد کے دوست بھی تھے۔

"انکل اب مام کی طبیعت کیسی ہے۔" فائل ان کی جانب بڑھاتے ہوئے اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"میڈم اب پہلے سے بہتر ہیں عیشال میں فائل ڈاکٹر کو دے آؤں۔" وہ ڈاکٹر کے روم کی جانب بڑھ گئے، وہ راہداری میں کھڑی رہی اسے

نہیں معلوم تھا کہ مام کہاں ہیں اور جب وہ ان سے ملی تو وہ سارا غبار دھل گیا جو اس کے دل میں اپنی ماں کے خلاف تھا، یاد تھا تو فقط اتنا کہ وہ ان سے بہت محبت ہے اور وہ انہیں کھونا نہیں چاہتی ہے۔

''مام اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' وہ ان کے بیڈ کے نزدیک آگئی۔

''تم پریشان نہ ہو میں اب ٹھیک ہوں۔'' زری نے اس سے نظر چرا کر کہا تھا۔

''آپ چاہیں تو شام تک پیشنٹ کو گھر لے جا سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر کے مخاطب رضا صاحب تھے۔

''ڈاکٹر میں گھر جانا چاہوں گی۔'' زری بول پڑی تھیں ڈاکٹر اشرف سر ہلا کر ان کی فائل پر جھک گئے، شام کو رضا انکل دوبارہ آفس چلے گئے جبکہ وہ مما کو ساتھ لے کر گھر آگئی، تب سے وہ ان کے کمرے میں ان کے پاس بیٹھی تھی، مگر کچھ بھی پوچھنے کے لئے وہ ہمت مجتمع نہیں کر پارہی تھی، زری اس کی ہچکچاہٹ کو محسوس کر رہی تھی، مگر خود اس کی کیفیت بھی مختلف نہیں تھی، اسی دن کے خوف نے اس کی نیندیں اڑائی ہوئی تھیں۔

''تم اتنی پریشان کیوں ہو گئیں، جس طرح بنا سوچے سمجھے میں اپنے نفس کی بھوک مٹاتی رہی ہوں یہ تو ہونا ہی تھا۔'' اس کے لہجے میں استہزائیہ تھا۔

''آپ کے ساتھ ہی کیوں۔'' عیشال کے آنسو اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے، اس کا دل بری طرح بھر آیا تھا۔

''میرے گناہ بہت بڑھ گئے ہیں جب ہی تو مجھے کہاں معلوم تھا کہ سلمان دانش، وہ نوجوان گلوکار یاد ہے تمہیں جس کی چھ ماہ پہلے ڈیتھ ہوئی ہے یہ اسی کا تحفہ ہے۔'' وہ خود پر ہنسی۔

''اس کے مرنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ اس کا ایچ آئی وی پازیٹو تھا، نجانے کتنی عورتوں کو تحفہ دے کر مرا ہے۔'' اس کے لہجے میں تحقیر تھی، زری کی بات سن کر اس کی نظریں زمین میں گڑ گئی تھیں۔

''مما آپ انگلینڈ جا کر اپنا علاج کروائیں۔''

''ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔'' زری نے مدھم لہجے میں کہا۔

''میم آپ سے ایزد آفریدی ملنے آئے ہیں۔'' اتنے میں ناہید نے آکر بتایا وہ زری کی خاص ملازمہ تھی، زری کے ساتھ عیشال بھی چونکی تھی اس اطلاع پر۔

''ادھر ہی بھیج دو۔'' زری نے کہا تو عیشال اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مام آپ اپنے مہمان سے ملیے میں اپنے روم میں جا رہی ہوں۔'' وہ کہتی ہوئی تیزی سے کمرے سے نکل آئی وہ ایزد کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''عمو جان آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ رات کے کھانے کے بعد ان کے کمرے میں چلا آیا۔

''ہاں کہو بیٹا۔'' انہوں نے صبح کا اخبار ایک جانب رکھ دیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ بابا جان سے اجازت لے لیں اور پھر میڈم زری آفتاب سے ان کی بیٹی کے رشتے کے سلسلے میں بات کریں۔'' وہ صوفے پر بیٹھنے کے بعد سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''ان کی بیٹی ہے کون...... عیشال؟'' عمو جان کا انداز سوالیہ تھا۔

''جی!'' اس نے مختصراً کہا۔

''تم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے ایزد۔'' وہ

اس کی آنکھوں میں کچھ کھوج رہی تھیں۔
"جی میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے، میں عیشال سے ہی شادی کروں گا۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔
"اگر تمہارے بابا جان نہ مانے پھر بھی۔"
"پھر بھی میں عیشال سے ہی شادی کردوں گا، میں نے سرسری سا میڈم زری سے ذکر تو کر دیا ہے۔"
"عیشال خود نہ مانی پھر؟" عمو جان نے خیال ظاہر کیا۔
"میڈم زری کسی خطرناک بیماری کا شکار ہو گئی ہیں، مجھے تفصیل نہیں معلوم، اتنا پتا ہے کہ وہ علاج کے لئے باہر جا رہی ہیں، جانے سے پہلے وہ عیشال کی شادی کر کے جائیں گی، سو میں پر امید ہوں۔" اس کا کھرا کھرا رویہ انہیں باور کرا رہا تھا کہ ان کا ایزد کہیں کھو گیا ہے، وہ ایسا تو نہیں تھا، اسے کا خیال رہتا تھا، بزرگوں کی دل آزاری تو اس نے کبھی نہیں کی تھی، ایک حادثے نے اسے کس قدر تحور بنا دیا تھا، ایک لڑکی سے اس کی زندگی کی رنگینیاں چھین لینا چاہتا تھا۔
"میں کل ہی تمہارے بابا جان سے بات کرتی ہوں۔" انہوں نے پژمردہ لہجے میں کہا، جسے فرصت سے ایزد نے محسوس کیا تھا، لیکن وہ سر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل گیا، جبکہ عمو جان اس کے سکون کے لئے دعا کرنے لگیں۔

☆☆☆

زری کچھ دیر پہلے ہی آفس سے لوٹی تھی، عیشال نے اسے آفس جانے سے روکنے کی کوشش کی تھی پر زری کا کہنا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر گھر نہیں بیٹھ سکتی۔
"مما آج خالہ کا فون آیا تھا، اگلے ہفتے نجل اور شایان کی شادی ہو رہی ہے۔" وہ دونوں اس وقت رات کا کھانا کھا رہی تھیں، عیشال اپنی نگرانی میں زری کے لئے پرہیزی کھانا بنواتی تھی۔
"تم کب تک جاؤ گی؟" زری نے روٹی کا نوالہ توڑ کر پوچھا۔
"میں نہیں جا رہی۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔
"کیوں؟" زری کو اچنبھا ہوا۔
"بس میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی اور پھر....." اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور سلاد کھانے لگی، زری اسے بغور دیکھ رہی تھی۔
"کوئی اور بات بھی ہے۔" زری نے پوچھا۔
"بس آپ کی طبیعت کا خیال ہے، میں نے نجل کو کال کر کے آپ کی طبیعت کا بتایا تھا پر اس نے کوئی توجہ نہیں دی نہ ہی دوبارہ کال کر کے پوچھا۔" اس نے بتایا تو زری کے حلق میں نوالہ اٹکنے لگا۔
"تم نے بتا دیا کہ مجھے ایچ آئی وی پازیٹو ہے۔" اس نے پانی کا گھونٹ بھر کر کہا۔
"نہیں میں نے بس یہ بتایا کہ آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔" اس نے کہا تو زری نے طویل سانس لیا۔
"مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔" زری نے کھانا ختم کر کے نیپکن سے منہ صاف کیا، تو اس نے سوالیہ نظروں سے زری کو دیکھا۔
"تمہارا ایک رشتہ آیا ہوا ہے، میں سوچ رہی تھی تم سے بات کر لوں، ایزد آفریدی نے تمہارے لئے بات کی ہے، باضابطہ طور پر تو اس کی والدہ آئیں گی رشتہ لے کر، مجھے اچھا لگتا ہے وہ، تمہارے لائق ہے وہ، مجھے انگلینڈ جانے کے بعد بزنس کی فکر بھی نہیں ہو گی، میرا داماد ہینڈل کر لے گا اور پھر میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔"

زری اپنی دھن میں بولے جا رہی تھی، جبکہ اس کے سر میں دھماکے ہو رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے پورا وجود سینکڑوں ٹکڑوں میں بٹ گیا ہو۔

''مام پلیز، آئندہ ایسا سوچیئے گا بھی مت میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔'' وہ کرسی کھسکا کر اٹھی اور تیز قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگی۔

''ایشو میری بات سنو تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو، میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں، وہ ہماری کلاس کا ہوتے ہوئے بھی دیگر مردوں سے بہت مختلف ہے، میں اسے پرکھ چکی ہوں۔'' اس وقت زری کے الفاظ نے جس قدر اسے اذیت پہنچائی تھی، اسے وہ کبھی لفظوں میں بیان نہیں کر پائے گی، اس نے سوچا اور پھر مڑ کر زری کو دیکھا۔

''اس کی نجل سے منگنی ہوئی تھی۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''مجھے وہ سب کچھ بتا چکا ہے، میں تمہیں کہہ رہی ہوں کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی، وہ لڑکی رابیل تو.....''

''مما لیو دس ٹاپک، میں نے آپ سے کہا کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس نے چیخ کر کہا اور تیزی سے سیڑھیاں طے کرنے لگی۔

''ایزد آفریدی تو یہ تھا تمہارا وار، مجھے میری ہی نظروں سے گرانا چاہتے ہو پر یہ اتنا آسان نہیں ہے میں مما کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی نہیں بنوں گی، تمہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گی، نہ ہی تم مما کو مزید بیوقوف بنا سکو گے۔'' وہ کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے اس کے قدموں میں انگارے بچھے ہوں، جب اسے کسی کل چین نہ آیا تو اس نے دراز سے سلیپنگ پلز کی بوتل نکالی اور ایک گولی پھانک لی اور بستر پر آ کر لیٹ گئی، اسے سہارے کے بغیر نیند آتی بھی کیسے آنکھیں بند کرتی تو کبھی زری غیر مردوں کے گلے کا ہار بنی نظر آتی تو کبھی زری کی بیماری کا خیال اس کے دل سہما دیتا، وہ اس حقیقت سے آگاہ تھی کہ اس کی ماں ایک بری عورت ہے، پر وہ اس سے نفرت نہیں کر سکتی تھی، یہ احساس اس کے دل کو کچوکے لگاتا تھا کہ زری کا انجام بہت خوفناک ہونے والا ہے اور وہ اپنی ماں کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتی ہے، نجانے کب نیند نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کافی نکل آیا تھا، وہ فریش ہو کر نیچے آئی تو گھر میں غیر معمولی سناٹا محسوس کر کے دل ہول گیا، حالانکہ ملازمین اپنے معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔

''لیڈی ماریا، مام نے ناشتہ کر لیا۔'' اس نے لیڈی ماریا کو مخاطب کیا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''پچھلی رات میں میم کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی، ہم نے رضا صاحب کو کال کر کے بلوایا تھا انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کر لیا گیا ہے، ناہید بھی ان کے ساتھ ہاسپٹل میں ہی ہے۔'' اس کی رنگت فق ہو گئی تھی، پوری بات سن کر۔

''مجھے کیوں نہیں جگایا۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''میم نے منع کیا تھا آپ کو جگانے سے، آپ کے لئے ناشتہ لے آؤں۔''

''نہیں صرف چائے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔

''میری رات والی بدتمیزی سے مما ہرٹ ہو گئی ہیں، بیماری نے ان کے اعصاب کو کمزور کر دیا ہے، مجھے ان سے نرمی سے بات کرنی چاہیے

تھی۔'' وہ دل ہی دل میں خود کو موردِ الزام ٹھہرا رہی تھی، چائے پینے کے بعد وہ ہسپتال آ گئی، رضا صاحب کوریڈور میں موجود تھے، وہ زری اور عیشال کے خیر خواہ تھے، رضا صاحب سے زری کی خیریت معلوم کر کے اس نے رضا صاحب کو گھر بھیج دیا، زری اس وقت سو رہی تھی، ناہید اس کے پاس موجود تھی، دوپہر میں زری کی طبیعت کافی بہتر تھی، وہ زری سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرنے لگی، ڈاکٹرز کا خیال تھا کہ زری کو وقت ضائع کیے بغیر علاج کے لئے بیرونِ ملک چلے جانا چاہیے، ڈاکٹر کے جانے کے بعد جب عیشال نے بھی اس بات پر زور دیا تو زری نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تمہیں اس طرح چھوڑ کر نہیں جاؤں گی، اپنے ددھیال والوں کو تو دیکھ ہی لیا نہ تم نے، کسی نے پلٹ کر پوچھا کہ تمہاری ماں زندہ ہے یا مر گئی، میری سگی ماں جائی تک نے خبر نہیں لی میری اپنے بیٹے کی خوشیوں میں مگن ہے، خیر میں ہوں ہی اس قابل، اسی سلوک کی مستحق ہوں۔'' زری کی آواز بھرا گئی تھی۔

''مام آپ توبہ کر لیں، سچے دل سے پھر اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا کرم کریں گے، معاف کر دیں گے آپ کو۔'' عیشال رقت سے کہہ رہی تھی، اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

''میں نے اپنے رب کے حکم سے روگردانی کی ہے وہ اسے تو معاف کر دے گا لیکن زیادتیاں میں نے اس کے بندوں کے ساتھ کی ہیں انہیں وہ تب ہی معاف کرے گا جب اس کے بندے مجھے معاف کریں گے۔'' وہ کہیں دور کھوئی ہوئی تھی۔

''مما آپ اس کے بندوں سے بھی معافی مانگ لیں، ابھی وقت آپ کے ہاتھوں سے نکلا نہیں ہے۔''

''وقت تو سالوں پہلے میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔'' زری اس وقت اسے کوئی معمہ لگ رہی تھی، زری کی باتیں عیشال کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں، شام کے وقت رضا صاحب کی بیگم آئی تھیں، زری کی عیادت کے لئے، برسوں سے ان کا آفتاب منزل کے مکینوں کے ساتھ دوستانہ تھا، وہ بھی زری کو علاج کی غرض سے بیرونِ ملک جانے کا مشورہ دے رہی تھیں، پر زری کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ عیشال کی شادی کر کے ہی جائے گی۔

''مما میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی، جب آپ کی طبیعت سنبھل جائے گی تب آپ جہاں کہیں گی میں شادی کر لوں گی۔'' بیگم رضا کے جانے کے بعد عیشال نے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''عیشال میں نے اب تک کوئی بھی فرض دیانت داری سے ادا نہیں کیا، نہ بیٹی ہونے کا نہ ماں ہونے کا نہ بیوی کا فرض، تمہارے ساتھ میں نے جو کیا ہے تم بخوبی جانتی ہو، مجھ سے زیادہ ممتا تو تمہیں لیڈی ماریا کی آغوش میں ملی ہے، اب زندگی کے اس آخری حصے میں، میں چاہتی ہوں کہ تمہاری شادی کا فرض ادا کرنے میں مجھ سے کوتاہی نہ ہو، مرنے سے پہلے تمہیں دلہن بنا دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ آج سے پہلے اس طرح عیشال پر عیاں نہیں ہوئی تھی، مگر عیشال کی مشکل یہ تھی کہ زری اس کی شادی ایزد آفریدی سے کرنا چاہتی تھی، وہ مما کو ایزد کی دھمکی کا بتا کر ان کی اذیت میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی، دو روز بعد زری ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی، شام کے وقت ایزد اس سے ملنے آیا تھا، عیشال دانستہ اس کے سامنے نہیں گئی، نہ ہی اسے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان

کس موضوع پر گفتگو ہوئی، زری کو اب مسلسل بخار رہنے لگا تھا، جس کی وجہ سے اس کا جسم ٹوٹنے لگا تھا، عیشال سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی، اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

''عیشو! مجھے کوئی دوا دے دو جسے کھا کر میں ہمیشہ کے لئے مر جاؤں، مجھ سے یہ اذیت برداشت نہیں ہوتی۔'' وہ مایوسی کی انتہا پر تھی، اس کی بات سن کر عیشال کا دل بھر آیا۔

''مما آپ علاج کے لئے انگلینڈ کیوں نہیں جا رہی ہیں۔'' اس نے اپنے آنسوؤں کا گلا گھونٹا۔

''تمہاری شادی ہو جائے مجھے اور کوئی خواہش نہیں ہے۔'' اس کی یہی رٹ تھی۔

''ٹھیک ہے مما، جو آپ مرضی میں آئے وہ کیجیے، خدارا مرنے کی باتیں نہ کریں۔'' وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی، وہ جانتی تھی کہ ایزد آفریدی اس کی زندگی کو خود ساختہ جہنم میں دھکیل دے گا، پر وہ زری کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی، نہ ہی مما کو ایزد کی دھمکی کا بتا کر ان کی تکلیف میں اضافہ کر سکتی تھی، اس کے لفظوں نے کوئی جادو دکھایا تھا زری دوسرے دن صبح لان میں چہل قدمی کرتی پائی گئی، اسے بخار بھی نہیں تھا، عیشال اسے دیکھ کر خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی ہوئی، زری نے بتایا کہ ایزد کی والدہ شام کو رشتے کی بات کرنے آ رہی ہیں، اسے پتا تھا کہ ایزد بھی ساتھ ہی ہو گا، سو وہ زری کو بنا بتائے ثنیہ کی طرف آ گئی جب وہ لوٹی تو مہمان رشتہ طے کر کے جا چکے تھے۔

☆☆☆

لگتا تھا کہ جذبات مکمل طور پر منجمد ہو گئے ہیں، کوئی آرزو کوئی خیال خوش رنگ تصور کچھ بھی تو نہیں تھا، دور دور تک ویرانی کا راج تھا، ماہ نور نے بہت کہا کہ وہ عیشال کی شاپنگ کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلے لیکن وہ پہلو بچا گیا، اس کا دل ان تمام لوازمات کی خوبصورتی کو محسوس کرنے سے قاصر تھا، وہ خود کو مسلسل بہلا رہا تھا، کہ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ بابا جان اس کی شادی میں شریک نہیں ہوں گے، اسے عمو جان کے الفاظ اب بھی یاد تھے، انہوں نے کہا تھا۔

''ایزد نے رابیل سے اپنے تعلق کو چھپا کر ایک سنگین غلطی کی ہے اور اب وہ عیشال سے شادی کر کے دوسری غلطی کرنے جا رہا ہے، اس لڑکی کی جذباتیت کی وجہ سے ہمیں اپنے دوست کے سامنے شرمسار ہونا پڑا تھا، ہمیں اب کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ایزد کسے اپنی زندگی میں شامل کرتا ہے۔'' اور ایزد سوچتا رہ گیا کہ وہ تو اپنے اندر دہکتی بدلے کی آگ کو بجھانے کے لئے عیشال کو اپنی زندگی میں شامل کر رہا تھا اس کے اندر نہ تو کوئی جذبات موجزن ہیں نہ ہی امنگ نہ آنے والے لمحوں کی خوبصورتی کا احساس، ساری آرزوئیں خس و خاشاک ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

زری نے عیشال کے ددھیال اور اپنی بہن فری کو ٹیلیفون کر کے عیشال کی شادی کی اطلاع دے دی تھی، عیشال کو جب زری کی زبانی معلوم ہوا تو اس کا دل چاہا کہ وہ چلو بھر پانی میں ڈوب مرے۔

''کیا سوچتے ہوں گے تایا جی اور دادی کہ عیشال نے اپنی غرض کی وجہ سے تجلی کی تڑوائی وہ خود ایزد آفریدی کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔''

''مما آپ مجھ پر ظلم کر رہی ہیں، پوری دنیا میں آپ کو یہی شخص ملا تھا اپنی بیٹی کے لئے۔'' وہ تنہائی میں سسک اٹھی زری سے اب کچھ بھی کہنا فضول تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

سوچ کا عکس

عمارہ امداد

"سارہ آپی! زوہاریہ نے کتنے فضول اور آؤٹ آف فیشن کپڑے پہنے ہوئے تھے نا، مجھے تو حیرت ہو رہی ہے اس کی بڑی بہن کی شادی تھی کچھ تو اچھے کپڑے بنا لیتی۔" اپنی ہائی ہیل جوتی کے اسٹریپ کھولتی سونیا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"نہیں میرے خیال میں شاید اورنج رنگ اس پر اتنا جچ نہیں رہا تھا اس لئے، ورنہ اس کا سوٹ تو کافی اچھا تھا۔" کانوں سے بالیاں اتارتی سارہ نے کہا۔

"رنگ تو اس پر بالکل نہیں اچھا لگ رہا تھا، اسے اتنی بھی عقل نہیں کہ اپنی سانولی رنگت کے حساب سے رنگ پہنے اور کپڑا بھی سستا سا ہی تھا کوئی اتنی اچھی کوالٹی کا نہیں لگ رہا تھا۔" سونیا نے ایک بار پھر زوہاریہ پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اسے اپنی گوری رنگت پر بہت ناز تھا اس لئے یہ تو اس کا پسندیدہ موضوع تھا، کہ کسی کی بھی رنگت کو ہدف بنایا جائے۔

"جمیلہ نے خود بھی ڈھنگ کے کپڑے پہنے ہوں تو بچیوں کو کپڑے پہننے کا سلیقہ ہو، جیسے جمیلہ خود ساری زندگی رہی، نہ منہ دھونے کا پتہ، نہ اوڑھنے پہننے کا، ویسا ہی بچیوں کو بنا دیا، بس قسمت کی دھنی تھی جو اللہ نے اچھا شوہر اور اچھے سسرال والے دیئے جنہوں نے اس کے کسی کام میں کبھی کیڑے نکالے ہی نہیں اور نہ ہی کبھی کسی بات میں مداخلت کی۔" زرینہ نے بھی بیٹی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے جھٹ جیٹھانی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

"پر امی! ماریہ ان میں بڑی تیز ہے، جب سے منگنی ہوئی ہے کتنے پر پرزے نکال لئے ہیں، رنگ کتنا صاف ہو گیا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے اچھا بھلا کالا رنگ تھا اس کا۔" گہری سانولی رنگت کی مالک زارا جب سے مہندی کی تقریب میں سے آئی تھی دل ہی دل میں ماریہ سے حسد محسوس کر رہی تھی، اس نے بھی جلتے بھنتے ماریہ پر تبصرہ کیا۔

☆☆☆

آج ان کی تایا زاد کزن اقصیٰ کی مہندی تھی اور وہ سب تھوڑی دیر پہلے ہی واپس آئی تھیں اور اب سب باری باری اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھیں۔

"آپ سب معزز اور انتہائی عقلمند خواتین کا دل جب اچھی طرح لوگوں کی چغلیوں سے بھر جائے تو کوئی مجھے ایک کپ چائے بنا دے۔" اس سے پہلے کہ کوئی اور تبصرہ کیا جاتا، روشان کی آواز سن کر وہ چاروں یکدم خاموش ہو گئیں۔

وہ سمجھ رہی تھیں کہ روشان اب تک سو چکا ہو گا کیونکہ وہ جتنا لوگوں کی، خاندان، محلے کی باتیں کرنے کی شوقین تھیں روشان ان سب باتوں کے اتنا ہی خلاف تھا، اسے بہت برا لگتا تھا، کہ خواہ مخواہ کسی کی برائی کی جائے یا کسی کی ذاتیات پر بات کی جائے اس لیے وہ اس کے سامنے ایسی باتوں سے اجتناب برتتی تھیں۔

"جی...... جی بھائی! کیوں نہیں، ابھی بنا دیتی ہوں چائے اپنے پیارے بھائی کو۔" سارہ جلدی سے اٹھی اسے ویسے بھی ان کی باتوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔

"بس آپ چلیں، دو منٹ میں چائے حاضر۔" اس نے بھائی کا موڈ درست کرنا چاہا تو وہ ان سب پر تنبیہی نظر ڈال کر چلا گیا، جس کا مطلب تھا کہ اب کوئی مزید کسی کی بات نہیں کرے گا، سارہ بھی اس کے پیچھے چل دی۔

"اُف ایک تو بھائی کوئی بات بھی نہیں کرنے دیتے۔" زارا نے برا سا منہ بناتے

ہوئے کہا۔

اس نے تو ابھی دل بھر کر ماریہ کو کوسنا تھا، کیونکہ اس سے تو ماریہ کا سانولا سلونا مگر صاف شفاف چمکتا چہرہ ہضم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

''ارے جانے دو، اس کا کیا ہے، مردوں کو ان باتوں سے خود تو دلچسپی ہوتی نہیں، پہلے تمہارے ابو ٹوکتے رہتے تھے، اب یہ بھی ان کا ہم خیال بن گیا ہے۔'' زرینہ نے ہاتھ کو جھٹکا، جس کا مطلب تھا کہ وہ روشان کے روکنے سے کون سا رک جائیں گی۔

''ہاں! تو اور کیا؟'' زارا کا دل تو خوشی سے جھوم اٹھا۔

''امی! تائی امی سے پتہ تو کریں کہ ماریہ کون سی رنگ گورا کرنے کی کریم لگاتی ہے۔'' ماریہ کی بات پر کلینزنگ کرتی سونیا کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی اور دل میں تفاخر کا احساس ہلکورے لینے لگا۔

''ارے دفع کر ماریہ کو، اتنی تو وہ حسین نہیں ہو گئی جتنا تو اس کے قصیدے پڑھ رہی ہے، ویسی ہی تھی کالی کلوٹی سی، تو نے تو اسے عائزہ خان جتنا حسین بنا دیا ہے اوپر۔'' زرینہ نے زارا کو لتاڑا تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی جبکہ شیشے کے سامنے بیٹھی سونیا کی گردن خواہ مخواہ تن گئی وہ اس وقت خود کو عائزہ خان جو سمجھ رہی تھی۔

''ارے سونیا! یہ ثمینہ کی بیٹی کجل کا کیا چکر ہے؟ زوباریہ تمہیں کچھ بتا تو رہی تھی۔'' زرینہ نے اپنے مطلب کی بات کی۔

''ارے ہاں امی! زوباریہ بتا رہی تھی کہ کجل آپی کا یونیورسٹی میں کسی لڑکے کے ساتھ افیئر چل رہا ہے اور اب اس نے ان کے لئے رشتہ بھجوایا ہے، آگے دیکھیں کیا بنتا ہے؟'' سونیا نے فٹافٹ معلومات ماں تک پہنچائیں۔

''اچھا! تو یہ بات ہے، کجل ایسی لگتی تو نہیں، میں تو اسے بڑی شریف سمجھتی تھی۔'' زرینہ تاسف سے بولیں۔

اور باہر صحن میں سنک پر منہ ہاتھ دھوتے روشان نے اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا، اب پتہ نہیں یہ کجل کون تھی جس کی شامت آ گئی تھی، بنا سوچے سمجھے، بغیر دیکھے اس کی اپنی ہی ماں بہنیں کسی پر الزام تراشی کر رہی تھیں، ابھی وہ اس سوچ میں الجھا ہوا تھا، کہ اسے پھر زرینہ کی غصے بھری آواز سنائی دی۔

''یہ تو نے اپنی شکل کو اور کتنا رگڑنا ہے اور کتنا چٹا (سفید) کرنا ہے، پہلے ہی پھیکے شلغم کی طرح لگتی ہے، نرا رنگ ہی رنگ نظر آتا ہے اور تو کچھ خاص ہے نہیں تجھ میں۔'' خود کو توپ چیز سمجھتی سونیا اس وقت کھسیانی سی ہو گئی جبکہ اب خوش ہونے کی باری زارا کی تھی۔

''کیا ہے امی؟ کجل آپی کی بات پر آپ کو اتنا غصہ کیوں چڑھا ہے؟ اور غصہ مجھ پر کیوں اتار رہی ہیں۔'' ماں کے چہرے پر برہمانہ تاثرات دیکھتے ہوئے سونیا حیرت سے بولی۔

''لو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کسی کے لئے غصہ کرنے کی۔''

''اچھا اب چھوڑیں اس بات کو، امی بھلا شگفتہ پھپھو نے پرینے کا سوٹ پہنا ہوا تھا نا۔'' زارا موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

''ارے ہاں بھئی بڑے پیسے آ گئے ہیں شگفتہ کے پاس، اب تو پرینے کے کپڑے پہننے لگ گئی ہے۔'' نند کے ذکر پر زرینہ نے فوراً دلچسپی سے کہا انہیں موضوع گفتگو بنانا تو وہ بھول ہی گئی تھیں۔

''اب شگفتہ پھپھو کے بعد کس کی باری ہے؟'' روشان بدمزا سا ہو کر دل میں سوچتا کچن

کی طرف چل دیا، جہاں سارہ چائے لئے اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

''روشان! سارہ اپنا پرس ادھر لاؤنج میں رکھ کر خود نہ جانے کہاں چلی گئی ہے، یہ اس کو دے آؤ، شادی والا گھر ہے اِدھر اُدھر ہو جائے گا، انتہائی لاپرواہ لڑکی ہے، میں تو ابھی تمہارے تایا ابو کے ساتھ ان کی گاڑی میں جا رہی ہوں۔''

زرینہ نے اسے پرس تھمایا۔

آج اقصیٰ کی شادی تھی اور وہ سب اپنے تایا کے گھر آئے ہوئے تھے روشان اس وقت ڈرائنگ روم میں دوسرے کزنوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''جی امی! میں دے دیتا ہوں، مگر وہ ہے کدھر؟''

''یہی تو مجھے نہیں پتہ، تمہاری بہنوں کو بھی اللہ ہی سمجھے، منہ پر لیپا تھوپی کرنے کے چکر میں ادھر اُدھر ہو گئی ہیں، سارہ بھی کسی کمرے میں گھسی منہ پر کچھ مل رہی ہوگی۔''

''کوئی بات نہیں امی! میں دیکھ لیتا ہوں، ہوگی کسی نہ کسی کمرے میں منہ پر کچھ نہ کچھ تجربہ کرتی ہوئی۔'' روشان شرارت بھرے لہجے میں کہتا سارہ کو ڈھونڈنے چل دیا۔

''سجل! بس بھی کرو، کیوں روئے جا رہی ہو یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے، تم کیوں خود کو پریشان کر رہی ہو؟ سب کو تمہارا پتہ ہے کہ تم کیسی لڑکی ہو، بس لوگوں کو تو عادت ہوتی ہے، بات کا بتنگڑ بنانے کی۔'' روشان سیڑھیاں چڑھ کر جیسے ہی پہلے کمرے میں داخل ہونے لگا تو اسے سارہ کی آواز سنائی دی، وہ ابھی اس شش و پنج میں تھا کہ اندر جائے یا نہ جائے کہ اسے آنسوؤں میں بھیگی نم اور مترنم آواز سنائی دی۔

''سارہ تم تو میرے بارے میں سب جانتی ہو، ہماری تو نہ صرف یونیورسٹی ایک ہے بلکہ ڈیپارٹمنٹ بھی ایک ہے، میں نے تو آج تک کبھی سہیل سے بات بھی نہیں کی، شاید تمہیں پتہ ہو کہ سہیل کی بہن بھی ہماری یونیورسٹی میں انگلش ڈیپارٹمنٹ میں ہے، وہ اکثر مجھ سے ملتی رہتی ہے اور اس کے کہنے پر ہی اس کی امی ہمارے گھر آئی تھیں اور اس وقت عابدہ چچی بھی ہمارے گھر ہی تھیں، وہ تو میرے یونیورسٹی میں پڑھنے کے پہلے دن سے خلاف ہیں اور اس لئے ان کو تو موقع مل گیا سب خاندان والوں کے سامنے الٹی سیدھی باتیں کرنے کا۔''

''دیکھو سجل! تمہیں پتہ ہے نا کہ تم غلط نہیں ہو تو بس لوگوں کی پرواہ کرنا بھی چھوڑ دو، انسان کا اپنا ضمیر مطمئن ہو بس اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے، چلو اب آنسو صاف کرو اور مزید نہیں رونا، اتنی پیاری ہو اور رو رو کر کیا حال بنا لیا ہے، اب جلدی سے فریش ہو جاؤ اور مجھے بھی پریشان نہ کرو اور خود بھی پریشان نہ ہو۔''

''لیکن سارہ میں سوچ رہی ہوں کہ لوگ اپنے لفظوں سے دوسروں پر سنگ باری کرنا کب بند کریں گے؟ لوگ صرف اپنی زبان کے چٹخارے کی خاطر چند لمحوں میں کسی کے کردار کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں، کسی پر بات کرنے سے پہلے کوئی یہ کیوں نہیں سوچتا کہ کسی پر بہتان لگانا کتنا سخت گناہ ہے، بنا دیکھے، بنا جانے ایسے ہی کسی پر بات کر دی جائے یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اگر کسی پر بات کرنے سے پہلے انسان اپنے آپ کو اس کی جگہ رکھے تو کبھی کسی پر بات ہی نہ کرے۔''

''اتنے خوبصورت خیالات، اتنی پاکیزہ سوچ، اس کے خیالات تو بالکل میرے جیسے

ہیں۔'' روشان کا دل یکدم اس خوبصورت آواز اور خوبصورت سوچ والی لڑکی کو دیکھنے کو چاہا اور اگلے ہی لمحے وہ دروازے پر دستک دیتا اندر داخل ہو گیا۔

تجل نے سامنے دیکھا تو جلدی سے دوپٹہ درست کرنے لگی، جتنے خوبصورت اس کے خیالات تھے، اتنی ہی وہ خود خوبصورت تھی، روئی روئی بڑی بڑی روشن آنکھیں جو اسے دیکھتے ہی فطری حیا سے جھک گئی تھیں، خود میں سمٹ کر دوپٹہ درست کرتی وہ سیدھی اس کے دل میں اتر گئی اور وہ بے خود سا دیکھے گیا۔

''جی بھائی کیا بات ہے؟'' ابھی شاید وہ کچھ دیر اور اس کے سحر میں گرفتار رہتا، کہ سارہ کی آواز سے وہ جلدی سے سیدھا ہو گیا۔

''وہ ...... سارہ یہ تمہارا پرس امی نے دیا ہے، نیچے پڑا تھا اور امی کہہ رہی تھیں کہ تم لوگ تیار رہو ابھی تھوڑی دیر تک نکلنا ہے شادی ہال جانے کے لئے اور سونیا اور زارا سے بھی کہہ دینا۔'' وہ جلدی سے کہتا بے خود سا باہر نکل گیا کیونکہ نگاہیں بھٹک کر تجل کی طرف ہی اٹھ رہی تھیں اور ہاتھ میں پرس پکڑے سارہ بھائی کی ایک دم سے بدلتی کیفیت سے سوچ میں پڑ گئی تھی، اس نے بھرپور نظر تجل پر ڈالی جو اب رونے کی وجہ سے آنکھوں کا خراب ہوا میک اپ سیٹ کر رہی تھی، بائل گرین اور میرون کنٹراسٹ کے سوٹ میں وہ اس وقت بے حد حسین لگ رہی تھی، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی اور ایک خوبصورت سوچ کا عکس اس کے چہرے پر ابھرا۔

☆☆☆

''بھائی چائے لے لیں۔'' سارہ کے پکارنے پر روشان جیسے اپنے خیالوں سے باہر آیا، جب اس نے تجل کو دیکھا تھا تب سے اس کے خیالوں میں ہی کھویا رہتا تھا، پورے شادی کے فنکشن میں اس کی بے تاب نگاہوں نے سرکش ہو کر تجل کے دلکش سراپے کو اپنے حصار میں لئے رکھا تھا اور سارہ نے یہ سارے مناظر غور و غوض سے نوٹ کیے تھے۔

''کیا بات ہے بھائی؟ کس کے خیالوں میں کھوئے رہتے ہیں؟'' اسے چائے کا کپ پکڑا کر سارہ بھی اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''نن ...... نہیں کچھ خاص نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور چائے پینے لگا۔

اس نے بھائی کے چہرے کی طرف دیکھا اس وقت اس کی چمک ہی نرالی تھی۔

''بھائی! امی آپ کی شادی کا سوچ رہی ہیں اور یہ سوچ تو کافی عرصہ سے ہے لیکن اب وہ واقعی سنجیدہ ہیں اگر آپ کی کوئی پسند ہے تو بتا دیں۔'' سارہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے کریدنے کی کوشش کی کیونکہ وہ اقصیٰ کی شادی میں روشان کی آنکھوں میں تجل کے لئے واضح پسندیدگی کے رنگ دیکھ چکی تھی، زرینہ تو بہت عرصہ سے چاہ رہی تھیں کہ اس کی شادی کر دیں لیکن وہ مانتا ہی نہیں تھا، سارہ کی منگنی ہو چکی تھی اور تین چار ماہ تک اس کی شادی متوقع تھی اور زرینہ چاہتی تھیں کہ سارہ اور روشان کی اکٹھی شادی کر دیں لیکن وہ ہامی نہیں بھرتا تھا، تجل نہ صرف سارہ کو بلکہ زرینہ کو بھی بہت پسند تھی اور انہوں نے دو تین دفعہ سارہ کے سامنے تجل کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کیا تھا لیکن وہ روشان کے شادی سے انکار کی وجہ سے اس سے بات نہیں کرتی تھیں۔

''امی کو اتنی جلدی شادی کی کیا پڑی ہے؟'' اس نے ٹالنے کی کوشش کی۔

''چلیں ای جلدی نہ بھی کریں لیکن لڑکیوں کے ماں باپ کو تو جلدی ہوتی ہے نا، یہ نہ ہو کہ خاندان کی ساری لڑکیاں بیاہی جائیں اور آپ فیصلہ کرتی ہی رہ جائیں۔'' سارہ کی بات پر وہ جیسے ایک دم چوکنا ہو گیا۔

بات تو اس کی ٹھیک تھی اور جیسا تجل کے ساتھ ہوا تھا اب تو اس کے گھر والے اس کی شادی جلدی ہی کر دیں گے اور ہو سکتا ہے ان کو وہ اس کا یونیورسٹی فیلو ہی پسند آ جائے، یکدم وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا۔

''وہ لڑکی جو اقصیٰ کی شادی والے دن تایا جان کے گھر اوپر والے کمرے میں تمہارے ساتھ تھی وہ کون ہے؟'' اس نے لہجے کو سرسری سا بناتے ہوئے اس سے پوچھا تو سارہ کے چہرے پر شرارت کے رنگ بکھر گئے۔

''اس لڑکی کے بارے میں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

''ویسے ہی پوچھا ہے، تم کیا سمجھ رہی ہو؟'' اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

''وہ تجل ہے، جمیلہ تائی کے بھائی کی بیٹی یعنی زوبار یہ کی ماموں زاد کزن۔''

''اوہ اچھا!''

''اچھی لگی ہے آپ کو؟'' اس نے چھیڑنے والے انداز میں پوچھا۔

''نہیں اتنی خاص تو نہیں ہے۔'' جواباً اس نے لاپرواہی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''اوہ اچھا وہ آپ کو پسند نہیں آئی، امی تو اسے آپ کے لئے پسند کیے بیٹھی تھیں۔'' اس نے مصنوعی تاسف کا اظہار کیا۔

''ارے نہیں، میں نے یہ کب کہا، میری کیا مجال امی کے فیصلے سے انکار کروں۔'' روشان نے فوراً بات سنبھالتے ہوئے کہا تو اسے بھائی کی چالاکی پر بے اختیار پیار آ گیا۔

''ویسے اقصیٰ کی شادی پر جو آپ تجل کو بہانے بہانے سے دیکھ رہے تھے وہ بھی امی نے کہا تھا۔'' اپنے پکڑے جانے پر وہ خفیف سا مسکرا دیا۔

''اچھا! اگر آپ واقعی سنجیدہ ہیں تو میں آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں اور بھائی شاید آپ نے میری اور تجل کی باتیں بھی سنی ہوں، اگر آپ کے دل میں کوئی خیال ہو تو میں بتانا چاہتی ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں خواہ مخواہ میں تجل پر الزام تراشی کی گئی ہے۔''

''تمہیں مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں، تمہیں پتہ تو ہے کہ میں ایسی باتوں کے کتنا خلاف ہوں، بس تمہیں امی کی غلط فہمی دور کرنی ہے کیونکہ میں نے انہیں سونیا سے اسی موضوع پر بات کرتے سنا تھا، اب امی کو تم نے راضی کرنا ہے۔''

''اس کی آپ بالکل فکر نہ کریں۔'' وہ بولی تو روشان نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''یہ بہنیں بھی قدرت کا کتنا پیارا تحفہ ہوتی ہیں نا، بنا کچھ کہے اندر کا حال جان لیتی ہیں۔'' سارہ کے بارے میں سوچتے ہوئے اس لمحے اسے خود پر رشک محسوس ہوا تھا۔

سارہ کے ساتھ اس کی ویسے بھی بہت بنتی تھی، ایک تو ان دونوں کی عمر میں اتنا فرق نہیں تھا دوسرا وہ اپنی باقی بہنوں سے قدرے مختلف تھی اور اس کی طرح مثبت سوچ رکھتی تھی۔

☆☆☆

''تجل کی چچی عابدہ نے خود سب کو بتایا ہے کہ تجل کا یونیورسٹی میں کسی لڑکے کے ساتھ چکر چل رہا ہے اور اس نے رشتہ بھی بھجوایا ہے، اب تم

کہتی ہو کہ میں روشان کے لئے اس کا ہاتھ مانگ لوں۔" زرینہ نے سر کو جھٹکا، سارہ کو ان کی بات سن کر تپ ہی چڑھ گئی۔

"امی! کیا آپ کو عابدہ آنٹی کا نہیں پتہ؟ دوسروں کی بیٹیوں پر باتیں کرنے کے سوا اور ان کا کام ہی کیا ہے؟ سب کو ان کی چھوٹی سوچ کے بارے میں پتہ ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے، تجل میرے ساتھ ہی تو یونیورسٹی میں پڑھتی ہے، لڑکیوں کے رشتے تو آتے ہی رہتے ہیں، یہ کوئی انہونی بات تو نہیں ہے، اگر تجل کی طرح میرا کوئی رشتہ بھیج دیتا تو کیا میں بھی خراب لڑکی ہوتی؟"

"ارے خواہ مخواہ میری بیٹی کو کوئی خراب یا غلط کیوں کہے؟" زرینہ کو سارہ کا یوں اپنے بارے میں کہنا ایک آنکھ نہ بھایا۔

"تو پھر آپ بھی اب تجل کے بارے میں نہ کوئی ایسی ویسی بات کہیں گی اور نہ ہی سوچیں گی، امی آپ نے خود ہی تو کئی دفعہ تجل کے لئے پسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور روشان بھائی کو بھی وہ پسند ہے تو ہمیں ایسی فضول باتوں میں الجھنا نہیں چاہیے۔" سارہ کی باتوں سے وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی تھی اور درحقیقت وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے خوبصورت اور پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی لڑکی چاہتی تھیں اور تجل ان خصوصیات پر پورا اترتی تھی، اس لئے وہ ان کو پسند تھی۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو، تجل ایسی بچی نہیں ہے، میں تو اڑتی چڑیا کے پر گن لوں، مجھے تو دیکھ کر ہی پتہ چل جاتا ہے کہ کون لڑکی کیسی ہے؟ اور روشان کو پسند بھی ہے، بات کرتی ہوں اس کے گھر والوں سے۔" زرینہ پرسوچ انداز میں بولیں، زرینہ کی بات سے سارہ خوشی سے کھل اٹھی۔

وہ چاہے جیسی بھی تھیں، لوگوں پر تبصرے، اعتراضات کرتیں لیکن ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ کسی بھی بات کو زیادہ طول نہیں دیتی تھیں اور سمجھانے سے جلدی سمجھ بھی جاتی تھیں، زرینہ نے تجل کے گھر والوں سے بات کی اور ان کے رشتہ قبول کرتے ہی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور یوں سارہ کی شادی کے ساتھ ہی تجل روشان کی زندگی میں بہار کا جھونکا بن کر آ گئی۔

تجل کا ساتھ پا کر وہ بہت خوش تھا، وہ زندگی گزارنے کے لئے اپنی شریک حیات میں جو خوبیاں دیکھنا چاہتا تھا وہ ان سب سے مزین تھی، اس کی حیاء کے بوجھ سے اٹھتی، جھکتی، لرزتی لمبی پلکیں اور ان میں چھپی روشن ستارہ آنکھیں اسے پل بھر میں دیوانہ کر دیتیں اور جب وہ دھیمے سروں میں بولتی تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا، وہ اس سے خوش تھا تو تجل بھی اس کا ساتھ پا کر خود پر نازاں تھی، قدرت نے اسے روشان کی صورت میں بے انتہا سلجھی ہوئی طبیعت اور ٹھنڈے مزاج کا شوہر عطا کیا تھا اور اس پر یہ احساس کہ وہ اس کی پسند سے اس کی زندگی میں شامل ہوئی ہے اسے سرشار کر جاتا، زندگی ان دونوں کے لئے بے حد حسین ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"واہ بھابھی کتنے مزے کے پکوڑے بنائے ہیں، میرا تو انہیں کھانے سے دل ہی نہیں بھر رہا۔" زارا نے پکوڑوں کی پلیٹ پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کسی اور کے لئے بھی چھوڑ دو، کیا خود ہی سارے کھا جاؤ گی ندیدی۔" سونیا نے اس کے ہاتھ سے پلیٹ چھینی۔

"دیکھیں امی! یہ مجھے کھانے نہیں دے

رہی۔'' زارا نے برا سا منہ بنایا۔

''بچوں کی طرح کیوں لڑ رہی ہو؟ پکوڑے ہی تو ہیں۔'' تجل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں کھانے سے نہیں روک رہی لیکن ہم سب مل کر کھائیں گی بھی۔'' سونیا نے پکوڑوں کی پلیٹ سب کے درمیان میں رکھتے ہوئے کہا۔

وہ چاروں صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں، دوپہر کا وقت تھا، موسم آج صبح سے ہی خاصا خوشگوار ہو گیا تھا، آسمان پر بادل روئی کے گالوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے، کچھ دیر کے لئے ہلکی ہلکی پھوار بھی برس چکی تھی، اس لئے موسم کے پیش نظر تجل نے پکوڑے بنائے تھے اور ساتھ میں املی کی چٹنی پکوڑوں کا مزا دوبالا کر گئی تھی۔

''اے تجل! یہ جو ہمارے سامنے کونے والا گھر ہے نا، صفدر حیات صاحب کا جس کے ساتھ چھوٹی سی گلی بھی ہے، ان کی سب سے بڑی بیٹی ثمن ٹھیک لڑکی نہیں ہے۔'' پکوڑے کھاتے ہوئے اچانک زرینہ کو ثمن کے بارے میں اپنی معلومات ان تک پہنچانے کا خیال آیا، آج کل ثمن کے بارے میں گلی میں خوب چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

''جی امی! آپ کو کس نے بتایا؟'' سونیا نے فوراً گفتگو میں حصہ لیا۔

''صغریٰ آنٹی نے بتایا ہو گا۔'' زارا بھی بولی۔

صغریٰ آنٹی ان کی گلی میں لوگوں کے بارے میں معلومات رکھنے میں پہلے نمبر پر تھیں۔

''ہاں صغریٰ آپا بتا رہی تھیں کہ وہ صبح صبح ٹیرس پر چکر لگاتی ہے اور انہوں نے اکثر اسے رات میں بھی چھت پر دیکھا ہے، اکثر سامنے کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔''

تجل کی شادی کو دو ماہ سے زیادہ ہو گئے تھے، شروع شروع میں جب وہ ماں بیٹیوں کی آپس میں ایسی گفتگو سنتی تو حیران ہو جاتی تھی کیونکہ اس کی امی نے کبھی اس کے سامنے ایسی گفتگو نہیں کی تھی اگر کبھی وہ ایسی ویسی کوئی بات کر بھی دیتی تو وہ اسے ڈانٹ کر چپ کروا دیتیں تھیں لیکن یہاں الٹ حساب تھا، یہاں آدھے سے زیادہ دن لوگوں کی باتیں کرنے میں گزر جاتا تھا اور رفتہ رفتہ نامحسوس طریقے سے اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا اور وہ بھی ان کا ساتھ دینے لگی تھی، اکثر وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتی تھی۔

''ثمن وہی ہے، جو لمبے سے قد کی ہے، سمارٹ سی ہے اور دو چٹیاں کی ہوتی ہیں۔'' تجل نے تائید چاہی۔

''جی بھابھی وہی ہے ثمن۔'' زارا نے فٹ فٹ جواب دیا۔

''بڑی تیز طرار ہے، فیشن کر کر کے اچھی بھلی ہو گئی ہے، پہلے تو ایویں سی تھی، جب یہ لوگ یہاں شفٹ ہوئے تھے تو تب تو بونگی سی لگتی تھی۔''

''جب یہ لوگ شفٹ ہوئے تھے تو بھابھی ادھر ہی تھیں ابھی مہینہ تو ہوا ہے انہیں یہاں شفٹ ہوئے، ویسے اس بیچاری کی تو ساری زندگی لوگوں سے جلنے میں ہی گزر جائے گی۔'' سونیا نے تجل کی طرف دیکھتے ہوئے زارا پر طنز کیا تو اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی لیکن وہ جلدی سے چھپا گئی۔

زارا نے تیز نظروں سے سونیا کو دیکھا، اس سے پہلے کہ وہ دونوں آپس میں الجھتیں، تجل فوراً بولی۔

''اچھا چھوڑو، میں تمہیں یہ بتانے لگی تھی کہ میں نے بھی کل ثمن کو ٹیرس پر دیکھا تھا۔''

''اچھا کس وقت؟'' وہ تینوں متجسس ہو

گئیں۔

"کل صبح روشان کے دفتر جانے کے بعد میں دروازہ بند کرنا بھول گئی تھی، یاد آنے پر میں نے سوچا کہ بند کر آؤں اور جب میں دروازہ بند کرنے گئی تو میں نے دیکھا کہ ثمن گرل سے تقریباً لٹکی ہوئی تھی اور ان کے گھر کے ساتھ جو چھوٹی گلی ہے اس کا رخ اس طرف تھا اور کسی سے باتیں کر رہی تھی، مجھے نظر تو نہیں آیا کہ اس طرف کون تھا لیکن مجھے ایسا لگا جیسے کوئی لڑکا تھا کیونکہ مجھے ہلکی سی جھلک نظر آئی تھی۔"

"ارے لڑکا ہی ہوگا، اس کے لچھن ایسے ہی تو صغریٰ آپا بھی کہہ رہی تھیں، اللہ جانے کیسے لوگ ہیں؟ کون سا زیادہ عرصہ ہوا ہے انہیں یہاں آئے ہو، صفدر حیات صاحب ہیں اور تین بیٹیاں ہیں، ماں تو سر پہ ہے نہیں جو اچھا برا سکھائے لڑکیوں کو، گلی میں کبھی کسی کا آنا جانا نہیں ہے، گھر میں کوئی عورت تو ہے نہیں، یہ ثمن تو گھر میں ہی ہوتی ہے لیکن ایک دو دفعہ ہم گئے ہیں دروازہ ہی نہیں کھولتی، چھوٹی دونوں کالج جاتی ہیں وہ آتی ہیں تو تھوڑی دیر بعد صفدر صاحب آجاتے ہیں، بس اس سے زیادہ تو کوئی ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"امی! باقی دونوں تو ٹھیک ہیں لیکن یہ ثمن واقعی عجیب سی ہے، یوں آنکھیں پھاڑے گلی میں دیکھے جاتی ہے، اسے ذرا بھی شرم نہیں کہ لڑکیاں یوں دیکھتی اچھی لگتی ہیں بھلا۔" سونیا نے بھی اپنا تبصرہ بیان کیا۔

"بس اللہ سب کی بیٹیوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے، ہمارے تو اپنے گھر میں جوان بیٹیاں ہیں، ایسی لڑکیوں کا بچیوں پر غلط اثر پڑتا ہے۔"

داخلی دروازے سے اندر آتے، روشان کا ان کی بے ہودہ گفتگو سن کر اچھا خاصا میٹر گھوم گیا تھا، تجل کی باتیں سن کر تو وہ غصے کے ساتھ ساتھ حیرت میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔

اسے سامنے دیکھ کر وہ یک لخت چپ ہو گئیں تھیں۔

"بیٹا! تم آج جلدی آگئے؟" زرینہ نے اسے پیار سے مخاطب کیا۔

"جی میری آج طبیعت ٹھیک نہیں تھی، سر میں درد تھا اس لئے جلدی چھٹی لے کر آگیا۔"

"تجل! میرے لئے کھانا کمرے میں ہی لے آؤ۔" وہ ان کی بات کا جواب دیتا اندر کمرے کی طرف چل دیا۔

"لگتا ہے بھائی نے ہماری باتیں سن لی ہیں اور ان کا موڈ آف ہو گیا ہے۔" زارا نے قیاس آرائی کی۔

تجل دل ہی دل میں ڈر سی گئی کیونکہ اتنا تو وہ روشان کو جان گئی تھی کہ وہ باقی گھر والوں سے مختلف ہے اور نہ ہی کسی کی بات سننا پسند کرتا ہے۔

"ارے تو ہم نے کون سا تیر مار دیا ہے اس شتونگڑی ثمن کو جواب اسے اس کی ہمدردی کا بخار چڑھ گیا ہے۔"

"چل بیٹا تو اسے کھانا دے، یہ تو ایویں تمہیں پریشان کر رہی ہے، ہم کون سا کوئی غلط بات کر رہے تھے۔" زرینہ کی بات اس کے دل کو لگی۔

"واقعی! میں نے تو کوئی غلط بات نہیں کی، میں نے کل ثمن کو دیکھا ہی تھا۔" وہ پرسکون ہو کر کھانے کی ٹرے لئے کمرے میں چل دی۔

"یہ اتنے غصے میں کیوں ہیں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے روشان کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت واضح محسوس کی جا سکتی تھی جیسے بہت غصہ ہو اور وہ ضبط کر رہا ہو۔

وہ کھانا کھا کر چائے پی رہا تھا لیکن مجال ہے جو اتنی دیر میں اس سے کوئی بات بھی کی ہو، جبکہ ایسا تو پہلی دفعہ ہوا تھا ورنہ وہ تو جب بھی گھر آتا اسے والہانہ نظروں سے دیکھتا اور اس پر نثار ہوئے جاتا، وہ اس کے نرم رویے کی عادی ہو چکی تھی لیکن اب ایک دم سے اتنی بیگانگی، ایک دو دفعہ اس نے اس کی طبیعت کا پوچھ بھی تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ بہت چھوٹے دل کی تھی اور بہت جلدی ڈر جاتی تھی اس لئے مارے ڈر کے روشان کو زیادہ مخاطب بھی نہیں کر رہی تھی اور پریشان بھی ہوئی جا رہی تھی۔

''اتنی سی بات پر اتنا زیادہ غصہ؟'' یکدم ہی ڈھیروں پانی آنکھوں کی دہلیز پر چھلکنے لگا اور روکتے روکتے بھی بہہ گیا۔

''ٹپ ٹپ۔'' اس کے گالوں پر شفاف پانی کے قطرے گرنے لگے تو وہ فوراً بے چین ہو گیا، ساری ناراضگی، غصہ اڑن چھو ہو گیا۔

''یہ کیا؟ رو کیوں رہی ہو؟'' اس نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے خود سے قریب کیا تو یک لخت ڈھیروں سکون دل کے اندر اتر گیا، وہ پل بھر میں ہی پرسکون ہو گئی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں، جب سے آئے ہیں کوئی بات نہیں کر رہے۔'' وہ نیچے ماربل کے فرش کی سطح پر نظریں جمائے بولی۔

''ہوں، ناراض تو میں ہوں۔''

''کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے یک لخت ناراض ناراض سی نظریں اٹھائیں۔

''تم نے مجھے دکھ پہنچایا ہے، اپنے لفظوں کے نشتر سے۔'' وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''اقصیٰ کی شادی والے دن میں نے تمہاری اور سارہ کی باتیں سنی تو میں تمہاری خوبصورت سوچ اور خیالات سے بہت متاثر ہوا تھا، تمہاری سوچ کی پاکیزگی نے مجھے تمہارا اسیر کیا تھا لیکن مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ وہ اچھی سوچ دوسرے لوگوں کی طرح صرف تمہاری اپنی ذات کے لئے ہے دوسروں کے لئے دوسروں کے بارے میں تم بھی وہی عام سی عامیانہ سوچ رکھتی ہو۔'' وہ شرمساری کے احساس میں گھرنے لگی۔

''تم نے ہی کہا تھا نا کل کہ لوگ کسی کی ذات پر لفظوں کی سنگباری کیوں کرتے ہیں، میں آج تم سے پوچھتا ہوں تم بتاؤ، تم کیوں کسی کی ذات پر اپنے لفظوں سے سنگ باری کر رہی تھی کیوں؟ تم نے کہا تھا نا کہ لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ صرف زبان کے چٹخارے کی خاطر کسی پر کتنا بڑا بہتان لگا رہے ہیں، آج تم نے بھی ثمن پر باتیں کر کے ایسا ہی نہیں کیا کیا؟'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بول رہا تھا اور وہ تو خفت و شرمندگی کے باعث لاجواب ہی ہو گئی تھی۔

''ثمن پر گلی کے لوگ باتیں کرتے ہیں کہ وہ ایسی ہے ویسی ہے لیکن کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ ذہنی طور پر تھوڑی معذور ہے اس لئے اکثر اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا صحیح کر رہی ہے اور کیا غلط۔''

''کیا؟'' وہ تو سن کر حیران ہی رہ گئی تھی، اسے دلی افسوس ہوا تھا۔

''آپ کو کس نے بتایا؟''

''صفدر انکل نے مجھے ثمن کے بارے میں بتایا تھا، جس وقت میں دفتر جاتا ہوں وہی وقت صفدر انکل کے دفتر جانے کا بھی ہوتا ہے اور وہ بچی اپنے باپ کو دیکھنے کے لئے ٹیرس پر کھڑی ہوتی ہے نہ کہ کسی لڑکے کو دیکھنے کے لئے کیونکہ صفدر انکل اسے نیچے باہر والے دروازے کے پاس نہیں آنے دیتے کہ کہیں وہ بے دھیانی میں

ادھر ادھر نہ چلی جائے اور ایک اور بات بتاؤں تمہیں کل صبح جو لڑکا تم نے دیکھا تھا جسے تم صحیح دیکھ نہیں پائی تھی اور ثمن اس سے باتیں کر رہی تھی وہ میں تھا، تمہارا شوہر، کل اس نے مجھے سلام کیا تھا اور میں اکثر اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں اور اس سے باتیں بھی کرتا ہوں کیونکہ وہ مجھے بلاتی ہے اور باتیں کرتی ہے میں نے کبھی اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اگر کوئی مجھے دیکھے تو کیا کہے گا کیونکہ ایسے بچے ہماری توجہ اور پیار کے مستحق ہوتے ہیں۔''

تجل کو حقیقتاً اپنی سوچ پر بہت افسوس ہو رہا تھا، سچ کہتے ہیں کہ انسانی آنکھ تو دھوکا ہے کیا سے کیا تصور کر لیتی ہے۔

''سوری روشان، میں آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گی، مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب میں ایسی فضول سی باتوں میں الجھ گئی ہوں۔'' اس نے صدق دل سے معذرت کی۔

''سونیا وغیرہ باتیں کرتی ہیں تو میں ایسے ہی ان کا ساتھ دینے لگ گئی......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش سی ہو گئی کہ کہیں روشان کو برا نہ لگے، اس لئے اس نے زرینہ کا نام بھی نہیں لیا۔

''مجھے پتہ ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں اپنی امی اور بہنوں کی عادات کو، ان کا پسندیدہ موضوع لوگ ہیں لیکن ان کے خیالات، ان کی سوچ تم نے بدلنی ہے، اگر ہم کوئی ناپسندیدہ یا غلط چیزیں دیکھیں تو ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں نہ کہ خود حصہ بن جائیں، میں یہ نہیں کہتا کہ تم فوراً انہیں ٹوک دو یا امی کو روکو وہ تم سے بڑی ہیں اور میں تمہارے رشتے کی نزاکت کو بھی سمجھتا ہوں لیکن آہستہ آہستہ نامحسوس انداز میں تمہیں انہیں سمجھانا ہے اور ان کی اصلاح کرنی ہے اور اگر پھر بھی نہ کر سکو تو اپنی عادتیں خراب نہ کرو، تم میں جو اچھائی ہے اسے تو ختم نہ کرو، میں صحیح کہہ رہا ہوں نا، تمہیں برا تو نہیں لگ رہا میں مسلسل تم پر تنقید کر رہا ہوں۔'' اپنی بات کے اختتام پر اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''نہیں مجھے بالکل برا نہیں لگا، اچھا کیا آپ نے مجھے سمجھایا، کسی کی غلطی کی نشاندہی کرنا غلط نہیں ہے اور آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔'' وہ اپنے معصوم چہرے پر شرمندہ، شرمندہ رنگ بکھیرے اس پل ویسی ہی لگ رہی تھی جیسی کہ وہ فطرتاً تھی، اسے دیکھتے ہوئے ڈھیروں سکون روشان کے اندر تک اتر گیا تھا۔

''تجل! لفظوں سے زیادہ انسان کی سوچ اچھی ہونی چاہیے، سوچ اچھی ہو تو بولنے کے لئے انسان کو لفظوں کا چناؤ نہیں کرنا پڑتا بلکہ اچھے الفاظ ہاتھ باندھے ذہن کی اسکرین پر چلتے رہتے ہیں اور خود بخود زبان سے ادا ہوتے رہتے ہیں اور اچھے انسان کے چہرے پر اس کی اچھی سوچ کا عکس بھی ابھرتا رہتا ہے، ہاں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بہت اچھے اچھے الفاظ بولتے ہیں اور خود کو بہت اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کی سوچ اس کے برعکس ہوتی ہے تو ایسے لوگوں کے لہجے پر غور کرنا چاہیے ان کے لہجے کھوکھلے ہوتے ہیں، ان کے الفاظ محض الفاظ ہی ہوتے ہیں، پر اثر نہیں ہوتے، اس لئے اب ہمیں اپنی اور اپنے گھر کے ہر فرد کی سوچ کو مضبوط اور صاف شفاف بنانا ہے۔''

''انشاء اللہ۔'' جواباً تجل نے کہا، اس کا لہجہ بھرپور عزم لئے ہوئے تھا۔

☆☆☆

ہاری تو پیا تیری
اُم اقصیٰ

مرسلین سے شادی کا فیصلہ قطعی اس کا اپنا تھا، کزنز مامے، چاچے، تائے غرضیکہ سب ہمسائے تک نے محاورتاً نہیں حقیقتاً تعجب کا اظہار کیا تھا اور کرتے بھی کیوں ناں کہاں حوریم گھر بھر کی لاڈلی اکلوتی اپنی منوانے اور لاڈ اٹھانے والی، بے دریغ خرچ کرنے والی نازک سی، کونپل، کومل سی اور کہاں مرسلین عام سی شکل و صورت عام سی ملازمت عام سی تعلیم مسکین سا، یتیم بھی، مختصر لفظوں میں محروم شخص، باقی سب نے سمجھایا بجھایا ماما تک نے بٹھا کے سب اونچ نیچ سمجھائی مگر اس کا فیصلہ اٹل رہا، بابا نے بلا کے صرف اتنا پوچھا۔

''آپ نے سوچ سمجھ کے فیصلہ کیا ہے؟''

''جی بابا!'' اس نے سر جھکائے ہوئے کہا۔

''پچھتاوے کی صورت میں ذمہ داری قبول کریں گی آپ؟''

''جی بابا اور مجھے امید ہے ایسی نوبت بھی نہیں آئے گی۔''

''انشاء اللہ۔'' وہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے اٹھ گئے۔

فیری آپا تک نے پوچھ لیا جس نے خود اسے مرسلین سے ملوایا تھا۔

''حوریم تم نے سوچ سمجھ کے کیا ہے ناں یہ فیصلہ۔'' وہ پوچھتے ہوئے قدرے جھجک بھی رہی تھیں، جیسے اس کے اس فیصلے پہ بہت خوش ہو اور ڈر بھی ہو کہ کہیں وہ فیصلہ بدل نہ دے۔

''جی آپا!'' حوریم کے لفظوں سے زیادہ لہجے میں یقین تھا۔

''دیکھنا تم بہت بہت خوش رہو گی، مرسلین بہت اچھا انسان ہے اس دنیا میں سب سے اچھا سب سے پیارا، بہت سادہ دل، بہت کیئرنگ، تم خوش قسمت ہو جو اس کی بیوی بننے جا رہی ہو، میں بہت دعا کروں گی تم دونوں کے لئے، تم دونوں بہت عزیز ہو مجھے۔'' فیری آپا اس کا ماتھا چومتے جذب سے کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆

حوریم نہ صرف اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی بلکہ بارہ برس تک اسے گھر بھر کی اکلوتی لڑکی ہونے کا اعزاز حاصل رہا تھا، اس کے بابا تین بھائی تھے حوریم کے بابا اعزاز احمد منجھلے تھے سب سے بڑے اعتزاز صاحب کے تین بیٹے تھے جبکہ چھوٹے اعتصام صاحب کی شادی کے دس برس بعد دو جڑواں بیٹیاں ہوئیں تھیں اور پھر دو جڑواں بیٹے، اعتصام چاچو کے گھر دو جڑواں بیٹیاں ہونے کے بعد بھی حوریم کی اہمیت میں کوئی کمی نہ آئی تھی، کچھ وہ تھی بھی بہت خوبصورت، ایکسواں لگتا تھا مگر چہرے پہ معصومیت ابھی تک بچوں جیسی تھی، انتہائی نرم دل، حساس اور غریب پرور تھی اپنے گھر کے سب ملازمین کی وہ فیورٹ تھی، بی ایس سی مکمل ہوتے ہی جب وہ ایم ایس سی کے لئے اپلائی کرنے کا سوچ رہی تھی اس کے لئے رشتے آنا شروع ہو گئے تھے، اپنی بہترین کزن فریحہ آپی جسے سب فیری آپی بلاتے تھے کو بتاتے ہوئے وہ باقاعدہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''ایسا تو ہوگا ناں اب چندا ویسے بھی جہاں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں۔'' فیری آپا کا انداز ناصحانہ تھا۔

''لیکن ابھی سے؟''

''خالہ خالو کیا کہتے ہیں؟'' فیری آپا نے پوچھا۔

''وہ تو کوئی ایک فائنل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔''

''ہوں۔'' فیری آپا نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

"ویسے ایک پرپوزل میرے پاس بھی ہے، آپ کا بیٹا تو بہت چھوٹا ہے ابھی فیری آپا۔" فرینہ اس کی بات پہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

"کاش بڑا ہوتا؟" فرینہ کے لہجے میں مصنوعی افسوس جھلکا۔

"مگر یہ پرپوزل میرے بھائی کا ہے، مرسلین یوسف کا۔"

"مرسلین یوسف؟ آپ کا کزن؟" دبو سا سراپا حوریم کے ذہن میں لہرایا۔

"ہاں پتہ نہیں کیوں جب بھی میں مرسلین کو دیکھتی ہوں تو مجھے تم یاد آ جاتی ہو، تم دونوں ہی مجھے بے حد عزیز ہو۔" فیری آپا کے لفظوں میں پیار ہی پیار تھا۔

مرسلین یوسف فیری آپا کے چاچو کا بیٹا تھا، پیدا ہوتے ہی ماں گزر گئی تھی اور دو سال کا معصوم بچہ تھا جب باپ بھی چھوڑ گیا، عزیزہ خالہ نے اسے پالا تھا مگر جب سے بڑا ہوا تھا اپنے پورشن میں رہنے لگا تھا فیری آپا اور مرسلین کے پورشن میں ایک چھوٹی سی لوہے کی گرل نما دیوار تھی، مرسلین پڑھائی میں اچھا تھا ایم کام کر کے مقامی بینک میں جاب کرتا تھا، حوریم جب اپنی خالہ کے گھر جاتی تو اکثر مرسلین سے بھی سلام دعا ہو جاتی، حال چال پوچھ کر وہ نکل لیتا کم گو تھا، ابھی بھی جب وہ فیری آپا کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھی تو مرسلین جاب سے آیا تھا خاموشی سے سلام کرتا آگے بڑھ گیا۔

"کھانا بنا دوں؟" فیری آپا نے معنی خیز نگاہوں سے حوریم کو دیکھتے مرسلین کو پیچھے سے پوچھا۔

"نہیں تھینکس آپا۔" آہستگی سے چلتا وہ اپنے پورشن کی جانب بڑھ گیا۔

"بہت خود دار ہے سخت بھوک لگی ہو گی مگر میرے آرام کے خیال سے نہیں کہا، اب تھکا ہارا جاب سے آیا ہے اب اپنے لئے کھانا بنائے گا، حور اماں نے آج کوفتے بنائے ہیں ایسا کرو اسے دے آؤ ذرا میں وصی کو دیکھ لوں۔" کہتے فیری آپا اٹھ کھڑی ہوئیں بغیر اس کا جواب سنے، اسے بھی مجبوراً اٹھنا پڑا۔

کوفتوں کا ڈونگا کچن کی طرف لے جاتی وہ بے ساختہ ٹھٹکی تھی، کچن کی دیوار گیر کھڑکی سے سامنے کا منظر نمایاں تھا روٹی پکاتا مرسلین یوسف، حوریم فرسٹ ٹائم کسی مرد کو روٹی بناتے ہوئے دیکھ رہی تھی، بس ایک منظر نے اسے ٹھٹک کے رک جانے پہ مجبور کیا، لمحوں میں اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر لیا، اس نے مرسلین سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆

زندگی سبک رواں ندی کی طرح رواں تھی حوریم کی مرسلین سے شادی کو چار ماہ بیت گئے تھے اور وہ حقیقتاً بہت خوش تھی، مرسلین ایک ذمہ دار اور بہت خیال رکھنے والا شوہر ثابت ہوا تھا، حوریم مشرقی بیویوں کے سے انداز میں رہتی، مرسلین کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی، ہر وقت گھر کی دیکھ بھال، سجاوٹ میں لگی رہتی اور یہ سب کچھ کر کے اسے حقیقتاً خوشی ہوتی، فرینہ آپا جب بھی میکے آتیں دونوں مل کے خوب گھومنے پھرنے اور شاپنگ کے پلان بناتیں غرض یہ کہ راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا، مگر اس بار فیری آپا کو حوریم بہت بجھی بجھی سی لگی، انہوں نے حوریم سے بہت پوچھا مگر وہ خرابی طبیعت کا کہہ کر ٹال گئی جاتے ہوئے فیری آپا نے نوٹ کیا وہ اسے اور اس کے میاں خاور کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی، فیری آپا الجھ گئی اور کن انکھیوں سے حوریم کو نوٹس کرتی رہی، خاور مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا اور پر

سے چلنے اٹھنے بیٹھنے کا انداز متاثر کن، آواز بہت میٹھی تھی تبھی تو مشہور آر جے تھا، لیکن اس بار تو فیری آپا کو مرسلین بھی بہت ہینڈسم لگا تھا، اپنا وزن قدرے بڑھا لیا تھا، بالوں کا سٹائل بھی بدل لیا تھا پہننے اور بننے سنورنے پہ بھی دھیان دینے لگا تھا اور اب تو بولتا بھی ٹھیک ٹھاک تھا ورنہ تو جب چپ رہتا، یہ سب تبدیلیاں اس پہ بہت سوٹ کر رہی تھیں اور اب وہ متاثر کن شخصیت لگ رہا تھا اور سب سے بڑی بات حوریم کے ساتھ بہت جچ بھی رہا تھا، پھر حوریم کیوں ایسے؟ فیری آپا الجھ رہی تھی، قدرے دھیان سے نوٹ کیا تو فیری آپا کو احساس ہوا وہ خاور کو نہیں درحقیقت دونوں کو نوٹس کر رہی تھی بولتے ہوئے خاور اپنے مخصوص انداز میں قدرے جھک کر فیری کو کچھ کہتا، کوئی الٹا سیدھا کمنٹ یا رومینٹک بات، فیری گھور کے اسے پرے ہٹاتی دیکھتی حوریم بہت غور سے یہ سب دیکھ رہی ہوتی، کچھ دیر نوٹس کے بعد فیری آپا نے اسے اپنا وہم سمجھ کے جھٹک دیا۔

☆☆☆
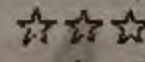
حوریم کا روٹھ کر میکے آ جانا فیری کے لئے بہت اچنبھے کی بات تھی، اگرچہ اماں نے اسے واضح لفظوں میں تو نہیں بتایا تھا لیکن باتوں سے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ حوریم کو مرسلین سے کوئی ناراضگی ہے بھی تو پورے بیس دن ہو گئے تھے اسے میکے گئے ہوئے کجا وہ شادی کے بعد ایک رات تک نہیں رکتی تھی کہ مرسلین اکیلا ہوگا، فیری آپا پہلی فرصت میں ہی حوریم کے پاس آئی تھی۔

"تم نے بھی اسے محروم کر دیا حوریم۔" فیری آپا کا لہجہ دکھ سے چور تھا۔

"کیونکہ محروم شخص کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے فیری آپا، وہ آپ کے اندر بھی بہت سی محرومیاں جگا دیتا ہے اور محرومیوں کے ساتھ جینا بہت مشکل ہوتا ہے بے حد مشکل۔"

"تم نے اس کی محرومیت دیکھ کے ہی تو اس سے شادی کی تھی۔"

"محرومیت نہیں آپا انسانیت، انسانیت دیکھ کے شادی کی تھی۔" حوریم کے ذہن کے پردہ سکرین پر وہ منظر پوری شدت سے ابھرا کچن میں تھکا ماندہ روٹی پکاتا مرسلین اور اسی سے بھوکا بلی کا بچہ اس کے پاس آ ٹھہرا اور اس نے پوری روٹی اسے کھلا دی۔

"تو اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟" فیری آپا کے لہجے میں انجانے خدشے تھے۔

"میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے آپا نہ میں نے کچھ بھی پلان کیا ہے، میں بس تھوڑا آرام چاہتی ہوں، جیسے برداشت کرتے کرتے انسان تھک جاتا ہے اور اسے آرام چاہیے ہوتا ہے ناں، تو ایسے صبر کرتی میں تھک گئی ہوں اور مزید صبر کرنے کے لئے مجھے تھوڑا حوصلہ چاہیے، میں نے اپنی سٹڈی مکمل کرنے کا ارادہ کیا ہے، کسی دوسرے شہر میں یا پھر کسی دوسرے ملک جا کر میں اپنی پڑھائی سکون سے مکمل کروں گی اور پھر نیکسٹ کچھ پلان کروں گی۔"

"میں نے تمہیں اور مرسلین کو ہمیشہ خوش ہی دیکھا ہے پھر مسئلہ کب کیسے اور کہاں سے شروع ہوا؟" فیری آپا الجھن کا شکار تھی۔

"بسا اوقات کچھ باتیں دیکھنے میں معمولی لگتی ہیں، لیکن اپنے اندر بہت اثر رکھتی ہیں۔" حوریم سر جھکائے ہتھیلیوں کو گھورتی دھیمے سے رواں تھی۔

"کیا میں وہ معمولی باتیں جان سکتی ہوں حوریم؟" وہ حور کے جھکے سر کو دیکھتی پوچھ رہی تھیں۔

"آپا کیا میں کبھی خوبصورت نہیں لگی؟ کیا

کوئی رنگ مجھ پہ نہیں جچتا؟ کوئی انداز میرا تعریف کے لائق نہیں، کیا کچھ بھی مجھ میں ایسا نہیں جو دوسروں سے یونیک ہو، پیارا ہو، اچھوتا ہو۔" حوریم کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی جھلملائی تھیں۔

"تم بہت بہت خوبصورت ہو حوریم، بہت اچھوتی سی، اگر حسن لفظوں میں بتایا جاسکتا ہے تو یقین کرو، حوریم وہ سب لفظ تمہارے لئے ہیں۔"

"جو خوبصورت نہیں ہوتے ناں آپا ان کا کوئی انداز، کوئی پہناوا، کوئی ادا بھی قابل ستائش ہوتی ہے، کیا مجھ میں کچھ بھی ایسا نہیں ہے؟" حوریم کا انداز ہنوز کھویا کھویا سا تھا۔

"بالکل۔" فیری آپا متفق ہوئیں۔

"عورت ستائش کی بھوکی ہوتی ہے آپا، اس کے لئے تعریف بھی اتنی ہی اہم ہوتی ہے جتنی پیٹ کے لئے روٹی، گیارہ ماہ ہوگئے میری شادی کو، میں نے ہر رنگ پہنا ہے آپا ہر انداز اپنایا، ہر ادا آزمائی لیکن آج تک مرسلین نے میرے لئے بھی کوئی تعریف کا جملہ ادا نہیں کیا، کوئی رومینٹک بات کوئی گہری ستائشی نظر، کوئی تشبیہ استعارہ میرے لئے استعمال نہیں کیا، بہت کیئر کرتے ہیں میری بھی کانٹا تک نہیں چبھنے دیتے، کوئی خواہش، کوئی فرمائش رد نہیں کرتے، لیکن میں اس دل کا کیا کروں جو تعریف کے دو بولوں کے لئے ہمکتا ہے، مرسلین کو دیکھ کر میرے اندر حسرتیں جاگنے لگتی ہیں اور یہ حسرتیں محرومیوں میں بدل رہی ہیں اور محرومیوں کے ساتھ جینا بہت کٹھن ہوتا ہے۔" فیری آپا اس کی بات سن کر ہلکے سے مسکرائی تھیں۔

"کچھ مرد دل پھینک قسم کے ہوتے ہیں خاور کی طرح کھل کے تعریفیں، جملے، نخرے وغیرہ لیکن بیٹا بعض مردوں کی نہیں ہوتی ایسی عادت، وہ اپنی بیویوں کے ساتھ پوری پوری زندگی گزار دیتے ہیں، بغیر ایسے جملوں کے۔"

"آپا میں کہوں گی، ایسی بیویاں جہاد کر رہی ہوتی ہیں، بغیر کسی ستائش کے اور ستائش بھی وہ جو ان کا حق ہوتی ہے، اس حق سے محروم، کٹھن زندگی گزارنا اور پھر بھی اپنے خاوند کا وفادار رہنا جہاد تو اور کیا ہے؟ میری صرف یہی محرومی نہیں ہے آپا، مرسلین میرے منہ سے کسی کی تعریف برداشت بھی نہیں کرتے وہ تعریف خواہ کسی عورت کی کسی چیز یا جانور کی ہی کیوں نہ ہو، ٹی وی پر میرا پسندیدہ سیریل چل رہا ہو، وہ بہانے سے مجھے اٹھا دیتے ہیں نجانے اس طرح مجھے محروم کر کے وہ اپنی کون سی محرومی کی تسکین چاہتے ہیں؟ مجھے مرسلین سے کوئی ایشو نہیں ہے آپا میں بس تھوڑا ریسٹ چاہتی ہوں، میں اپنی دل کی خواہشات سے عاجز آگئی ہوں سو کچھ دیر منظر سے ہٹ جانا ہی مناسب لگا مجھے، چائے بنانے جارہی ہوں پئیں گی آپ؟" فیری آپا کے سر ہلانے پہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ۔

☆☆☆

فیری آپا کو دو دن بعد دوبارہ دیکھ کے حوریم کو خوشگوار حیرت ہوئی، وہ آج اپنی پیکنگ کر رہی تھی دو دن بعد اسے اسلام آباد جانا تھا جیو فزکس میں ماسٹرز کرنے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ وہ لان میں فیری آپا کے پاس چلی آئی، وہ خلاف معمول کچھ چپ چپ سی تھیں، وصی کو ماما اندر لے گئیں تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کل مرسلین سے نشست رہی میری۔" فیری آپا کا لہجہ کچھ دھیما تھا حوریم نیچے سبز گھاس میں کچھ کھوجنے لگی۔

"میں نے کچھ غلطیاں اس کی پوائنٹ آؤٹ کیں، لہجہ شاید کچھ تلخ ہوگیا تھا، وہ رو پڑا مردوں کو روتے دیکھنا اس کسی بے حد قریبی عزیز

کو روتے دیکھنا آپ کو بہت خوفزدہ کر دیتا ہے
حوریم۔"

"میں نے کہا تھا ناں اسے کچھ مت کہیے
گا۔" حوریم بے چین ہو اٹھی۔

"میں نے تو اس کی کچھ غلطیوں کی ہی نشان
دہی کی۔"

"اس کی کوئی غلطی نہیں ہے فیری آپا، میں
نے کب کہا تھا کہ مجھے اس سے کوئی گلہ شکوہ ہے،
یہ تو میرے اندر کی محرومیاں تھیں میری غلطی تھی
ناں کہ اسے دیکھ کے میرا دل بھٹکنے لگتا عجیب عجیب
خواہشیں کرتا۔" حوریم کا اضطراب اس کے لہجے
سے عیاں تھا۔

فیری آپا فخر سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ وفا
شعار مشرقی لڑکی دیکھ رہی تھیں، وہ مجسم وفا دیکھ
رہی تھیں، یہ تو مشرقی وفا تھی جس کے قصے مشہور
ہیں، مشرقی عورت کی وفا یونہی تو سر عام مقبول
نہیں۔

"خواب پروان چڑھانے پڑتے ہیں حور،
خوابوں کو پالنا پڑتا ہے، سینچنا پڑتا ہے تب کہیں جا
کے یہ ثمر آور ہوتے ہیں۔" فیری آپا کا لہجہ ہمیشہ
کی طرح دھیما مگر ناصحانہ تھا۔

"یہی تو اصل مسئلہ ہے فیری آپا، خواب
ہوں تو پالتے بھی ہیں ناں، مرتلین نے تو میرے
سنگ کسی خواب کے بیج تک نہیں بوتے۔" نا
چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ پھر سے بھیگا تھا۔

"روپے پیسے کی اہمیت اپنی جگہ مسلم مگر یہ
مرد کی محبت ہی ہے جو عورت کو ملکہ یا نوکرانی بناتی
ہے اور اس معاملے میں، میں بھی ایک نوکرانی
ہوں، فقیرنی ہوں ایک ایسی بھیک منگی جس کا
کشکول بالکل خالی ہو۔" حوریم دھیمے سروں دکھ
بول رہی تھی۔

"ٹھیک کہتی ہو حور، پر غلط مرتلین بھی نہیں،
جسے زندگی میں کچھ ملا ہی نہ ہو ہمیشہ چھینا گیا ہو،
اس کا اپنی قیمتی چیزوں کے کھونے سے ڈرنا ایک
اٹل حقیقت ہے، محض دو برس کا تھا مرتلین جب
اس کے باپ کی وفات ہوئی، ایک بالکل چھوٹے
محض دو برس کے بچے کا باپ کے لئے بلکنا، باپ
بھی وہ جس نے ماں بن کر خیال رکھا ہو بہت
اذیت ناک ہوتا ہے، بے حد اذیت ناک،
مرتلین رات رات بھر روتا، بلکتا بابا، بابا چلاتا اور
اس کے رونے پر ہم سب رو پڑتے ماما اور میں
ساری ساری رات جاگتے، مختلف حیلوں سے
اسے بہلاتے مگر یہ چپ کر کے نہ دیتا گزرتے
وقت کے ساتھ بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سنجیدہ
بھی ہوتا چلا گیا، ہم سب سمجھتے رہے وہ بہادر ہو گیا
ہے بڑا ہو گیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے وہ آج بھی
وہی دو سال کا بچہ ہے، وہ قد کاٹھ میں تو بڑا ہو گیا پر
دلی طور پر ابھی بھی بچہ ہی ہے، میں نے اس کی
آنکھوں میں دکھ دیکھا ہے، تمہیں کھونے کا دکھ،
اس کے لہجے میں ڈر بولتا ہے، تمہیں کھونے کا ڈر،
اس کے لفظ لفظ میں خدشہ تھا انجانے دکھ کا، مجھے
خود بھی غصہ ہے حور میں اس کی بیسٹ فرینڈ
ہوتے ہوئے بھی اس کو نہ سمجھ سکی، اس کے اندر
سے ڈر نہ نکال سکی، یہ جو بن ماں باپ کے بڑے
ہوتے بچے ہیں ناں حور یہ نارمل نہیں ہوتے، یہ
نارمل ہو ہی نہیں سکتے، ایک پودے کو جس نے
ایک ہی جگہ رہنا ہوتا ہے کی بڑھوتری کے لئے
مناسب کاٹ چھانٹ، پانی، کھاد، دھوپ
چھاؤں کی ضرورت ہوتی ہے تو سوچو ایک انسان
جس نے ایک معاشرے میں رہنا ہوتا ہے بغیر
تربیت کیسے پروان چڑھ سکتا ہے؟ وہ بڑا تو ہو جاتا
ہے لیکن اس کے اندر خلا رہ جاتے ہیں کمیاں رہ
جاتی ہیں محرومیاں رہ جاتی ہیں، تم سے کھل کے
اظہار وہ نہیں کر پاتا کہ کہیں اس کے اندر یہ ڈر

چھپا بیٹھا ہے کہ تم اسے چھوڑ نہ دو اور تم نے اس کا ڈر سچ ثابت کر دیا حور۔" فیری آپا کا لہجہ بھیگا تھا، آنسو بے ساختہ حوریم کے گالوں پر لڑھکنے۔

"مرد کے لئے محبت، محبت ہوتی ہے آپا، جبکہ عورت کے لئے محبت اور اس کا اظہار سب کچھ ہوتا ہے۔" حوریم کے بھیگے لہجے نے سچ اگلا۔

"کرے گا اظہار وہ حور ضرور کرے گا، پر کیا تم اسے وقت دو گی تھوڑا؟ اس کی تربیت کرو گی پلیز؟ ہر بیوی کے اندر ایک ممتا والا جذبہ بھی ہوتا ہے، تو کیا تم کچھ عرصہ ممتا والا جذبہ ہر جذبے پہ غالب نہیں رکھ سکتی؟ تا کہ اس کے اندر کے خلا بھر جائیں محرومیاں ختم ہو جائیں ڈر مٹ جائیں، دکھ معدوم ہو جائے، کیا تم ایسا کر پاؤ گی حوریم؟" فیری آپا کے بھیگے لہجے میں التجائیں تھیں، آس تھی، درخواست تھی، حوریم نے پل بھر کو سوچا اور فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆

"حور آ جائیں ناں پلیز۔" مرتلین کی سوئی بچپاسویں آواز پہ حور جھنجھلائی سی اٹھی بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ آ کے عباد کو تھپک کر بستر ٹھیک کیا، حماد اور عباد اس کے جڑواں بیٹے دن بھر مصروف رکھتے اور اوپر سے مرتلین کی بڑھتی وارفتگیاں اسے کبھی کبھی وہ اپنا تیسرا جڑواں بیٹا لگتا، عرصہ ہوا اس نے ایک فیصلہ کیا تھا، مرتلین کے سنگ رہنے کا فیصلہ، مرتلین پہ اپنی ممتا نچھاور کرنے کا فیصلہ اور مرتلین کی تربیت کا فیصلہ، گزرتے وقت نے ثابت کیا تھا اس کا ہر فیصلہ درست تھا، شروع میں وہ اس کا بہت خیال رکھتی تو وہ اکثر چڑ جاتا، "میں خود کر لوں گا ناں حور میری عادت نہیں ہے" مرتلین جھنجھلائے جاتا۔

"تو بنا لیں ناں عادت پلیز۔" حور کہے جاتی کہے جاتی، تیسرے برس اللہ نے انہیں دو جڑواں بیٹوں سے نوازا تب تک مرتلین کو حور سے سب کچھ کروانے کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا، لیکن جلد ہی حور نے سب مینج کر لیا۔

آج ان کی شادی کی پانچویں سالگرہ تھی جو حور کو بھولے ہوئے تھی جبکہ مرتلین صبح سے آفس سے آف لیا کمرہ سجاتے اور تیاریوں میں مصروف تھا، ابھی جب حور بچوں کو سلانے میں مصروف تھی تو وہ فائنل ٹچ دے رہا تھا کمرے کی سب لائٹ آف کر کے کینڈلز آن ہو چکی تھیں گلاب کی پتیوں کی بھینی مہک حور کو یہاں تک آ رہی تھی، اب کیک کاٹنے کے لئے وہ حور کو بلا رہا تھا، گہری سانس بھر کے حور گلابوں کی گلابی خوشبو اپنے اندر اتارتی اٹھ کھڑی ہوئی، اک حسین تاروں بھری رات اس کی منتظر تھی اور زندگی بھی۔

☆☆☆

تمثیلہ زاہد

حسب معمول ایک تھکا دینے والا بس کا سفر میں طے کر کے اپنے دونوں بچوں کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئی تھی، آج جمعہ کا دن تھا اسکول میں چھٹی جلدی ہو گئی تھی، اس نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا جو ایک بجے کا وقت بتا رہی تھی، پھر ایک نگاہ کچن کی طرف ڈالی، سارا کچن بکھرا ہوا تھا، چائے کی پیالیاں، ناشتے کے برتن میں جلدی میں کچن کے کاؤنٹر پر ہی چھوڑ آئی تھی، سارے برتن جوں کے توں پڑے تھے، میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، بچوں کو یونیفارم بدلنے کی ہدایت دینے کے بعد میں نے اپنے برتن کاؤنٹر سے سمیٹنا شروع کر دیئے، ابھی دوپہر کا کھانا بنانا باقی تھا، برتن سنک میں رکھتے ہوئے مجھے شدید غصہ آ رہا تھا۔

''کیا ہوتا اگر دیورانی صاحبہ اپنے برتن کے ساتھ میرے چار برتن بھی دھو دیتی، احساس، مروت سب دنیا سے ختم ہی ہوتا جا رہا ہے۔'' میں نے بڑبڑانا شروع کر دیا، اس مختصر وقت میں کاموں کا انبار میرے سر عفریت بنا تھا۔

اپنے سارے برتن دھونے کے بعد بچوں کو دیکھنے کی خاطر میں اپنے کمرے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ میرے ساتھ والے کمرے سے ٹی وی کے ٹاک شو کی زور زور سے آوازیں آ رہی تھیں، کمرے کا دروازہ ہلکا سا کھلا تھا، اندر کمرے کا منظر واضح تھا، دیورانی صاحبہ اپنے بستر پر مزے سے دراز تھیں، پاس ہی ان کا نومولود پانچ ماہ کا بیٹا بے سدھ سویا ہوا تھا، میرے لئے یہ منظر اپنے دل کو کڑھانے کے لئے کافی تھا سو جلدی اپنے کمرے میں گھس گئی، بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے تبدیل کروائے۔

''امی بھوک لگی ہے۔'' چار سالہ ندا بولی۔

''ندا'' آپ بیٹھو میں آدھے گھنٹے میں اپنی گڑیا کو کھانا بنا کے دیتی ہوں۔'' میں نے دونوں بچوں کو بہلا پھسلا کر ٹی وی میں کارٹون لگا کر بٹھا دیا اور کچن میں آ گئی۔

''بیٹا جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا ہے کب سے چھوٹی بہو سے کپڑے استری کرنے کا کہہ رکھا ہے، یہ ایک سفید کرتا تم ہی استری کر دو۔'' سسر کی آواز پر پیاز کاٹتے ہاتھ یکدم رک گئے تھے، کام پر مزید ایک نیا کام، میرا دماغ گرم ہونے لگا، لیکن خود پر ضبط کر کے میں نے سر ہلا دیا اور سسر کے ہاتھ سے ان کے کپڑے لے کر استری کرنے لگی۔

''اس گھر میں ایک پتلی گردن میری ہی سب کو نظر آتی ہے، اس نواب زادی کو دیکھو اپنے حصے کا کام کیا اور کمرے میں جا گھستی ہے، میرے بچے اسکول سے آ کر بھوک سے بلبلا رہے ہیں مجال ہے کسی کو ذرا پرواہ بھی ہو۔'' تیز تیز چلتے ہوئے میرے استری پر ہاتھوں کے ساتھ ساتھ زبان بھی چل رہی تھی۔

☆☆☆

چار برس پہلے میرے دیور کی شادی ہوئی تو مجھے لگا میرے ان گنت کاموں میں ہاتھ بٹانے والا ایک حصے دار شامل ہونے والا ہے۔

میں سارا سارا دن ساس سسر، دیور، شوہر اور بچوں کے کاموں میں مصروف گھنی کا ناچ ناچتی

رہتی، لیکن ہائے میری قسمت، دیورانی اتنے ہی ٹھاٹ باٹ سے رہ رہی تھی، میرے جو کام اس کے آنے سے پہلے تھے وہی اب بھی تھے، دیورانی صاحبہ تو سوائے اپنے ذاتی کاموں کے ساس سسر کے کاموں پر اتنا ہی کہتیں۔

"یہ میری ذمہ داری نہیں۔"

ساس، سسر غلطی سے کوئی کام کہہ بھی دیں تو وہ کان لپیٹے ان سنی کر جاتیں میری ساس شوگر کے ساتھ دل کی مریض تھیں، سسر بھی ریٹائر آدمی تھے، دونوں کی ذمہ داری اپنے دونوں بچوں کے ساتھ میں کیسے اپنے کندھوں پہ بنا کسی سے شکوہ کیے اٹھائے پھر رہی تھی، میں ہی جانتی تھی، دیورانی کی بے حسی پر سوائے جلنے کڑھنے کے میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ تھا، رونا دھونا مچاتی بھی تو کس کے آگے؟ امی دوبئی میں بھائی کے ساتھ سیٹل تھیں، ان کی اپنی ایک زندگی تھی، بہن میری کوئی نہ تھی، پردیس میں امی کو تنگ کرنا اچھا نہیں لگتا تھا، میں نے ایک لمبی آہ بھری زندگی کے گزرے لمحے کسی اسکرین کی طرح چلتے تھے۔

بیرونی دروازے پر مستقل بیل ہو رہی تھی ساس نے اپنے کمرے سے نکلتی دیورانی کو آواز دی تو وہ چپل گھسیٹتی ہوئی بیرونی دروازے کی جانب پہنچی، چاولوں کو دم لگ چکا تھا، یہ سسر کے آنے کا وقت تھا وہ چاول نہیں کھاتے تھے جلدی جلدی توا رکھ کے ان کی روٹیاں ڈالنے کے لئے پیڑا بنایا، کہ سسر گھر میں سلام کر کے داخل ہوئے، وہ اسی طرح سسر کے پیچھے پیچھے پیر گھسیٹ کر چلتی ہوئی لاؤنج کے صوفے پر دراز ہو گئی، انداز خاصا لاپرواہ تھا، میں ایک نگاہ اس پر ڈال کر روٹی بیل رہی تھی۔

"بیٹا! پیر گھسیٹ کر چلنا نحوست ہوتی ہے۔" ساس تسبیح کے آخری چند دانے گراتے

ہوئے ناگواری سے بولیں۔

''توبہ ہے اماں! میں ایسی باتوں کو نہیں مانتی پرانے وقتوں کی فضول باتوں پر آپ بھی کم ہی دھیان دیا کیجیے۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''دھیان نہیں دیتی تو دیا کرو بڑوں کی کہی باتوں سے فلاح ہی پاؤ گی۔'' ساس یہ کہتے ہوئے نماز کی نیت باندھ چکی تھی، دیورانی صاحبہ منہ بناتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی، سسر کی روٹی ڈال کر میں نے ان کے لئے سالن پلیٹ میں ڈالا اور ایک ٹرے میں سارے لوازمات رکھ کر لاؤنج میں موجود سسر کے آگے رکھ دیا، سسر کو کھانا دینے کے بعد مجھے اپنے بچوں کا خیال آیا، پچھلے ایک گھنٹے سے مستقل میں نے انہیں اگنور کر رکھا تھا نہ جانے کمرے میں بیٹھے سو نہ گئے ہوں، باہر بھی نہ آئے تھے، ان ہی خدشوں کے ساتھ میں نے دو پلیٹوں میں چاول نکالے اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

''ہائے اللہ!'' میں نے گرم گرم چاولوں کی پلیٹ اپنے کمرے کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی، میرے دونوں بچے بے سدھ بستر پر سو چکے تھے، کمرے کا ٹی وی جوں کا توں کھلا تھا، اپنے دونوں بچوں کو بھوکا سوتے دیکھ کر میں نے نم آنکھوں سے ٹی وی بند کر دیا، اپنی لاپرواہی پر شدید غصہ آ رہا تھا، ایک کے بعد ایک کاموں میں ایسی الجھی رہی کہ بچوں کو دیکھنے کا دھیان تک نہ آیا۔

''اور کرو ساس، سسر کی خدمتیں، بھابھی! آپ کو ملتا کیا ہے اتنا سب کر کے، اب دیکھیں نہ بچے بے چارے بھوکے ہی سو گئے، سسر سے پہلے اپنے بچوں کو کھانا دینا چاہیے تھا۔'' دیورانی کمرے کے دروازے پر کھڑی جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی، میرے دل میں بجھی چنگاری نہ جانے کیوں غصے کی آگ پا کر شعلہ بننے لگی۔

''بھابھی! آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔'' میں اپنے بے دردی سے لب کاٹتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ کے فرائض میں آپ کے شوہر اور بچے ہیں ساس سسر کی خدمتیں نہیں، اب ریحان بھائی بیٹا ہونے کی حیثیت سے اتنا تو کر سکتے ہیں نہ کہ گھر میں ایک ملازمہ رکھ دیں، ماشاء اللہ ان کی تنخواہ بھی تو میرے شوہر سے تین گنا زیادہ ہے، ساس، سسر کو آپ کی خدمتوں کا چسکا پڑ گیا ہے، بس ورنہ ملازمہ رکھنا کون سا مشکل کام ہے کم از کم آپ اپنے بچوں کا خیال زیادہ بہتر طور پر رکھ سکیں گی، ناصر کا تو آپ کو پتا ہے کس قدر قلیل تنخواہ میں ہم گزارہ کرتے ہیں ورنہ یہ مشورہ میں آپ کی بجائے اپنے شوہر کو دیتی، ہمارا تو بچہ بھی دنیا میں تین سال بعد آیا ہے ہم افورڈ جو نہیں کر سکتے تھے اولاد کے اخراجات۔'' وہ مبالغہ آرائی کی انتہا کرتے ہوئے بولی۔

میں نے حیرت سے میک اپ سے لتھڑا چہرہ اس کا دیکھا تھا، لباس بھی وہ ایک سے بڑھ کر ایک پہنتی اور اولاد کی نعمت تو قدرت کی طرف سے ہی اسے دیر سے ملی تھی، میں اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ باقاعدہ علاج کروا کر شادی کے تین سال بعد ماں بننے کے لائق ہوئی تھی لیکن میں خاموش رہی۔

''دیکھیں تو سہی اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے، ریحان بھائی کو ہی دیکھ لیں کیسے ٹپ ٹاپ رہتے ہیں آپ ان کے سامنے ماسی ہی لگتی ہیں۔'' وہ میرے گھسے لان کے جوڑے کو دیکھ کر پھر بولی تھی۔

''لگتا ہے عمیر کے رونے کی آواز آ رہی ہے میری باتوں پر غور ضرور کیجیے گا میں چلتی ہوں

اب۔" وہ میرے دل پر بڑی کاریگری کے ساتھ چبتے تیل پر تکی لگا کر جا چکی تھی، اچانک میری نظر اپنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر پڑی جس میں میرا سراپا جھلک رہا تھا، میں واقعی کسی ماسی سے بھی بدتر حلیے میں تھی۔

شادی کے بارہ سالوں میں دھان پان سے اس جسم پر ذرا فرق نہ آیا تھا، چہرہ بے حد مرجھایا ہوا اور وقت سے پہلے بوڑھا لگ رہا تھا، مجھے تو سارا دن کے کاموں میں منہ دھونے کی توفیق بھی نہ ہوتی، صاحب حیثیت ہونے کے باوجود بھی شوہر سے پارلر جانے کی فرمائش نہ کی، خود پر کبھی دھیان ہی نہ دے سکی، گھر اور گھر والوں کی خدمت ہی میرا مرکز تھا، دیورانی کے جملے ایک کے بعد ایک میرے دل و دماغ میں گونج رہے تھے کہ اچانک ساس کی آواز آئی، وہ کھانا مانگ رہی تھیں، میں نے ایک نظر اپنے سوئے ہوئے بھو کے بچوں کی طرف ڈالی اور سنناتی ہوئی دونوں پلیٹیں اٹھا کر کچن کے کاؤنٹر پر پٹخ دیں۔

"بہو! کھانا تیار ہے تو لے آؤ۔" وہ پھر سے بولیں، ان کی آواز پر میں نے غصے سے لب کشا کیے ہی تھے کہ اچانک ساس کے کمرے سے زور دار آواز آئی، میں اور سسر دونوں ایک ساتھ کمرے کی جانب بھاگے تھے۔

☆☆☆

"شکر ہے ہڈی سلامت ہے زیادہ چوٹ نہیں آئی بس ہلکا سا ورم آیا ہے ڈاکٹر کہہ رہے تھے کل تک چھٹی دے دیں گے، پیروں کی تھوڑی سے فزیو تھراپی درکار ہے۔" سسر میری طرف دیکھ کر مسکرا کر بولے۔

ساس کمرے سے باہر مجھے دیکھنے کی غرض سے نکل رہی تھیں کہ چکنے فرش پر پھسل کر گر گئیں، وہ چلنے سے قاصر تھیں، بروقت طبی امداد سے اب وہ بہتر تھیں۔

"آپ فکر نہیں کریں ابا جان میں آپ کا پرہیزی کھانا ریحان کے ہاتھوں بھجوا دوں گی آپ آج رات آرام سے یہیں امی کے پاس رہیں، کسی چیز کی ضرورت ہو تو ریحان چکر لگا لیں گے، پھر کل تک تو امی آ ہی جائیں گی انشاء اللہ۔" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"جیتی رہو بیٹا! اللہ تمہیں خوش رکھے، جس طرح تم ہم بوڑھا بوڑھی کی خدمت میں جتی رہتی ہو اس کی جزا تمہیں اللہ ہی دے گا۔" سسر نے نرمی سے ہاتھ میرے جھکے سر پر رکھ دیا، ساتھ کھڑے میرے شوہر میری طرف فخریہ نظروں سے دیکھ رہے تھے: یہ لمحات میرے لئے کسی قیمتی اثاثے سے کم نہ تھے، دیورانی کے زہر خند جملوں سے میں بھٹک تو گئی تھی لیکن اللہ کی مصلحت نے میری کی نیکیوں پر پانی پھیرنے سے مجھے بچا لیا تھا، سسر کے کہے جملوں نے میرے جسم کی ساری تھکن اتار دی تھی۔

میں کسی کا فخر ہوں؟

میں کسی کا مان ہوں؟

کیا یہ سب میرا اثاثہ نہیں، کیا ان انمول جذبات کا کوئی دوسرا نعم البدل ہے، میں آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"نہیں۔" میرے دل سے آوازیں آ رہی تھیں۔

"چلیں بیگم۔" میرے شوہر نے مجھے آسمان کی وسعتوں میں گم ہوتے دیکھ کر کہا، میں دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر ادا کر رہی تھی، میں اپنے شوہر کے ہمراہ اپنا "اثاثہ" تھامے اپنے گھر کی جانب رواں تھی۔

☆☆☆

سونیا چوہدری

غرور کی چادر تو ایک ہی ذات کے لئے ہے اور بے شک وہ ذات رب کائنات کی ہے، پھر نہ جانے کیوں، ہم انسانوں میں یہ غرور نام کا زہریلا کیڑا جنم لیتا ہے، جو ہمیں تو کاٹتا ہی ہے لیکن ہماری وجہ سے دوسروں کو بھی ڈسنے سے باز نہیں رہتا، آنکھوں پر غرور کی پٹی بندھنے کی وجہ سے ہم اکثر بندے کو بندہ سمجھنا چھوڑ دیتے ہیں، ایمان نے آنکھوں کی نمی کو صاف کرتے ہوئے سوچا۔

آخر ہمارے پاس غرور کرنے کے لئے ہے ہی کیا؟ جس پہ ہم اتنا اکڑتے پھرتے ہیں؟

''عزت و شہرت دینے والا، رزق دینے والا اللہ، سر ڈھانپنے کے لئے چھت دینے والا اللہ، اچھی شکل و صورت دینے والا بھی اللہ، جب سب کچھ اللہ کا ہی دیا ہے تو غرور ہم کیوں کرتے ہیں، جب اتنا کچھ نوازنے والے کو ہی غرور پسند نہیں تو اتنا کچھ مفت میں وصول کرنے والے کو غرور کرنے کا حق کیسے مل سکتا ہے؟'' اس کی آنکھوں سے پھر اشک بہنے لگے۔

ایمان ایسی ہی تھی نازک مزاج ایک چنچل سی لڑکی، چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی گہرائی تک جا کر سوچنا اور بالکل درست سوچنا اس کی عادت تھی، وہ خود گھمنڈی نہیں تھی اس لئے ایسے لوگ بھی اس کو ناپسند تھے، وہ آدھے گھنٹے سے بیٹھی روئی جا رہی تھی۔

آج اسکول میں ہوئے واقعے کے بعد ایمان کو رونا ہی تو آ رہا تھا، جب اسکول کی وائس پرنسپل نے پورے اسٹاف کے سامنے اسکول میں کام کرنے والی اماں جی کی عزت نفس کو مجروح کیا تھا۔

وہ بچوں کی شادیوں کے بعد بہوؤں کے ہتھوں ذلیل ہو کر گھر سے نکالی گئی تھیں اور اس بڑھاپے میں خود اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے چند روپوں کے لئے اسکول کی صفائی کرتی تھیں، خاوند دل کا مریض تھا سو چند سال قبل انتقال کر چکا تھا، اماں جی کے آنسو اور بے بسی اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار نمایاں ہو رہی تھی۔

وائس پرنسپل آمنہ نے اماں جی پہ جھوٹا چوری کا الزام لگا کر انہیں اسکول سے نکلوا دیا تھا، اماں جی قسمیں کھاتی رہیں واسطے دیتی رہیں کہ انہیں مت نکالو انہوں نے کوئی چوری نہیں کی لیکن اس نے ان پر رحم نہیں کیا، اسے وہی لوگ پسند تھے جو اس کی ہاں میں ہاں ملاتے، اس کی غلط بات پہ بھی اس کو درست کہتے لیکن اماں جی ایک تجربہ کار خاتون تھیں انہوں نے زندگی کے بہت سے دھوپ چھاؤں کے رنگ دیکھے تھے اس لئے وہ میم آمنہ کو اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے ایک دن اتنا بول گئی تھیں کہ

''بیٹا تم چھوٹی چھوٹی بات پہ بہت جلد غصہ ہو جاتی ہو، ایسا مت کیا کرو، غصہ انسان کے لئے اکثر پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔'' بس اسی دن سے اس کو اماں جی سے دشمنی نکالنے کا موقع ملا تھا۔

پورے اسٹاف ممبرز میں ایک آمنہ ہی تھی

جس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے تھے اور جس
انسان کو ہواؤں میں اڑنے کا شوق ہو تو وہ اڑتا
اڑتا اپنی اڑان کو اتنا پروان چڑھا لیتا ہے کہ جب
بھی زمین پر گرتا ہے تو دوبارہ اڑنا تو دور کی بات
اٹھ کر چلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

ایمان آفس میں بیٹھی نظریں جھکائے
نہایت خاموشی سے پرنسپل صاحب کی ڈانٹ سن
رہی تھی۔
جب آمنہ نے پرنسپل کی بات کو ٹوکتے
ہوئے بدلے میں اپنی ہی انسلٹ کروالی۔
"مس ایمان آپ کو جب سے جتنا پوچھا
جائے اتنا بتایا کریں۔" پرنسپل کی روعب دار آواز
سے ہی بندہ ڈر جاتا تھا۔
کبھی کبھار ہم کچھ زیادہ ہی اوور اسمارٹ
بننے کی کوشش میں اپنا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتے ہیں،
جیسے آمنہ بگاڑ بیٹھی تھی۔
"ایمان آپ ایک سمجھدار لڑکی ہیں میں
آپ سے آئندہ اس قسم کی کوئی توقع نہیں رکھتا کہ
آپ یوں چھوٹی چھوٹی باتوں پہ الجھنے لگیں۔"
"جی سر!" ایمان نے نظریں جھکائے کہا۔
لیکن اس کی غلطی کیا تھی وہ اب تک سمجھنے
سے قاصر تھی، ہاں شاید اماں جی کی فیور میں بولنا
اس کی غلطی تھی، اماں جی کے مسئلے پر ہی وہ آمنہ
سے الجھی تھی، اس کو یاد آیا تھا۔
آمنہ جانتی تھی سر غصے کے بہت تیز ہیں،
اس لئے اگر غلطی خود کی بھی ہوتی تو دوسرے کسی
کے بتانے سے پہلے ہی اپنے انداز میں بتا کر خود
کو کلیئر کر لیتی تھی، کہ دوسرا اپنی صفائی میں کچھ بول
ہی نہ سکے۔
آمنہ خوبصورت ضرور تھی، لیکن خوب سیرت
تھی کہ نہیں یہ اللہ بہتر جانتا تھا۔
ایمان جب سے اس اسکول میں ٹیچنگ کر
رہی تھی کئی بار اس سے الجھ چکی تھی۔
آمنہ آرڈر سے کام کروانا چاہتی تھی لیکن
ایمان صرف عزت اور پیار سے کام کرنا جانتی تھی
کیونکہ اس کو پیار کی زبان بخوبی سمجھ بھی آتی تھی
دوسروں کو سمجھانی بھی سوائے آمنہ کے۔

اور اگر آپ کا کوئی کام پیار سے کہنے سے کر دیا جائے تو بنا وجہ کا رعب جھاڑ کر آپ اپنی ہی عزت میں کمی کرتے ہیں، کیونکہ رعب ہمیشہ قائم نہیں رہتا، ایک دو ڈانٹ ڈپٹ کر جلد دوسرے کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کی رعب جھاڑنے کی عادت ہے تو بس جھاڑتا رہے۔

"پیار سے کام لینا اور حکم سے کام کروانا دو الگ چیزیں ہیں۔"

جہاں آپ کو معلوم ہو کہ آپ کا کام ایک نرم لہجے کے دو پیار کے بول میں کر دیا جائے گا تو وہاں بھی اگر آپ رعب جھاڑتے رہیں تو پھر آپ کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے، کیونکہ بلاوجہ کا چیخنا چلانا اور غصہ کرنا ایک نارمل انسان کی علامت نہیں ہوتی، نارمل انسان تو چہرے پر مسکراہٹ لئے خاموش اور عاجز پرسکون نظر آتا ہے۔

☆☆☆

آمنہ وائس پرنسپل تو تھی لیکن شاید یہ عہدہ اس کے لئے آزمائش بھی تھا، آئے دن وہ کسی نہ کسی سے الجھ کر اس کی شکایت لئے پرنسپل کے پاس حاضر ہوئی ہوتی، شاید وہ سمجھتی تھی کہ ایک ایک بات بتا کر اور خود سے بات کو بڑھا چڑھا کر سر تک پہنچانے سے اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن ایمان تو سمجھدار تھی وہ جانتی تھی اسکول میں وائس پرنسپل کی کرسی اسی کو دی جاتی تھی جو سر تک چھوٹی سے چھوٹی رپورٹ لے کر جاتا رہے آسان اور صاف لفظوں میں غیبت کرنے والے کو سر یہ کام سونپتے تھے اور وہ لگائی بجھائی میں سب سے آگے تھی۔

ایک دن ایمان نے آمنہ کو سمجھانا چاہا تھا لیکن ہمیشہ کی طرح ناکام رہی تھی، ایمان نے اسے کہا تھا کہ آپ جھوٹ بول کر سب کو ڈانٹ مت پڑوایا کریں، اسٹاف کے ساتھ مس بی ہیو نہ کیا کریں تو وہ کیسے برس پڑی تھی ایمان پر، کتنا کچھ برا بھلا کہا تھا ایمان سے اس نے بس اسی دن ایمان نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جس میں انا ہو تکبر ہو، جس میں میں ہو اس کو سمجھانا تو بہت بڑی بات ایسے لوگوں سے بچ کر ہی رہنا چاہیے، کیونکہ میں والے لوگ خود تو برباد ہوتے ہی ہیں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی کر دیتے ہیں اور غرور وہ ہی انسانوں کے پاس ہوتا ہے۔

جس کے پاس بہت کچھ ہو یا پھر جس کے پاس کچھ نہ ہو اور آمنہ کے پاس نہ اسٹاف ممبرز کی عزت تھی نہ کسی کی مخلصی، اس کے پاس کچھ تھا تو وہ صرف غرور تھا۔

اپنی خوبصورتی کا، پیسے کا، عہدے کا، یہ ایمان کی سمجھ سے بالاتر تھا، کیونکہ وہ بس اتنا جانتی تھی انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے سب کچھ اللہ کی امانت ہے اور مرنے کے بعد ہر چیز کا حساب دینا ہے، لیکن یہ باتیں آمنہ جیسے گھمنڈی لوگ نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ ان کی آنکھوں پر غرور کی چادر جو تنی پڑی ہے۔

ایمان نے سوچتے سوچتے ایک افسوس بھری مسکراہٹ سے آمنہ کی جانب دیکھا جو اس وقت بھی اپنی ہی میں میں کرتی اسکول کے مالی پر اپنا رعب جھاڑ رہی تھی۔

☆☆☆

سمیرا گل عثمان

''ایک طوائف نے اپنی بارہ سالہ بیٹی کا گلا کاٹ دیا۔'' یہ تھی کل کی ہیڈ لائن، جس کا کیس آج ایڈووکیٹ عالیہ ربانی کی فائل میں موجود تھا وہ کل سے ہی سوچ رہی تھی کہ ایک طوائف بھلا اپنی بیٹی کا گلا کیسے کاٹ سکتی ہے، لڑکیوں سے تو ان کے کوٹھوں پہ اجالا تھا وہ تو ان کی محفلوں کی سجاوٹ تھی، ان کے دھندے میں بیٹیوں کو ستون کی سی حیثیت حاصل تھی پھر بھلا کون اپنی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے کیسے مسمار کر سکتا تھا، وہ صبح سے تین کیسوں کی سماعت کر چکی تھی اور ذہنی طور پر اتنی ڈیپریس تھی کہ اب مزید کوئی کہانی سننا نہیں چاہتی تھی مگر اپنے پیشے سے مجبور ہو کر انہوں نے اس ملکہ نامی طوائف کو اپنے آفس میں طلب کروا لیا تھا۔

وہ ایک اکتیس سال کی خوبصورت خاتون تھی کھڑی مغرور ناک، غلافی آنکھیں، کتابی چہرہ اور بے تحاشا گلابی رنگت۔

ایڈووکیٹ عالیہ ربانی نے اپنے مقابل بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

وہ بیٹھ کر میز کی سطح کھرچنے لگی تھی، وہ اپنے انداز رنگ ڈھنگ میں کہیں سے بھی طوائف نہیں لگتی تھی اس کا حلیہ بھی شریفانہ تھا۔

''کیا تمہیں کسی نے زبردستی اس پیشے میں انوالو کیا تھا۔'' وہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکی تھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ کہیں سے بھی اپنے کیس کے لئے فکر مند یا پریشان نظر نہیں آ رہی تھی۔

''کون تھا وہ؟'' انہوں نے اگلا سوال پوچھا۔

''میرا باپ۔'' وہ بولی تو اس کی آنکھوں میں کوئی اور ہی منظر اتر آیا تھا۔

☆☆☆

''نہیں دوں گی میں تمہیں پیسے، تمہاری عیاشیوں کے لئے یہ کمیٹی نہیں ڈالی تھی میں نے۔'' وہ سکول سے ابھی ابھی گھر لوٹی تھی اندر سے آتی اماں کی آواز نے دہلیز پہ ہی اس کے قدم جکڑ لئے دروازے سے ہٹ کر وہ بیرونی دیوار کے عقب میں آن کھڑی ہوئی چھوٹی سی درز سے وہ اندر کا منظر دیکھ سکتی تھی ابا آج پھر جوا ہار کر آیا تھا اس نے شراب بھی پی رکھی تھی اور اب وہ اماں کے ہاتھ سے وہ پیسے جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس نے گھر کے خرچے سے بمشکل کھینچ کھانچ کر جمع کیے تھے۔

''کمینی، بدذات پیسے دے دو ورنہ تمہیں بیچ آؤں گا۔'' ابا کے لبوں سے مغلظات کا طوفان اُمڈ رہا تھا اور ہاتھ مسلسل اماں پر چل رہے تھے اور پھر آخر کار وہ پیسے چھیننے میں کامیاب ہو گیا تھا نیلے کڑکڑاتے پانچ نوٹ گنتے ہوئے اس کی آنکھوں میں خریصانہ سی چمک اُمڈ آئی تھی وہ اب مرکزی دروازے کی سمت آیا تھا، پارو نے زور سے اپنا بستہ دبوچا اور ہراساں سی نظروں سے دروازے کو دیکھنے لگی اس سے قبل کہ ابا دروازے کے قریب آتی عقب سے کسی نے اسے دبوچ کر اپنی ڈیوڑھی میں کھینچ لیا تھا اور پھر دروازہ بند، اس کی سانسیں اتھل پتھل ہو کر رہ گئیں۔

سامنے صارم کھڑا تھا اپنی محبت بھری والہانہ نگاہیں اس پہ جمائے اور اس کی پناہوں میں کھڑی وہ جیسے سارا جہان بھولنے لگی تھی دل میں جلترنگ سے بج اٹھے تھے دھیمی سی مسکان تتلی کے خوش رنگ پروں کی طرح اس کے لبوں سے پھوٹی تھی اور جیسے اس کے گرد ستاروں کا رقص ہونے لگا تھا۔

''تم شہر سے کب آئے؟'' وہ آج سات روز بعد لوٹا تھا۔

"آج صبح اور تب سے تمہاری راہ میں کھڑا ہوں۔" اس نے کچھ بے تابی سے کہا تھا۔

"وہ کیوں؟" پارو ذرا سا اترائی اور آبرو اچکائے۔

"کیونکہ تمہیں دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا آنکھیں ترس گئی تھیں میری۔" صارم نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا، وہ سمٹ کر کچھ دور ہوئی اندر چارپائی کی چرچراہٹ نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔

"لگتا ہے اماں اٹھ گئیں۔" صارم نے لمحے کی تاخیر کیے بغیر دروازہ کھول کر اسے باہر دھکیل دیا وہ گرنے سے بمشکل بچی گھور کر بند دروازے کو دیکھا اور اپنے گھر کی سمت چلی آئی اماں ابھی تک اسی حالت میں غم کی تصویر بنی برآمدے میں بیٹھی رو رہی تھی، سارے برتن صحن میں بکھرے ہوئے تھے چارپائیاں الٹی ہوئی، گدے، بستر، پنکھا سارا گھر پلٹ کیا ہوا تھا اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور اماں کے پاس آ بیٹھی، بالکل خاموش، ساکن۔

☆☆☆

آنکھ کھلتے ہی اس نے اپنے گھر میں عجیب سا ماحول دیکھا تھا، اس کے ابا تین بھائی تھے سب سے بڑا جمیل، جو اس شہر کا شاید سب سے بڑا شرابی تھا آئے روز اس کی کھوج کی جاتی اور وہ کسی سڑک کے فٹ پاتھ، کھیتوں کی پگڈنڈی یا پھر گلی کی نکڑ پر لڑھکا ہوا ہی ملتا تھا راہ چلتے لوگ اسے اٹھا کر گھر چھوڑ جاتے تھے، دوسرا خلیل، جسے پولیس اشتہاری قرار دیتے ہوئے گولی کا حکم دے چکی تھی، وہ ڈرگز اسمگل کرتا تھا اور تیسرا کریم اس کا ابا جسے جوئے کی لت نے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

اس کی اماں اور زرینہ دو تین کوٹھیوں میں کام کرتی تھیں اور ابا اماں کو آئے روز مار پیٹ کر پیسے چھین لیتا اور پھر ہفتہ دس دن گھر نہیں آتا تھا اور وہ آج یہی سوچ کر خوش تھی کہ اب دس دن تو سکون سے گزرنے والے تھے۔

☆☆☆

"پارو!" وہ سو کر اٹھی تو نظر ایک کپڑوں کے گٹھڑ پر پڑ گئی جس میں سے زرینہ سارے سوٹ الگ الگ کر رہی تھی، لگتا تھا کسی کوٹھی والی نے آج کافی فیاضی دکھائی تھی۔

"اتنے خوبصورت سوٹ۔" وہ وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"تمہیں جو پسند ہے تم لے لو۔" زرینہ نے محبت سے اسے دیکھا تو پارو نے لاڈ سے اس کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔

"نہیں تم یہ سوٹ اپنے جہیز کے لئے رکھ دو۔"

"میری شادی کہاں ہو گی؟" اس نے بیزاری سے سر جھٹکا تو پارو نے اچنبھے سے اسے دیکھا وہ ابھی محض بیس سال کی تھی پھر اتنی مایوس کیوں تھی پارو اس سے دو سال چھوٹی تھی لیکن زرینہ نے ہمیشہ کسی چھوٹی بچی کی طرح اس کا خیال رکھا تھا وہ خود سارا دن کام کرتی تھی لیکن اماں سے لڑ جھگڑ کر اس نے پارو کو سکول داخل کروایا تھا وہ اسے کبھی بھی اپنے ساتھ کام پر لے کر نہیں گئی تھی۔

"تمہاری شادی کیوں نہیں ہو گی۔" پارو کو اس کی بے تکی بات پہ غصہ آیا تھا۔

"کون جوڑے کا رشتہ ایک جواری، شرابی کی بیٹی کے ساتھ جو ایک دن میں سات گھروں کے کام نبٹاتی ہو ہم سے لوگ محض کھیلتے ہیں اپنے دل اور گھر نہیں بساتے۔" وہ جیسے کسی اور ہی خیال میں کھوئی ہوئی تھی۔

"اچھا بس تم زیادہ فضول نہ بولا کرو اور یہ سارے جوڑے میں صندوق میں رکھ رہی ہوں تمہارے لئے۔" پارو نے سارا گٹھڑ اٹھا کر صندوق میں رکھ دیا۔

"صارم کی آواز آرہی تھی آج۔" اگلے ہی پل زرینہ نے چہکتے ہوئے اسے اطلاع دی تھی۔

"جانتی ہوں میں۔" وہ خفگی سے کہتے ہوئے اپنی کتابیں سمیٹنے لگی تھی، اس کا کل ایک ضروری ٹیسٹ تھا۔

٭٭٭

"تم مجھ سے خفا ہو گیا؟" چوتھے روز صارم نے اس کی کلائی تھام لی تھی رات کا وقت تھا وہ چھت سے کپڑے اتار کر نیچے جارہی تھی صارم پہلے سے چھت پہ کھڑا تھا پارو نے پلٹ کر اسے دیکھا تو اس کا لہجہ خوب تیکھا تھا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ تمہاری اماں آگئیں تو مجھے سیڑھیوں سے گرا دے گے۔"

"او تو اس بات کا غصہ ہے۔" وہ دیوار پھلانگ کر ان کی چھت پہ آگیا تھا۔

"اب کیا اماں کے سامنے تمہارا ہاتھ تھام کر کھڑا ہو جاؤں۔" صارم نے دونوں ہاتھ منڈیر پر رکھ دیئے تھے وہ اندر محبوس ہو کر رہ گئی۔

"میں بس اتنا جانتی ہوں کہ یہ حصار میرے وجود سے کبھی نہ ٹوٹے تم نے محبت کی ہے تم میں اتنی جرأت ہونی چاہیے کہ ساری دنیا کے سامنے میرا ہاتھ تھام سکو۔"

"پارو!" ابا کی آواز آئی تھی، وہ بھاگ کر سیڑھیاں اتر گئی۔

"یہ دیکھو میں تم لوگوں کے کتنی چیزیں لایا ہوں۔" ابا آج بہت خوش دکھائی دے رہا تھا اس کے ہاتھ میں دو شاپنگ بیگ تھے اور کچھ بیکری کا سامان۔

"سموسے، چنے والی چاٹ، برگر اس کی پسند کے ڈرم اسٹک اور ساتھ مٹھائی والا ڈبہ۔"

ابا آج کل جانے کیوں ان لوگوں پر اتنا مہربان ہو رہا تھا تین روز سے اس نے نہ تو اماں سے پیسے چھینے تھے نہ ہی گھر میں کوئی ہنگامہ کیا تھا وہ شاید آج کل روز جوا جیت رہا تھا، اس کی جیب بھی نوٹوں سے بھری ہوئی تھی۔

پارو نے وہ سارے شاپرز اٹھا لئے تھے، زرینہ چائے بنا کر کمرے سے نکل رہی تھی۔

"اپنی زرینہ کا نکاح ہے آج تم جلدی سے اسے تیار کر دو مہمان آنے والے ہی ہوں گے۔"

اور زرینہ کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ کر زمین پر جا گری تھی ایک چھناکے کی آواز کے ساتھ سارے کپ ٹوٹ گئے تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی شاید مہمان آچکے تھے، ابا نے سب کو بیٹھک میں بٹھا دیا اماں ابھی تک پتھر کا بت بنی کھڑی تھی اور زرینہ سہمی نظروں سے کبھی اماں کو اور کبھی پارو کو دیکھ رہی تھی۔

یہ وہی لوگ تھے جو روز کبھی جوئے تو کبھی شراب نوشی کے لئے ان کی بیٹھک میں آکر راتیں گزارتے تھے اور اماں اپنے کمرے کا دروازہ بند کیے دونوں لڑکیوں کو بغل میں دبوچے رات رات بھر جاگا کرتی تھیں، آج وہ لٹیرے، اس کی ایک بہن کو خریدنے آئے تھے اور باپ سودا کر کے جیب نوٹوں سے بھر چکا تھا قاضی کو آتے دیکھ کر زرینہ نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔

"تم میری بیٹی کا سودا نہیں کر سکتے۔" اماں نے ابا کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"جاہل عورت میں اس کا نکاح کر رہا ہوں پٹھانوں میں رواج ہے وہ پیسہ دے کر شادی کرتے ہیں، زرینہ دروازہ کھولو۔" اماں کو دھکا

دے کر وہ اب دروازہ پیٹ رہا تھا، لیکن زرینہ نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔

''تمہارا نکاح کی حامی میں بھر چکا ہوں تمہارا شوہر تمہیں لے جانے کے لئے کھڑا ہے۔''

''تم نے ایک پٹھان کو لڑکی دے دی۔'' اماں ابا پر چلا رہی تھی، زرینہ ہنوز کمرے میں بند تھی، ابا نے مہمانوں کو رخصت کر کے کل آنے کا کہہ دیا تھا اور کل جب دروازہ توڑ کر زرینہ کو باہر نکالا تو اس کا وجود ایک اکڑی ہوئی لاش میں ڈھل چکا تھا، اس نے خودکشی کر لی تھی۔

☆☆☆

وہ لوگ ابا کو تنگ کر رہے تھے کہ یا تو وہ ان کے پیسے واپس کر دے یا پھر اپنی دوسری لڑکی سے شادی کروائے، پارو نے چپکے سے ابا کی باتیں سن لی تھیں ابا نے انہیں ہفتے کے روز آنے کا کہا تھا ایک تو زرینہ کی موت نے اسے صدمے سے نڈھال کر رکھا تھا اس پر اس نئے انکشاف نے اس کی حالت غیر کر دی تھی دو روز تک وہ بخار میں پھنکتی رہی تھی، پھر اس نے صارم سے بات کرنے کا سوچا تھا اور شام کے بعد وہ اس ارادے سے چھت پر آئی تھی جہاں صارم پہلے سے اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

''صارم کیا تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو؟'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی تھی صارم بے یقین سا اسے دیکھے گیا۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ فکر مندی سے بولا۔

''تم میرے سوال کا جواب دو۔'' وہ بضد تھی۔

''پارو شادی تو میں تم سے ہی کروں گا مگر...''

''تو پھر میرے ساتھ ابھی اسی وقت گھر سے بھاگ چلو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی

☆☆☆

☆☆☆

بولی تو صارم نے اس کے ہاتھوں کی گرفت سے اپنے ہاتھ نکال لیے تھے اور وہ دو قدم پیچھے بھی تو ہٹ گیا تھا اس نے نفی میں گردن بھی ہلا دی تھی۔

"صارم پلیز اس وقت تم ہی ہو جو مجھے اس دلدل سے نکال سکتے ہو۔" اس نے بڑی آس سے صارم کو دیکھا تھا مگر صارم نے اس کا ہاتھ نہیں تھاما۔

"سوری پارو میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"سن لیا اس کا جواب۔" ابا کی آواز اس کے عقب سے آئی تھی صارم سیڑھیاں اتر کر چلا گیا اور اس کے پاس پلٹ کر دیکھنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

"وہ لوگ مجھے جان سے مار دیں گے یا پھر قتل کے الزام میں جیل بھجوا دیں گے اگر میں نے تمہاری شادی اس لڑکے سے نہیں کی تو؟ وہ پٹھان ہے تو کیا ہوا لیکن وہ ایک خوبصورت اور محنتی نوجوان ہے تمہیں خوش رکھے گا میں تمہارا باپ ہوں کوئی دشمن نہیں۔" ابا اب کے اس کے سامنے رو رہا تھا اس کی منت کر رہا تھا۔

"مجھے بچا لو پارو میں مرنا نہیں چاہتا۔" ابا کا یہ روپ میں پہلی بار دیکھا تھا عمر بھر اس شخص نے انہیں ایک پل بھی سکون کا نہیں گزارنے دیا تھا اور آج بھی اس کی چھری ہماری گردن پر تھی، رات بھر میں جاگ کر روتی رہی تھی کئی بار دل میں موت کا خیال آیا لیکن وہ زرینہ جتنی بہادر نہیں تھی وہ اپنی جان نہیں دے سکتی تھی اماں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ابا کا مقابلہ کر سکتی وہ لوگ اگلی صبح پھر چلے آئے تھے ابا نے اسے دلاور خان کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

پہلی بار جب اس نے دلاور خان کو دیکھا تو اسے زرینہ کی جلد بازی پر افسوس ہوا وہ واقعی اتنا خوبصورت تھا کہ اس کی ہمراہی میں کوئی بھی لڑکی خود پر رشک کر سکتی تھی، لیکن اس کا ساتھ میرے لیے ایک اسٹیشن تک ہی تھا وہاں اس نے مجھے ایک شخص سے متعارف کروایا۔

"یہ میرے چچا ہیں تم ان کے ساتھ گھر جاؤ میں ایک دو کام نمٹا کر کل شام تک آ جاؤں گا۔" وہ چلا گیا تو اس کا چچا جو کسی کوٹھے کا دلال تھا مجھے جا کر وہاں بیچ آیا میں ایک لڑکی سے طوائف بن چکی تھی۔

جب میری بیٹی بارہ سال کی ہوئی تو اس شخص نے اس کا بھی سودا کر دیا میں اپنی بیٹی کو اس دلدل میں اترنے سے بچا تو نہیں سکتی تھی اس لیے میں نے اسے مار ڈالا۔

لیکن مجھے اس کی موت کا کوئی افسوس نہیں ہے میں نے جو کیا اچھا کیا، اب آپ کا قانون مجھے جو بھی سزا دے مجھے پروا نہیں۔" وہ خاموش ہوئی تو ایڈووکیٹ عالیہ ربانی نے بے حد حیرت سے اپنی فائل کو دیکھا، آج ان کے پاس قتل کے چار کیس آئے تھے ایک سسر جس نے اپنی بہو کو جلا کر مار ڈالا تھا کیونکہ اس کی بہو اس کے بیٹے کے ساتھ بیوفائی کر رہی تھی دو لڑکیوں کا کاری کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنی پسند کی شادی کی تھی ایک خودکش حملہ آور جس کا بم اگر ریفیوز نہ کیا جاتا تو ہزاروں لوگ اپنی جان سے جا سکتے تھے اور آخری یہ محترمہ جس نے اپنی بارہ سالہ بیٹی کا گلہ کاٹ دیا تھا۔

ان میں سے کسی کے چہرے پر کوئی شرمندگی یا ندامت نہیں تھی کیونکہ سب کے پاس اپنے گناہ کا جواز موجود تھا جواز جس نے سنگین ترین کبیرہ گناہ کے احساس کو دلوں سے زائل کر دیا تھا۔

☆☆☆

حدیث نبویؐ

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''رات گئے قصہ کہانیوں کی محفلوں میں نہ جایا کرو کیونکہ تم میں سے کسی کو بھی خبر نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کس کس کو کہاں کہاں پھیلایا ہے اس لئے دروازے بند کر لیا کرو، مشکیزوں کا منہ باندھ لیا کرو، برتنوں کو اوندھا کر دیا کرو اور چراغ گل کر دیا کرو۔''

(بخاری، الادب المفرد)

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

اقوال حضرت علی المرتضیٰؓ

- اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے تمہارے گناہوں کو اس طرح چھپایا کہ گویا بخش دیا۔
- اللہ پاک کے نزدیک اور غلطی جو تمہیں تکلیف دے اچھی ہے، اس خوبی سے جو تمہیں مغرور بنا دے۔
- معافی دینے کا حق اسی کو ہے جو سب سے زیادہ سزا دینے پر قادر ہو۔
- جب عقل پختہ ہو جاتی ہے تو گفتگو کم ہو جاتی ہے۔
- جو تم کو بری بات سے ڈرائے وہ تم کو خوشی کی بشارت دیتا ہے۔

حمیرا رضا، ساہیوال

ایوان صدر

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ سادگی، قناعت پسندی اور عجزو انکساری میں اپنی مثال آپ تھے ایک مرتبہ ایک غیر ملکی وفد آپؓ سے ملنے آیا آپؓ کا خادم انہیں شہر سے باہر لے گیا، آپؓ اس وقت حسب معمول دوپہر کے کھانے کے بعد ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے وہ لوگ آپؓ کے خادم سے کہنے لگے۔

''ہم آپ کے خلیفہ سے ملنے آئے ہیں۔'' اس شخص نے جواب دیا۔

''یہ ہیں ہمارے خلیفہ اور جہاں آپؓ آرام فرما رہے ہیں یہ ہی جگہ ہمارا ایوان صدر ہے۔''

ماریہ عثمان، سرگودھا

آپ بھی سنیئے

- کچھ لوگ ہوا کی مانند ہوتے ہیں چپکے سے زندگی میں آتے اور چپکے سے زندگی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔
- انسان کو فنا ہے لیکن محبت کو نہیں، تو کیا مرنا محبت کے لئے اختتام کا نام ہے؟
- محبت پربتوں کے دامن سے پھوٹنے والے چشمے کی طرح اپنی سمت اور اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے لیکن کچھ محبتیں درگاہ پہ تقسیم ہونے والی نیاز کی طرح ہوتی ہیں جنہیں خالی ہاتھوں سے اپنے قدموں پہ خود چل کر حاصل کرنا پڑتا ہے۔
- کچھ دعائیں بڑی بے ساختہ ہوتی ہیں، اچانک ہی دل کے مندر میں گھنٹیوں کی طرح بجنے لگتی ہیں۔
- محبت کی کشتی میں پہلا سوراخ شک کا ہوتا ہے۔

() اتنے منظ انسان نہیں ہوتے جتنے غلط رویے ہوتے ہیں۔

() کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کو بے چین رہتا ہے۔

() کچھ لوگوں کو اپنی نفرت پر بڑا مان ہوتا ہے تو سنیے نفرت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، نہ جانے کب آنسو بن کر بہہ جائے اور آنکھوں کے پردوں پر چھپی ہوئی چاہت اپنے پروں کو کھول کر جھلملانے لگے، لہٰذا مان اس پہ کرو جو قابل بھروسہ ہو۔

() کچھ دل بہت نازک ہوتے ہیں ان پر لفظ استعمال کرنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو جان لو، ورنہ یا وہ دل ٹوٹ جائے گا یا تم خود۔

ماروخ آصف، خانیوال

اختیار کی ایک کوشش

اگر بن میں رہنا مقدر ہے
اور یہ ایک طے شدہ امر بھی ہے
کہ ہر بن میں بس بھیڑیے منتظر ہیں مرے
تو یہ سوچتی ہوں
کہ اس صورت حال میں
کیوں نہ پھر!
اپنی مرضی کے جنگل میں جا بسوں!

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

یہ کھلا

دل یہ کعبہ ہے یا گھر موت کا ہے
کچھ تجھی لیکن اسے ڈر موت کا ہے
جسے سفر زیست جان کر طے کیا ہم نے
طے کر کے پھر کھلا یہ سفر موت کا ہے

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

برجستگی

تیمور لنگ نے سمرقند فتح کیا تو مال غنیمت میں دوسری چیزوں کے ساتھ کچھ خواتین بھی آئیں ان میں ایک اندھی عورت بھی تھی، جب اسے تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''دولت۔'' عورت نے جواب دیا۔

تیمور ہنس کر بولا۔

''دولت اندھی بھی ہوتی ہے کیا؟''

عورت نے برجستہ کہا۔

''اگر دولت اندھی نہ ہوتی تو تم جیسے لنگڑے کے گھر کیوں آتی۔''

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

وہ لفظ جو دل پہ اثر کریں

☆ لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کرو اور نہ ہی زمین پر اترا کر چل کیونکہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خور کو پسند نہیں کرتا۔

☆ کوئی تم سے بے اعتنائی سے پیش آئے تو جواباً اس سے محبت سے پیش آؤ اپنے رویے کی مٹھاس سے اس کو شرمندہ کرو۔

☆ پیار سے کہی گئی ایک بات نفرت اور غصے سے کہی گئی سو باتوں سے بہتر ہے۔

☆ محبت اور خدمت نہ ہو تو ایسی کوئی ایلفی ایجاد نہیں ہوئی جو کسی رشتے کو جوڑ سکے۔

☆ دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتیں دل کے گرد بھی ہوتی ہیں، کئی خواب کئی خیال ان ہی میں قید رہ جاتے ہیں۔

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

ہوا کے دوش پہ منتشر ہونے والی چند حکایتیں

☆ پوری انسانیت سے پیار کرنا بہت آسان ہے لیکن صرف ایک ہمسائے سے پیار کرنا بہت مشکل ہے۔

☆ اکثر خاوندوں کو یہ تو یاد رہتا ہے کہ ان کی شادی کب ہوئی تھی لیکن یہ یاد نہیں رہتا کہ کیوں ہوئی تھی؟
☆ بے وقوف ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کسی بھی محفل میں تنہائی محسوس نہیں کرتا۔
☆ گھر وہ جگہ ہے جہاں آپ جمائی لینے کے بعد شرمندہ نہیں ہوتے اور بدمزا کھانا کھانے کے بعد بھی اسے بدمزا نہیں کہتے۔
☆ ایک عقل مند بیوی، خاوند کے سنائے ہوئے لطیفے پر اس لیے نہیں ہنستی کہ وہ اچھا ہوتا ہے بلکہ اس لئے ہنستی ہے کہ وہ عقل مند ہوتی ہے۔
☆ ایک ایسی بیوی بہتر ہے جو کھانا پکا سکتی ہو لیکن نہ پکاتی ہو بہ نسبت ایسی بیوی کے جو کھانا پکا سکتی ہو اور پھر بھی پکاتی ہو۔
☆ محبت ایک ایسا جزیرہ ہے جہاں آپ ارادے کی کشتی میں سوار ہو کر نہیں جا سکتے وہاں صرف بے خبری کی ناؤ ہی جاتی ہے۔
☆ آپ کو چاہیے کہ دوسرے لوگوں کو برداشت کریں کیونکہ دوسرے لوگ بھی آپ کو برداشت کرتے ہیں۔
☆ جیسے چاند کا عکس بہتی ندی میں بہتا ہے پر ندی کا حصہ نہیں بنتا ایسے ہی نیک شخص کا وجود دنیا کی ندی میں بہتا ہے پر اس کا حصہ نہیں بنتا۔
☆ ناکام ہو جانے والوں کی عزت کریں کیونکہ ان کی ناکامی کی وجہ سے آپ کامیاب ہوتے ہیں۔
☆ دنیا اگر آپ پر ہنستی ہے تو آپ بھی دنیا پر ہنسیں کیونکہ دنیا بھی تو اتنی ہی مزاحیہ ہے جتنے کہ آپ۔
☆ جو شخص اتنا سست ہو جائے کہ وہ سوچ بھی نہ سکے تو اسے شادی کر لینی چاہیے۔
☆ جب آپ اپنے سائے کو بھی نہ پہچان سکیں تو یقین کیجیے، آپ کو ڈائٹنگ کی ضرورت ہے۔
☆ گدھے اور زیبرے میں صرف ذوق لباس کا فرق ہے۔

فضہ بخاری، رحیم یار خاں

مہارت

کمیونزم اور جمہوریت میں بڑا فرق ہے کمیونزم میں کوئی بولتا نہیں اور جمہوریت میں کوئی سنتا نہیں، کہتے ہیں کہ تین سرجن ایک امریکی، ایک انگریز اور ایک روسی ائیرپورٹ پر اتفاقاً مل گئے انگریز نے کہا۔
"ہم نے ٹرانس پلانٹ کی فیلڈ میں بڑی ترقی کی ہے، ہم نا صرف دل بلکہ اب تو گردہ اور جگر بھی ٹرانس پلانٹ کر سکتے ہیں۔"
امریکی نے کہا۔
"ہم تو دماغ بدلنے میں لگے ہوئے ہیں۔"
روسی سرجن بولا۔
"ہم نے بھی ٹانسلز کے آپریشن میں بڑی ترقی کی ہے۔"
امریکی سرجن بولا۔
"یہ تو آسان آپریشن ہے۔"
روسی بولا۔
"آسان...... آسان آپ کے لئے ہوگا۔ ہمارے ملک میں تو منہ بند رکھتے ہوئے ٹانسلز کا آپریشن کرنا پڑتا ہے۔" (ڈاکٹر محمد یونس بٹ کی "خندہ پیش آنیاں" سے)

☆☆☆

صائمہ محمود

ماریہ عثمان: کی ڈائری سے ایک نظم
اے عشق ہمیں برباد نہ کر ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بیداد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
جس دن سے ملے ہیں دونوں کا سب چین گیا آرام گیا
چہروں سے بہار صبح گئی آنکھوں سے فروغ شام گیا۔
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا، ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا
غمگین نہ بنا ناشاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
وہ راز ہے یہ غم آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں آ جائے کوئی تو خیر نہیں
ظالم ہے یہ دنیا دل کو یہاں بھا جائے کوئی تو خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

ماروخ آصف: کی ڈائری سے غزل
اس دل کے جھروکے میں
اس دل کے جھروکے میں اک روپ کی رانی ہے
اس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے
ہم اہل محبت کی دشت کا وہ درماں ہے
ہم اہل محبت کو آزاد جوانی ہے
یاں چاند کے داغوں کو سینے میں بسانے ہیں
دنیا کہے دیوانہ یہ دنیا دیوانی ہے
اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت ہو
کیوں تم نے یہ غم دے کر پردیس کی ٹھانی ہے
سکھ لے کے چلے جانا دکھ دے کر چلے جانا
کیوں حسن کے ماتوں کی یہ ریت پرانی ہے
ہدیہ دل مفلس کا چھ شعر غزل کے ہیں
قیمت میں تو ہلکے ہیں انشا کی نشانی ہے

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک نظم
میرے نام سے پہلے
اب کے اس کی آنکھوں میں
بے سبب اداسی تھی
اب کے اس کے چہرے پر
دکھ تھا، بے حواسی تھی
اب کے یوں ملا مجھ سے
یوں غزل سنی جیسے
میں بھی ناشنا سا ہوں جیسے
وہ بھی اجنبی جیسے
زرد خال وخد اس کے
سوگوار دامن تھا
اب کے اس کے لہجے میں
کتنا کھردرا پن تھا
وہ کہ عمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم سخن جانا
دل سے آشنا لکھا

خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو دلربا لکھا
اب کے سادہ کاغذ پر
سرخ روشنائی سے
اس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے
صرف "بے وفا" لکھا

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک نظم

آبلہ

اداسی کے فق پر جب تمہاری یاد
کے جگنو چمکتے ہیں
تو ہر ایک روح پر رکھا ہوا یہ ہجر کا پتھر
چٹخ کر برف کی صورت پگھلتا ہے
اگرچہ یوں پگھلنے سے یہ پتھر سنگریزہ تو نہیں بنتا
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سرسبز تاریک شب میں بھی
اگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سرسبز تاریک شب میں بھی
اگر اک زرد رو، سہما ہوا تارا نکل آئے
تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ جاتا ہے
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل

یونہی بے سبب نہ پھرا کرو کوئی شام گھر میں رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو
کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو
ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا
تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو
مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں
جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو
کبھی حسن پردہ نشیں بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمیٔ شوق سے بڑی دیر تک نہ تکا کرو
یہ خزاں کی زرد سی شال میں جو اداس پیڑ کے پاس ہے
یہ تمہارے گھر کی بہار ہے اسے آنسوؤں سے ہرا کرو

زاہدہ اظہر: کی ڈائری سے کی ایک غزل

وہی قصے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی
ستم گر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کم بخت جوانی اپنی
روز ملتے ہیں دریچے میں لئے پھول مجھے
چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی
تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی
دشمنوں سے ہی غم دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ مانی اپنی
آج پھر چاند افق پر نہیں ابھرا محسن
آج پھر رات نہ گزرے گی سہانی اپنی

فضہ بخاری: کی ڈائری سے ایک غزل

غرور و ناز و نخوت چھوڑ کر انسان ہونا ہے
بہت دشوار ہوں اب تک مجھے آسان ہونا ہے
یہ دانائی تو گمراہی کی جانب کھینچ لیتی ہے
اسی سے دست کش ہو کر مجھے نادان ہونا ہے
بہت کچھ جان کر جانا کہ اب تک کچھ نہیں جانا
یہی جانا کہ بہتر جان کر انجان ہونا ہے
جو الجھی سوچ رکھتا ہو الجھنا اس سے بے معنی
مجھے سلجھی سی ایک تحریر کا عنوان ہونا ہے
کیسے فاصلے کردار و شخصیت میں ملتے ہیں
بکھر کر مر رہا ہوں میں سو اب یکجان ہونا ہے
یہ انسانوں نے اخلاقی بلندی ہی سے سیکھا ہے

نہیں احسان کرنا سر تا پا احسان ہوتا ہے
زمیں سے اس قدر اچھی نہیں وابستگی میری
عدم سے توڑ کر رشتہ مجھے امکان ہوتا ہے

ثمرہ شیرازی: کی ڈائری سے ایک نظم

بلاوا

چلو اس کوہ پر ہم بھی چڑھ جائیں
جہاں پر جا کے پھر کوئی واپس نہیں آتا
سنا ہے اک ندائے اجنبی بانہوں کو پھیلائے
جو آئے اس کا استقبال کرتی ہے
اسے تاریکیوں میں لے کر آخر ڈوب جاتی ہے
یہی وہ راستہ ہے جس جگہ سایہ نہیں جاتا
جہاں پر جا کے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
جو سچ پوچھو تو ہم تم زندگی بھر ہارتے آئے
ہمیشہ بے یقینی کے خطر سے کانپتے آئے
ہمیشہ خوف کے پیراہنوں نے اپنے پیکر ڈھانپتے آئے
ہمیشہ دوسروں کے سائے میں اک دوسرے کو چاہتے آئے
برا کیا ہے اگر اس کوہ کے دامن میں چھپ جائیں
جہاں پر جا کے پھر کوئی کبھی واپس نہیں آتا
کہاں تک اپنے بوسیدہ بدن محفوظ رکھیں گے
کسی کے ناخنوں ہی کا مقدر جاگ لینے دو
کہاں تک سانس کی ڈوری سے رشتے جھوٹ کے باندھیں
کسی کے پنجہ بے درد ہی سے ٹوٹ جانے دو
پھر اس کے بعد تو بس اک سکوت مستقل ہو گیا
نہ کوئی سرخرو ہو گا نہ کوئی منفعل ہو گا

درخشاں ضیاء: کی ڈائری سے ایک غزل

بچھڑنے کا کوئی ملال نہیں رہا
وہ گزرا وقت تھا اب کوئی خیال نہیں رہا
جلتے ارمان بولتے لہجے دیکھ کر
ان آنکھوں میں اب کوئی سوال نہیں رہا
لبیک کہہ اٹھیں سب رب کی بارگاہ میں
ایسی اذان دے وہ بلال نہیں رہا
آنکھیں جھک جائیں عزت و تکریم میں
حجاب و حیا کا اب وہ جمال نہیں رہا
اٹھتے کبھی ڈھول چناتے تھے دشمن کو
کی جھپٹ کا وہ انداز فی الحال نہیں رہا

سعدیہ عابد: کی ڈائری سے ایک غزل

جب بھی آسماں پر اترتا ہے بارشوں کا موسم
میرے دل میں در آتا ہے وحشتوں کا موسم
جب سے تم گئے نہ بھائے ساون نہ بھائیں بہاریں
ترستی ہوں میں تو اب خوشیوں کا موسم
وہ دن بھی خوب تھے جب تم سے مل کر مسکراتی تھی
اب نہیں آتا مجھے ہنسانے وہ یادوں کا موسم
تم سے ایک التجا ہے دیا ہے جہاں رہو خوش رہو
میرے لیے تو بنا ہے فقط ویرانیوں کا موسم

رابعہ انور: کی ڈائری سے ایک نظم

شکستہ جسم تھا میرا
میرے سینے میں گھاؤ تھا
بجز تنہائی الاؤ تھا
کسی کی ... میں سب کچھ لٹا کر
آ گیا تھا میں
کہاں پر آ گیا تھا میں؟
جہاں پہچان کا ...

نوشین عرفان: کی ڈائری سے ایک غزل

چپ چپ رہنا کچھ نہ کہنا یہ بھی اداسی ہے
ہجر کے صدمے سہنا یہ بھی اداسی ہے
بیٹھے بیٹھے کھو جانا دور خیالوں میں
چلتے چلتے رہنا یہ بھی اداسی ہے
دنیا کی بات سن کے ہنسنا یہ تو اس کی عادت ہے
غم کی بات نہ سنتے رہنا یہ بھی اداسی ہے
یار کے شہر گھر نہ گھر بیٹھ کے جھیل کنارے پر
کچھ لوگوں کو یہ کہنا یہ بھی اداسی ہے

☆☆

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟
ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔
س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟
ج: ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی، دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا، اب تم؟
س: ہر شوہر کو بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟
ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔
س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟
ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔
س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟
ج: لگیں تو کیا مطلب، ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔
س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔
س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟
ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

سدرہ منور ---- سرگودھا

س: السلام علیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟
ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔
س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟
ج: محفل والوں سے۔
س: کبھی غصہ آیا؟
ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔
س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟
ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔
س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟
ج: برا مان جاؤ گی پڑھ کر۔
س: کیا دوستی پیار ہے؟
ج: نہیں۔
س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔
س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں، دعا کریں گے؟
ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتحن کے لئے۔

رضا فاطمہ ---- ساد ہوکی

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: اللہ کا شکر ہے۔
س: میرے بغیر کیسا رہا؟
ج: سچ سچ بتائیں، برا تو نہیں مانوں گی۔
س: عین غین جی تو مائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔
س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟

ج: دیکھ تو رہا ہوں، میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

ریحانہ اقبال ---- پاکپتن شریف

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟

ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔

س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟

ج: جسے محبت ہو گئی ہو۔

س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟

ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔

س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟

ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔

س: محبت کیا ہے؟

ج: کیا تمہیں نہیں معلوم۔

س: روشنی کیا ہے؟

ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔

س: محبت میں کامیابی کا راز؟

ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔

س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جا کر۔

رافعہ نعیم ---- ملتان

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟

ج: تمہیں نیند آرہی ہے۔

س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟

ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔

س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟

ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔

س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟

ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟

ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔

س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟

ج: دل۔

س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟

ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔

س: زندگی کی اداس راہوں میں؟

ج: خوشیاں بکھیر دو۔

طیبہ ندیم ---- ساہیوال

س: آداب عین جی، تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟

ج: روز۔

س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی، اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے گڈ بائے اب میں کیا کروں؟

ج: راہ بدل لو۔

س: "گھٹیا" لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟

ج: لغت سے استفادہ کر لو۔

س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟

ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔

س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟

ج: نہیں۔

س: جب کوئی پیار سے بلائے گا تم کو؟

ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

بلقیس بھٹی

ایسی حالت

بیکر کا انگوٹھا زخمی ہو گیا، وہ اپنے ڈاکٹر کے پاس گیا تو ڈاکٹر نے انگوٹھے کو دیکھ کر کہا۔

''گھر جاؤ اور انگوٹھے کو دو تین گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں ڈبوئے رکھو۔''

گھر جا کر بیکر نے ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کیا، اسی اثنا میں اس کی بیوی آ گئی اور پوچھا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' شوہر نے کہا۔

''میرے انگوٹھے میں تھوڑی سی چوٹ آ گئی ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے، اگر میں دو تین گھنٹے تک اسے ٹھنڈے پانی میں رکھوں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیسا بے وقوف ڈاکٹر ہے؟'' بیوی نے کہا۔

''زخمی انگوٹھے کو ٹھیک کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اسے گرم پانی میں ڈبویا جائے۔''

بیوی کے کہنے پر بیکر نے دو تین گھنٹے تک انگوٹھے کو گرم پانی میں رکھا اور انگوٹھا واقعی ٹھیک ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد اس کی ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا۔

''میں نے تمہارے کہنے پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ بیوی کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے انگوٹھے کو گرم پانی میں ڈبویا تھا جس کی وجہ سے انگوٹھا ٹھیک ہو گیا۔''

''عجیب بات ہے۔'' ڈاکٹر نے حیرت سے کہا۔

''میری بیوی تو ایسی حالت میں ہمیشہ انگوٹھا ٹھنڈے پانی میں ڈبونے کو کہتی ہے۔''

نعیمہ بخاری، اٹک

ٹاس

مچھلی کے شوقیہ شکاری نے اتوار کی صبح دریا میں ڈور ڈالتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

''میں کوئی کام ٹاس کیے بغیر نہیں کرتا اس لئے کبھی ناکام نہیں ہوتا، آج صبح بھی ٹاس کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ مجھے شکار کو جانا چاہیے یا چرچ؟''

''اور تم جیت گئے ہو گے؟'' دوست نے حیرت سے پوچھا۔

''بڑا سخت مرحلہ تھا مجھے چھ مرتبہ سکہ اچھالنا پڑا پھر کہیں جا کر شکار کے حق میں فیصلہ ہوا۔''

ثمرین زاہرہ، خان پور

نشانہ باز

ایک ماہر نشانہ باز کے پاس ایک اخباری نمائندہ انٹرویو کرنے گیا کمرے میں بہت سی آنکھیں بنی ہوئی تھیں اور ہر آنکھ پر صحیح نشانہ لگا تھا اخباری نمائندے نے نشانوں سے متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔

''آخر آپ ایسا اچھا نشانہ کس طرح لگا لیتے ہیں؟''

''یہ کون سا مشکل کام ہے پہلے ہم نشانہ لگاتے ہیں اور پھر اس نشانے پر آنکھ بنا لیتے ہیں۔''

نمرہ سعید، اوکاڑہ

درخواست

سمیرا نے اپنی دوست کو بتایا۔
''مجھ سے ہزاروں مرتبہ درخواست کی جا چکی ہے کہ میں شادی کر لوں۔''
''کون کرتا ہے تم سے یہ درخواست؟'' سلمیٰ نے تجسس سے پوچھا۔
''میرے والدین۔'' سمیرا نے جواب دیا۔
طاہرہ رحمان، بہاول نگر

اصلاح

''میں اور میرے بہترین دوست ازمیر نے جب پڑھا کہ تمہارا سچا اور حقیقی دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیبوں سے آگاہ کرے، تو ہم اس پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔''
''اس سے تم دونوں کو اپنی اصلاح کرنے میں کافی مدد ملی ہوگی۔''
''میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ پچھلے پانچ سال سے ہماری بول چال بند ہے۔''
عمرانہ علی، حاصل پور

ناقدری

امیر گھرانوں میں عجیب عجیب نسل کے کتے پالنے کا رواج ہوتا ہے، ایک امیر خاتون کا لمبے لمبے بالوں والا چھوٹا سا گول مٹول کتا گم ہوگیا، جو انہیں جان سے زیادہ عزیز تھا، انہوں نے بہت تلاش کرایا، انعام بھی رکھا مگر کتا نہ ملا، آخر انہوں نے بھاری معاوضے پر ایک سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں، سراغ رساں کتے کو ڈھونڈ لایا، مگر اس کی حالت اچھی نہیں تھی، وہ گیلا تھا اور مٹی میں لتھڑا ہوا تھا۔
''یہ تمہیں کہاں ملا؟'' خاتون نے کتے کو سینے سے لگا کر روتے ہوئے پوچھا۔
''قریبی مارکیٹ سے۔'' سراغ رساں نے جواب دیا۔
''ایک بلڈنگ کے چوکیدار نے اسے لمبے ڈنڈے کے سرے پر باندھا ہوا تھا اور اس سے کھڑکیاں اور روشن دان صاف کر رہا تھا۔''
عظمیٰ جبیں، لیہ

فہرست

کسی بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا ہے کہ اس ملک کے بے وقوفوں کی فہرست تیار کی جائے۔
وزیر نے عرض کیا۔
''اگر جان کی امان ہو تو سب سے پہلے آپ کا نام ہونا چاہیے، کیونکہ آپ نے اسی ہفتے ایک غلام کو دو لاکھ دینار دے کر دوسرے شہر بھیجا ہے اگر وہ واپس نہ آیا تو......''
''اور اگر وہ خوش قسمتی سے واپس آجائے تو تم کیا کرو گے۔'' بادشاہ نے پوچھا۔
''تب میں آپ کا نام فہرست سے کاٹ کر اس کا نام لکھ دوں گا۔''
وردہ منیر، لاہور

رازداری

''ڈیڈی! میں آپ سے یہ بات کہہ تو رہا ہوں لیکن ممی کو بتایئے گا مت، میرا خیال ہے انہیں بچے پالنے نہیں آتے۔''
''تمہیں یہ خیال کیوں آیا بیٹا؟''
''آپ خود ہی دیکھیں نا، وہ اس وقت مجھے سونے کے لئے بھیج دیتی ہیں جب میں جاگ رہا ہوتا ہوں اور اس وقت مجھے جگا دیتی ہیں جب میں سو رہا ہوتا ہوں۔''

جواب

اردو کے پروفیسر سے اس کی محبوبہ نے دل لگی کرنے کے لئے اٹھلاتے ہوئے کہا۔
''میں تم جیسے کتابی کیڑے سے شادی تو دور

کی بات ہے، بات کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، نہ تمہارے دل میں کوئی امنگ ہے نہ ترنگ اس لئے میرے خطوط واپس کر دو۔"

پروفیسر نے جواباً کہا۔

"مجھے بھی تمہارے لکھے ہوئے خط رکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہاری اردو کی لکھائی بہت خراب ہے، تمہارا خط پڑھنے کے لئے اگر میں صبح بیٹھوں تو شام ہو جاتی ہے اور اللہ کی پناہ! تم ایک پیرے میں چھ سات غلطیاں کر لیتی ہو، تم بے فکر رہو، میں ابھی گھر جا کر تمہارے خطوط نما نقشے لے کر آتا ہوں۔"

دانیا سحر، ملتان

فرق

شادی کے ایک ہفتے بعد دولہا، دلہن ہنی مون کے لئے روانہ ہوئے راستے میں دلہن کو ٹھوکر لگی تو دولہا نے فوراً اس کو بانہوں سے تھام لیا اور بولا۔

"ڈارلنگ آرام سے۔" شادی کے دس سال بعد پھر ایک جگہ جاتے ہوئے دلہن کو ٹھوکر لگی تو دولہا نہایت غصے کے عالم میں بولا۔

"اندھی ہو گئی ہو دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔"

حیدر رضا، جھنگ

نمکین غزل

کاغذ گراں ہوا تو بڑا ہی غضب ہوا
اعمال ناموں والا فرشتہ طلب ہوا
اور بارگاہ غیب سے ارشاد رب ہوا
کاغذ کی اس کمی کا بتا کیا سبب ہوا
اس وقت جب زمین پہ اک قتل عام ہے
اعمال لکھے جانے کا کیا انتظام ہے
وہ بولا ہاتھ جوڑ کے اے صاحب کرم
کاغذ کے کارخانوں میں اب بن رہے ہیں بم
کاتب سے کہہ دیا ہے باریک ہو قلم
مضمون مختصر کرو بین السطور کم
ملحوظ رکھو رات دن اس انتظام کو
لکھو تو حاشیہ نہ ہو کاغذ میں نام کو

فاخرہ عبدالستار، کراچی

انتظار

ایک صاحب نے قسطوں پر ٹی وی لینے کے لئے ایک کمپنی کے دفتر میں درخواست فارم جمع کروایا، کمپنی نے ریکارڈ چیک کیا تو چلا کہ احسان صاحب کے ذمے پہلے بھی ایک ٹی وی کی چند قسطیں واجب الادا ہیں کمپنی کے منیجر نے احسان صاحب کو فون کیا۔

"جب تک آپ پہلے ٹی وی کی قسطیں نہیں دیں گے ہم آپ کو دوسرا ٹی وی نہیں دے سکتے۔"

"ٹھیک ہے، تو پھر آرڈر کینسل کر دیں میں اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتا۔" احسان صاحب نے ذرا خفگی سے کہا۔

عتیقہ منیر، سیالکوٹ

نمکین نظم

پانچ کلو رس گلے منگواؤ تو بات بنے
مجھے اکیلے کو کھلاؤ تو بات بنے
گھر کے آگے تو سب شیر ہوتے ہیں
میرے گھر بھی کبھی آؤ تو بات ہے
آج تم نے فقط چائے ہی منگوائی ہے
ساتھ میں سموسے منگواؤ تو بات بنے
لوڈ شیڈنگ میں اجالے کی یہی صورت ہے
فکر کی کوئی دیپ جلاؤ تو بات بنے
میری آنکھوں میں سما جاؤ یہ ممکن نہیں
یو پی ایس کی تمہیں توفیق نہیں ہو سکتی
چاندی ڈھونڈ کے لاؤ تو بات بنے

نوشین عرفان، جہلم

☆☆☆

حنا زبیر احمد ---- بہاولپور

ضبط کرتا ہوں تو ہر زخم لہو دیتا ہے
آہ کرتا ہوں تو اندیشہ رسوائی ہے
دیکھتا ہوں تو ہزاروں سے شناسائی ہے
سوچتا ہوں تو وہی غم وہی تنہائی ہے

....

پہاڑ اپنی جگہ ساکت کھڑا ہے
مگر یہ جبر بھی کتنا کڑا ہے
میں اس سے روٹھنا چاہوں بھی کیسے
کہ وہ میرے لئے مجھ سے لڑا ہے

....

کسی نے دی نہیں آواز مجھ کو
مگر پھر بھی یہاں رکنا پڑا ہے
بہت چاہا مگر کب مانگ پائی
کہ وہ میری دعاؤں سے بڑا ہے

سعدیہ عابد ---- نامعلوم

د: میرے پاس ایسا کوئی ہنر ہوتا
میں جانے والے کو واپس لا سکتا
مگر میں بے ہنر ہوں اس کے کمال ہنر کے آگے
موت ہی موت بچھی ہے زندگی کے آگے

ثمینہ شیخ ---- منڈی بچیانہ

تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں کوئی شام ادھار دو
مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے خدوخال
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو میرا سارا رنگ اتار دو

....

تیری یاد کو سینے سے لگا کر اتنا روئے
اگر خدا کو یاد کرتے تو ولی ہو جاتے

نعیمہ بخاری ---- اٹک

پھر کون بھلا داد تبسم انہیں دے گا
روئیں گی بہت مجھ سے بچھڑ کر تیری آنکھیں
میں سنگ صفت ایک ہی رستے میں کھڑا ہوں
شاید مجھے دیکھیں گی پلٹ کر تیری آنکھیں

....

کسی بھی بات پر اب بھیگتی نہیں آنکھیں
کہ اپنا حال بھی سوکھے چناب جیسا ہے
کسے سناؤں میں اس دل کی داستاں واثق
شب فراق کا ہر پل عذاب جیسا ہے

....

تھی جاں بہت عزیز مگر درد درد تھا
حد سے بڑھا جو درد تو جاں سے گزر گئے
تقدیر کا یہ حسن توازن بھی خوب ہے
بگڑے نصیب اپنے کسی کے سنور گئے

ثمرین زاہرہ ---- خان پور

پھولوں کے نشیمن میں رہا ہوں صدا سے
دیکھو کبھی خاروں سے میرا ذکر نہ کرنا
وہ میری کہانی کو غلط رنگ نہ دے دیں
افسانہ نگاروں سے میرا ذکر نہ کرنا

....

نرم لفظوں سے بھی لگ جاتی ہے چوٹیں اکثر
دوستی ایک بڑا نازک سا ہنر ہوتی ہے

....

دل میں نے کبھی جھانکا نہ مساکین کو دیکھا
تسبیح کے دانوں میں خدا ڈھونڈ رہے ہیں

یہ میرا حوصلہ ہے تیرے بغیر
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

کتنے ستم ظریف ہیں یاران خوش مذاق
آواز مر گئی تو مجھے ساز دے دیے

....

ہوئے جاتے ہیں کیوں غم خوار قاتل
نہ تھے اتنے بھی دل آزار قاتل
مسیحاؤں کو جب آواز دی ہے
پلٹ کر آ گئے ہر بار قاتل

....

ہر اک شہر کا ماحول ایک جیسا ہے
تو اس دیار میں کتنے مکان بدلے گا

طاہرہ رحمان ---- بہاول نگر

آخری بار ملاقات کی حسرت ہے مگر
تم سے کچھ اس کے سوا اب نہیں کہنا مجھ کو
مجھ کو جاتے ہوئے آواز نہ دینا ہر گز
دیکھنا اور فقط دیکھتے رہنا مجھ کو

....

کی تھی محبت میں نے سکون دل کے لئے
وہ سینے میں اٹکا رہا چبھن کی طرح
بڑھائے تھے میں نے قدم روشنی کے لئے
وہ جلاتا رہا مجھے بس اگن کی طرح

....

میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہو
میرا نقصان تو دیکھو محبت گم شدہ میری

عمرانہ علی ---- حاصل پور

ہمارے دل بہت زخمی ہیں لیکن
محبت سر اٹھا کر جی رہی ہے

....

اب تو تنہائی کا یہ عالم ہے فراز
کوئی ہنس کر بھی دیکھے تو محبت کا گماں ہوتا ہے

....

وہ جس کا ضبط تھا بلند پربتوں کی طرح
کسے خبر تھی روئے گا اک دن بادلوں کی طرح
جانے کیوں گریزاں ہیں مجھ سے احباب میرے
میں تو مخلص تھا ماں کی دعا کی طرح

عظمیٰ جبیں ---- لیہ

آنکھیں مصروف ہو جاتی ہیں بھلا دیتے ہیں لوگ
دور بہت دور نکلتے ہیں منزلیں گنوا دیتے ہیں لوگ
دست طلب اٹھا کے مانگتے ہیں محبت خدا سے
جو ہو دسترس میں تو خود ہی گنوا دیتے ہیں لوگ

....

جگر ہو جائے گا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی
وصی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملتا

....

کچھ اس لئے بھی میں اسے ضرور مناؤں گا محسن
کہ پھر سے روٹھنے والا بھلا نہ دے مجھے

وردہ منیر ---- لاہور

مشکل کہاں تھے ترک تعلق کے مرحلے
اے دل مگر سوال تیری زندگی کا تھا

....

تمہیں خبر ہی نہیں کہ کوئی ٹوٹ گیا ہے
محبتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے

....

نہیں آتی نیند بھی موت بھی چین بھی
نہیں آتا وہ بھی کچھ دنوں سے
ہلکا ہو گیا آج کھل کے رونے سے
بہت بوجھل تھا جی کچھ دنوں سے

رانیا سحر ---- ملتان

کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اداس کرتی نہیں
جس طرح تم گزارتے ہو فراز
زندگی تو اس طرح گزرتی نہیں

جانے کب طوفان بنے اور رستہ رستہ بچھ جائے
بند بنا کر سو مت، جانا دریا آخر دریا ہے

....

سر محفل نگاہیں جن لوگوں کی مجھ پہ پڑتی ہیں
نگاہوں کے حوالے سے وہ چہرے یاد رکھتا ہوں
ذرا سا ہٹ کر چلتا ہوں زمانے کی روایت سے
کہ جن پر بوجھ ڈالوں وہ کندھے یاد رکھتا ہوں

....

کسی سے کہوں اپنی تباہی کا ماجرا
جنگل ہرا بھرا تھا جسے آگ لگ گئی

شاہ حیدر ----- سرگودھا

ہے اگر مجھ کو خطر تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

....

پیڑوں میں شب کو بھرتی ہے جب سسکیاں ہوا
لیتی ہے دل میں یاد بھی انگڑائیاں بہت
ہم سے بچھڑ کے وہ بھی حقیقت میں خوش نہیں
کرتا ہے یوں تو انجمن آرائیاں بہت

....

برس رہا ہے مگر تشنگی نہیں بجھتی
میں ریگزار ہوں اور وہ گھٹاؤں جیسا ہے
ترے خیال سے بچ کر بتا کہاں جاؤں
یہاں سکوت بھی تیری صداؤں جیسا ہے

در ثمن ----- میاں چنوں

کچھ بھی اس ترک مراسم کا سبب ہو لیکن
سچ کہو تم بھی مجھے کھو کر پشیمان ہو نا؟
غم کے اظہار کو میں ایسا سمجھتا ہوں کمال
بزم میں جیسے کسی شخص کا عریاں ہونا

....

پھر دوستوں سے ترک مراسم کا کیا خیال

کیا سوچنا کہ اس نے پکارا نہیں ہمیں
کچھ دن کی بات ہے کہ اسے جانتے نہ تھے
آج اس سے بڑھ کے کوئی پیارا نہیں ہمیں

....

محبت بھی کرنی عداوت بھی رکھنی
عجب بندگی ہے عجب تشنگی ہے

آسیہ وحید ----- لاہور

جہالتوں کے جزیرے میں ہو گیا مدفون
میں آگہی کے سمندر میں ڈوبنے والا
میں سن رہا ہوں کسی شخص بے نوا کی صدا
یہ کون ہے مرے لہجے میں بولنے والا

....

تھا سبھی کے لئے مسیحا وہ
بس مرا درد ہی نہ سمجھا وہ
مجھ میں تو خود بڑے سمندر ہیں
تھا کوئی اور ہی جزیرہ وہ

....

وفا کے راہرو کو کیوں سدا برباد دیکھا ہے
کیا طوفان میں گھر کر کوئی آباد دیکھا ہے
سنو کیسے محبت پہ ہو ایمان پھر قائم
بتایا ایک پتھر کو بہت ناشاد دیکھا ہے

جویریہ ناصر ----- گلبرگ لاہور

کرتے ہیں سب ہجوم مصائب میں بندگی
یاد خدا بغیر ضرورت بھی چاہئے

....

تو جو بدلا بدل گئے ہم بھی
پیار کرتے تھے بندگی تو نہیں
وقت کٹ جائے گا بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

....

مرا وجود مری ذات کو کھٹکتا
میں آئینہ ہوں مگر جھوٹ بولنے

....

بارش سے کھیلتی رہیں پختہ عمارتیں
بجلی گری تو شہر کے کچے مکان پر

....

غم وہ سفاک ستم کا قطرہ ہے
جو رگوں میں اتر کے بس جائے
زندگی وہ اداس جوگن ہے
جس کو ساون میں سانپ ڈس جائے

حیدر رضا ---- جھنگ

اس کو کچھ تو بتا دیا ہے
ہم نے تھوڑا سا دھیان دے کر

....

خاک اڑتی ہے رات بھر مجھ میں
کون پھرتا ہے دربدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
وہ ہے موجود اس قدر مجھ میں

....

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
یہ الزام بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

فائزہ عبدالستار ---- کراچی

خلقت نہیں ہے ساتھ تو پھر بخت بھی نہیں
کچھ دن ہی رہے گا تو یہ تخت بھی نہیں
مایوس ہو کے دیکھ رہے ہیں خلا میں گھر
اتنی تو یہ زمین مگر سخت بھی نہیں

....

تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تیری یاد سے بھی
اے ہوا کیا ہے جو اب نظم چمن اور ہوا
صید سے بھی ہیں مراسم ترے صیاد سے بھی

....

میرے حق میں مخالف میں کبھی کچھ کہا تو ہو گا
مجھے چھوڑ جانے والا مجھے سوچتا تو ہو گا

یہ اداس اداس پھرنا یہ کسی سے بھی نہ ملنا
ہے یونہی نہیں یہ سب کچھ کوئی سانحہ تو ہو گا

عتیقہ منیر ---- سیالکوٹ

نہیں اس میں کوئی منطق ہے یقین کی بات ساری
کہ جہاں رکھا ہے پاؤں وہاں راستہ تو ہو گا
کوئی درمیاں نہیں تھا کوئی درمیاں نہیں ہے
تو پھر ایسی قربتوں میں کہیں رابطہ تو ہو گا

....

کہا نہ تھا اسے مت ضبط کرنا
وہ آنسو اب سمندر ہو گیا نا!

....

یہ دکھ نہیں ہے کہ وہ سمجھا نہیں مرے فن کو
مخالفت کا سلیقہ نہیں تھا دشمن کو
میں کس مقام سے بولوں میں کس سے بات کروں
کہ خواہشات کا کاسہ ملا ہے اس تن کو

تسنیم طاہر ---- جہلم

ہمیں ان موسموں کی کیا خبر ملتی اگر ہم بھی
گھٹن کے خوف سے آب و ہوا تبدیل کر لیتے
جدائی بھی نہ ہوتی زندگی بھی سہل ہو جاتی
جو ہم ایک دوسرے سے مسئلہ تبدیل کر لیتے

رابعہ انور ---- فیصل آباد

آہٹ پہ میرے پاؤں کی دھیرے سے چونک کر
دیکھا اس نے مجھے اس ادا سے
پھیلی ہے جسم و جان میں ایک عجیب سی خوشی
خوشبو سی کوئی اڑانے لگی ہے ہوا کے ساتھ

....

سر چھپانے کی جگہ مانگو تو سر مانگتے ہیں
رابطہ باہم کے لئے خون جگر مانگتے ہیں
بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

☆☆☆

کھٹا پلاؤ

اشیاء

چاول	ایک کلو
گوشت	ایک کلو
املی	۱۲۵ گرام
نمک	حسب ذائقہ
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لونگ	چار عدد
ثابت سیاہ مرچیں	ایک کھانے کا چمچہ
بڑی الائچی	دو عدد
دار چینی	ایک عدد
پیاز (درمیانے سائز کی)	دو عدد
ہری مرچیں	چھ عدد کٹی ہوئی
دودھ	آدھا کپ
زردے کا رنگ	تھوڑا سا
لیموں (رس نکال لیں)	دو عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب

چاولوں کو دھو کر بھگو دیں، املی کو بھی پانی میں بھگو دیجئے۔ پیاز کے باریک لچھے کاٹ لیں، ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر گولڈن براؤن کر لیں، اب اس میں زیرہ، لونگ، بڑی الائچی، سیاہ مرچیں اور دار چینی ڈال کر بھون لیں۔

اس کے بعد اس میں ادرک، لہسن پیسٹ اور نمک ڈال کر اچھی طرح بھونیں، اس کے بعد گوشت اور کٹی ہوئی ہری مرچیں ڈال کر بھونیں جب گوشت کا پانی سوکھ جائے تو دو کپ پانی ڈال کر ڈھکنا بند کر دیں اور پکنے دیں۔

جب پانی خشک ہو جائے اور گوشت گل جائے تو بھگوئی ہوئی املی میں سے بیج نکال کر تمام گودا اور پانی ہنڈیا میں ڈال کر پکنے دیں جب املی کا آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو آنچ ہلکی کر دیں۔

اب ایک دیگچی میں ایک تہ چاولوں کی لگائیں اور پھر اس کے اوپر سارا گوشت مصالحے سمیت ڈال دیں، اب آدھی پیالی دودھ میں تھوڑا سا زردے کا رنگ ملائیں اور اسے چاولوں کی اوپری تہ پر چھڑک دیں اور لیموں کا رس اس پر چھڑک کر دم پر رکھ دیں پندرہ بیس منٹ بعد لذیذ کھٹا پلاؤ گرم گرم سرو کریں۔

چنے کی دال مصالحہ

اشیاء

چنے کی دال	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ۔
کٹی لال مرچیں	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو چائے کا چمچہ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (چوپ کر لیں)	ایک عدد
تیل	آدھا کپ
پودینہ، ہری مرچیں	چوتھائی چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
پیاز (سلائس کاٹ لیں)	ایک عدد

ترکیب

دال کو صاف کر کے پانی میں ڈال کر تیس منٹ کے لئے بھگو دیں ایک پتیلی میں دال ڈال کر اس میں نمک، کٹی لال مرچیں، لہسن، ادرک پیسٹ، ثابت گرم مصالحہ، پیاز اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے دال کے گل جانے تک پکائیں، اس کے بعد اس میں پودینہ، ہری مرچیں اور گرم مصالحہ پاؤڈر ڈال دیں۔

فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر براؤن کریں اور دال پر اس کی بگھار لگا دیں مزے دار چنے کی دال مصالحہ تیار ہے۔

کڑاہی قیمہ انڈے والا

اشیاء

قیمہ (ہاتھ کا موٹا کٹا ہوا)	ایک کلو
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
انڈے (سخت ابلے ہوئے)	دو عدد
سرخ مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر	آدھا کلو
قصوری میتھی	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک (لمبائی میں کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا، ہری مرچیں	گارنشنگ کے لئے
تیل	ڈیڑھ کپ

ترکیب

سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں قیمہ ڈال کر بھونیں، براؤن ہو جانے پر اس میں نمک، کٹی ہوئی سرخ مرچ، ادرک، لہسن پیسٹ، ہلدی پاؤڈر، ادرک، ٹماٹر ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں۔

انڈوں کے کٹر سے ٹکڑے کر لیں قیمہ گل جائے تو اسے خوب اچھی طرح بھون کر اس میں قصوری میتھی ڈال کر دو منٹ تک بھونیں اب احتیاط سے انڈے مکس کر کے ڈش میں نکال کر ادرک، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر گرما گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

فرائیڈ کرسپی چکن

اشیاء

مرغی (درمیانے ٹکڑے کاٹ لیں)	ڈیڑھ کلو
انڈے	دو عدد
(نمک، مرچ ملا کر پھینٹ لیں)	
میدہ	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
پیپریکا	ایک چائے کا چمچہ
خشک ساج	آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
تیل	فرائنگ کرنے کیلئے
پارسلے یا واٹر کریس	گارنشنگ کے لئے
سرکہ	دو کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

مرغی کے گوشت کو دھو کر ایک پیالے میں ڈالیں اس میں نمک، سرخ مرچ، لہسن، ادرک پیسٹ، سرکہ، ہلدی پاؤڈر، ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کر کے دس سے پندرہ منٹ تک اک طرف رکھ دیں۔

اس کے بعد گوشت کو ایک چاول چھاننے والی چھنی میں ڈال کر بیس سے پچیس منٹ کے لئے رکھ دیں تا کہ گوشت کا سارا پانی نتھر جائے۔

ایک پلاسٹک بیگ میں سیاہ مرچ پاؤڈر، پیپریکا، خشک ساج ڈال کر مکس کریں گوشت کے ٹکڑوں کو ایک ایک کر کے اس تیار مکسچر میں کوٹ کر کے پہلے سے گرم تیل میں ڈال کر ڈیپ فرائی کریں اور گولڈن براؤن ہونے پر نکال کر کچن پیپر پر رکھ کر اضافی چکنائی جذب کر لیں، اسی

طرح ایک ایک کرکے گوشت کے تمام ٹکڑوں کو کوٹ کرتے ہوئے ڈیپ فرائی کرلیں، مزے دار فرائیڈ کرسپی تیار ہے، سرونگ پلیٹ میں رکھیں اور پارسلے یا واٹر کریس سے سجا کر سرو کریں۔

ہرے مصالحے کی بوٹی

اشیاء

گوشت (بوٹیاں بنالیں)	آدھا کلو
ہری مرچیں (پسی ہوئی)	دس عدد
پودینہ (پسا ہوا)	چوتھائی کپ
ہرا دھنیا	آدھا کپ
کوکونٹ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
کچا پپیتا (پیس لیں)	دو کھانے کے چمچے
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ	چوتھائی چائے کا چمچہ
کھانے کا رنگ	چند قطرے
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
تیل	تین کھانے کے چمچے

ترکیب

گوشت دھو کر خشک کرلیں، اب اس میں ہری مرچیں، پودینہ، ہرا دھنیا، کوکونٹ پاؤڈر، نمک، پپیتا، زیرہ، لہسن، ادرک پیسٹ، گرم مصالحہ پاؤڈر، سرکہ، کھانے کا ہرا رنگ، لیموں کا رس اور تیل لگا کر دو، تین گھنٹے کے لئے چھوڑ دیں، میرنیٹ کیے ہوئے گوشت کو سیخوں پر لگا کر باربی کیو کرلیں یا سوس پین میں ڈال کر پکالیں اور بھون کر کوئلے کا دھواں دے دیں، پراٹھے اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

اسپائسی چکن ڈرم اسٹک

اشیاء

چکن ڈرم اسٹک	آٹھ عدد
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	آدھا کپ
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
ثابت سیاہ مرچیں	دو کھانے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت

ترکیب

ڈرم اسٹک میں ادرک، لہسن پیسٹ، ہلدی پاؤڈر، سرخ مرچ پاؤڈر، نمک، سرکہ اور گرم مصالحہ پاؤڈر ملا کر تین گھنٹے کے لئے میرینیٹ کرکے اسے تیل میں ہلکی آنچ پر شیلو فرائی کرلیں۔

جب براؤن ہو جائے اور آدھی گل جائے تو اس میں لیموں کا رس اور ہرا دھنیا ڈال کر پکائیں آخر میں کٹی ہوئی سیاہ مرچیں ڈال کر دو سے تین منٹ پکائیں، کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

منٹس بٹ سیلڈ سوپ

اشیاء

قیمہ	ایک پیالی
یخنی	چھ کپ
سلاد کے پتے	ایک گٹھی
نمک	ایک چائے کا چمچہ
مکئی کا آٹا	آدھا چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

قیمہ میں مکئی کا آٹا، نمک اور سلاد کے پتے

اچھی طرح دھو کر ملائیں، یخنی کو ساس پین میں گرم کریں، جب یخنی ابلنے لگے تو قیمہ ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر پکائیں، گرم مصالحہ بھی شامل کر دیں، جب سوپ تیار ہو جائے تو اس میں سیاہ مرچ چھڑک کر پیش کریں، اگر آپ پسند کریں تو چلی ساس بھی ملا سکتے ہیں۔

مکھنی سبزیاں

اشیاء

بھٹے	۱۲۰ گرام
سفید لوبیا	۱۲۰ گرام
ہری پھلیاں	۱۲۰ گرام
مکھن	تین کھانے کے چمچے
نمک	حسب ضرورت
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
پارسلے (چوپ کرلیں)	حسب ضرورت

ترکیب

ایک سوس پین میں پانی ابال لیں اور اس میں بھٹے، لوبیا اور ہری پھلیاں ڈال کر ابال لیں، جب گل جائیں تو چھان کر خشک کر لیں۔

ایک سوس پین میں ہلکی آنچ پر مکھن پگھلا لیں اور اس میں ابلی ہوئی سبزیاں ڈال کر ہلکی آنچ پر کچھ دیر کے لئے پکائیں، اس کے بعد اس میں نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کر کے اچھی طرح مکس کریں، مزے دار مکھنی سبزیاں تیار ہیں، ایک سرونگ باؤل میں نکالیں اور پارسلے چھڑک کر سرو کریں۔

چٹ پٹی بھنڈی، چنے کی دال کے ساتھ

اشیاء

چنے کی دال	آدھا کپ
تیل	تین کھانے کے چمچے
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز (سلائس کرلیں)	دو عدد (درمیانی)
ادرک (کش کرلیں)	ایک چائے کا چمچہ
میتھی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن کے جوے	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
املی کا رس	تین کھانے کے چمچے
تازہ سرخ مرچ	دو عدد (سلائس)
بھنڈی (چوپ کرلیں)	ایک کپ
ٹماٹر (سلائس کرلیں)	ایک عدد

ترکیب

چنے کی دال دھو کر پانی میں ابال لیں، جب گل جائے تو چھان کر ایک طرف رکھ دیں، ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور اس میں کلونجی ڈال کر کڑکڑائیں، اس کے بعد اس میں پیاز ڈال کر سنہری ہو جانے تک تل لیں اور آنچ ہلکی کر کے اس میں میتھی پاؤڈر، لہسن، ادرک، سرخ مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر اور دھنیا پاؤڈر شامل کر لیں۔

بھنڈی کے ساتھ املی کا رس بھی کڑاہی میں ڈال دیں، اس کے بعد اس میں تازہ سرخ مرچیں ڈال کر بھنڈی کے گل جانے تک پکائیں، آخر میں دال اور ٹماٹر ڈال کر مزید تین منٹ کے لئے پکائیں اور گرم گرم پیش کریں۔

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

مئی کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ۔

کرۂ ارض کب وجود میں آیا، یہ زمین کتنی قدیم ہے اور انسانی زندگی کی ابتداء کب ہوئی اس کے بارے میں کوئی مستند تاریخ، انسان نہیں جان سکا، انسان ابتداء سے اب تک بتدریج ارتقاء کی طرف بڑھتا رہا ہے مادی وسائل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو انسان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تمام ترقی کے باوجود فکری اعتبار سے آج بھی انسان ابتدائی زمانہ سے مختلف نہیں ہے، انسانیت کی اعلا اور ارفع اقدار کہیں نظر نہیں آتیں، انتہائی ترقی یافتہ ممالک اپنا سرمایہ اور توانائیاں سائنس اور ٹیکنالوجی پر صرف کر کے انسانوں کو تباہ برباد کرنے کی صلاحیت حاصل کر رہے ہیں، وہ ایسی دنیا کے خواب دیکھ رہے ہیں جہاں صرف اور صرف ان کی حکمرانی ہو۔

موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اور طاقتور قوم وہی ہے جو معاشی لحاظ سے خود کفیل اور مضبوط ہو، وقت کا تقاضا ہے کہ ایک واضح لائحہ عمل ترتیب دیا جائے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے ٹھوس بنیادوں پر کام کیا جائے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔

آیئے چلتے ہیں آپ کے خطوط کی محفل میں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں درود پاک، استغفار اور تیسرے کلمے کا ورد کثرت سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

یہ پہلا خط افراح رحیم کا ملتان سے موصول ہوا ہے لکھتی ہیں۔

اپریل کا شمارہ ہلکے پھلکے سادہ سے انداز کے سٹائل سے سجا ملا، آنکھوں کو بھلا لگا، اشتہارات کو پھلانگتے ہوئے اداریہ میں پہنچے اور سردار صاحب کی باتیں سنیں پھر ان کی باتوں سے اتفاق کرتے آگے بڑھے اور حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے دل و دماغ کو روشن کیا، آگے بڑھے انشاء جی سے درجہ اول کے اشتہارات کی روداد سنی، "ایک دن حنا کے ساتھ" میں عمارہ امداد نے تفصیل سے اپنے شب و روز سے قارئین کو آگاہ کیا، نایاب جیلانی کو ڈھونڈتے پربت کے پار پہنچے، بہت خوب نایاب جی آپ کی تحریر بے حد شاندار ہے لفظ لفظ میں اسرار چھپے ہیں شدت سے چوتھی قسط کا انتظار ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناول کی اپریل کی قسط بے حد پسند آئی، سدرۃ المنتہیٰ کی اس تحریر کو پڑھتے ہوئے میں ہمیشہ اپنے اردگرد سے کٹ جاتی ہوں، اس تحریر کو پڑھ کر میں ہمیشہ یہ سوچتی ہوں کہ مصنفہ کا تخیل کتنا جاندار ہے، ہر جگہ، ہر سین پڑھنے والے کو سحر زدہ کر دیتا ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ چلے۔

مکمل ناول اور وہ بھی تین، واہ واہ خوش کر

دیا فوزیہ آپی آپ نے، سب سے پہلے یہ بتائیں کہ "وہ کبھی ملے، وہ کہیں ملیں" کی مصنفہ سحرش بانو نئی ہیں؟ اگر نئی ہیں تو باخدا ان کی تحریر میں بڑی جان ہے، بے حد شاندار تھا یہ ناول دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

"تو میٹھے گھاٹ کا پانی" ناول کو پڑھ کر ہی منہ میں مٹھاس آ گئی، فرحین اظفر کی تحریری بھی مزہ دے گی، فرح طاہر کا مکمل ناول "آبلہ پا" کوئی خاص متاثر نہ کر پایا، مصنفہ نے بلاوجہ میں طویل کر دیا تحریر کو، ناولٹ میں فرحت شوکت براجمان تھیں یہ کہتی ہوئی کہ "رہا جو تیرا ہو کر" فرحت شوکت نے ہمیشہ کی طرح اچھا لکھا بس فرحت سے ایک شکایت ہے کہ وہ بے حد مختصر قسط لکھتی ہیں، افسانوں میں ٹاپ کا افسانہ قرۃ العین خرم کا "بوڑھا شجر" تھا پڑھ کر بے اختیار آنکھیں بھیگ گئیں، بے شک والدین ہمارے لئے گھنے سایہ دار سائبان ہوتے ہیں ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ان سے بچھڑنے کے بعد ہوتا ہے، عائشہ خان کا افسانہ بھی موضوع کے اعتبار سے اچھا تھا، نوشین اقبال نے کیا لکھنا چاہا اور کیا لکھا کچھ سمجھ نہیں آیا، حنا اصغر اور فوزیہ احسان نے بھی بہتر لکھا۔

مستقل سلسلوں میں سب سے بہترین سلسلہ تو ہے "قیامت کے یہ نامے" یہ سلسلہ بے حد اچھا ہے، فوزیہ آپی نے قارئین کو محبتوں سے باندھ رکھا ہے، حنا کی ڈائری اور بیاض کا انتخاب ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بہترین تھا۔

افراح اس محفل میں خوش آمدید آپ کی رائے ہمارے لئے بے حد اہمیت رکھتی ہے آپ نے کیسے سوچا کہ ہم اس کو نظر انداز کریں گے، اپریل کے شمارے کے لئے پسندیدگی کا شکریہ، سحرش بانو پہلے خالدہ نثار کے نام سے لکھتی تھیں، ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں اور رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

رافعہ جاوید: منڈی بہاؤں دین سے لکھتی ہیں۔

اپریل کا شمارہ سات کو ملا، ٹائٹل کوئی خاص اچھا نہیں لگا، ہمیشہ کی طرح سردار محمود صاحب کی محفل سے ہوتے ہوئے اسلامیات والے حصے میں پہنچے، انشاء جی بھی بیچارے ہماری طرح اشتہارات سے عاجز نظر آئے، جلدی سے مکمل ناول کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے "میٹھے گھاٹ کا پانی" پیا، فرحین اظفر آپ نے بہت خوبصورت تحریر اپنے قارئین کو پڑھنے کو دی جس کے لئے آپ مبارکباد کی مستحق ہیں، سحرش بانو کا ناول "وہ کبھی ملے، وہ کہیں ملیں" کا ٹائٹل ہی اتنا مزے کا تھا کہ اس کو نظر انداز نہ کر پائے ورنہ ہماری عادت ہے کہ طویل تحریر میں کسی نئے نام کو آخر میں ہی پڑھتے ہیں، لیکن سحرش کی اس تحریر میں ہم ایسا کھوئے کہ باقی آئندہ پر جا کر ہی ہوش آیا، واہ سحرش جی کمال کا لکھا آپ نے، اس سے پہلے حنا میں آپ کا نام کبھی نہیں دیکھا، فرح طاہر کا مکمل ناول بھی اچھا تھا، فرحت شوکت نے بھی اپنی تحریر کے ساتھ انصاف کیا، جبکہ افسانوں میں سب سے اچھا افسانہ "بوڑھا شجر تھا" حقیقت سے قریب ترین تحریر تھی مصنفہ کی۔

سلسلے وار ناول دونوں ہی بہترین تھے، خصوصاً سدرۃ المنتہیٰ کا انداز بے حد دلچسپ ہے، مستقل سلسلے بھی اپنی مثال آپ تھے، فوزیہ آپی مجھے آپ سے پوچھنا ہے کہ حنا میں لکھنے والے کچھ نام عرصے سے غائب کیوں؟ ان میں طیبہ ہاشمی، مناہل بٹ، راحیلہ سمیع، کنول ریاض، زرنین آرزو وغیرہ پلیز ضرور بتایئے گا۔

رافعہ جاوید اپریل کے شمارے کے لئے پسندیدگی کا شکریہ، سحرش کے سلسلے میں ہم اوپر بتا

چکے ہیں جن مصنفین کا آپ نے ذکر کیا یہ سب کہیں نہیں گے یہی ہیں بس اپنے اپنے شب و روز میں مصروف ہو گئیں ہیں، لیکن ان کو جب بھی موقع ملتا ہے وہ حنا کے لئے تحریر لکھ بھیجتی ہیں، انشاء اللہ آپ کو یہ حنا میں نظر آتی رہیں گی، اپنی رائے بھیجتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

اور یہ ہماری بے حد اچھی سی پیاری سی مصنفہ قرۃ العین رائے: جو شیخوپورہ سے تشریف لائی ہیں قرۃ العین لکھتی ہیں۔

آپ سب کا بہت بہت شکریہ کہ آپ کو میرا ناول پسند آیا، بس آپ کی تنقید و تعریف ہم رائٹرز کے لئے آکسیجن کا کام سر انجام دیتی ہے اور ہمارے اندر لکھتے رہنے کی تحریک کو زندہ رکھتی ہے، بائینڈنگ کی غلطی کی جانب سب نے متوجہ کیا خواہش ہے کہ آئندہ ایسا نہ ہو کسی بھی تحریر کے ساتھ توسین افراح اور عابی ناز بہت شکریہ آپ کی پذیرائی کا، عابی ڈیئر بہت اچھا لگا آپ کا مجھے یوں اپنائیت سے عینی کہنا۔

عمارہ جی آپ کو ایک دن حنا کے ساتھ دیکھ کر اچھا لگا اور لطف آیا اور اس بات نے مجھے جی بھر کر خوش کر دیا کہ آپ بھی دو نمبر الارم لگاتی ہیں واقعی صبح سونے کا اپنا ہی مزہ ہے میں خود نائٹ پرسن ہوں تو اریلی رائزر رہنا عذاب لگتا ہے لیکن میں اپنی اس عادت پر قابو رکھنے کی کوشش کرتی ہوں پر جب موقع ملے اس کا لطف لینا نہیں بھولتی۔

قرۃ آپ کا افسانہ ''بوڑھا شجر'' اچھا لگا، سچ ہے سونیا ڈیئر ذرا سی بھول آپ کی ساری زندگی کی نیک کمائی کو خسارہ بنا ڈالتی ہے اور بڑی سے بڑی بھول کو معاف کرنے کا ظرف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے، ابھی میں نے ناول نہیں پڑھے تسلی اور آرام سے پڑھوں گی تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔

اور آخر میں فوزیہ جی پلیز خطوط کے صفحات بڑھا دیں ایک دو تبصروں سے جی نہیں بھرتا مان لے فوزیہ جی آپ تو ہم رائٹرز کو اتنا مان دیتی ہیں یہ بات نہیں بس مانتی نہ جانے کیوں۔

قرۃ العین رائے، خوش رہیں ہمیشہ، اپریل کے شمارے کے لئے پسندیدگی کا شکریہ اگر آپ ناول بھی پڑھ لیتی تو رائے کا مزہ دوبالا ہو جاتا، آپ کی فرمائش خطوط کی محفل کے صفحات بڑھائیں، ہائے رے مجبوری، ڈیئر کیا بتائیں اور کہاں تک بتائیں، ہم تو بڑھانا چاہتے ہیں مگر وہی صفحات کی کمی کا مسئلہ، ورنہ ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ سب کہیں اور ہم نہ مانیں، انشاء اللہ جلد کوئی حل نکالتے ہیں، اس محفل میں آتی رہا کریں آپ کی آمد سخت دھوپ میں ٹھنڈا ہوا کا جھونکا محسوس ہوتی ہے، آپ کی محبتوں کے لئے ایک بار پھر شکریہ۔

ثمینہ شیخ: فیصل آباد سے کافی عرصے بعد اس محفل میں تشریف لائی ہیں، ثمینہ لکھتی ہیں۔

اس بار ٹائٹل میں نیا پن تھا لسٹ کے بعد کچھ باتیں ہماریاں کو پڑھا جو کہا انکل نے، غیر اعلانیہ طویل لوڈشیڈنگ خون کھولاتی رہتی ہے سب سے پہلے سدرۃ المنتہیٰ کو پڑھا ہر کردار لاجواب ناول کا تھیم کمال کا ہے، جہاں خود کو پیش منظر میں رکھ کر حقوق العباد کی فکر کی جاتی ہے جہاں مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے بہت سارے لوگ نکل آتے ہیں مگر امرت کی طرح خود دیوار نہیں بنا سکتے جہاں انسانیت کا سبق پڑھایا جاتا ہے جس کا ہر کردار خاص ہے یقیناً یہ ایک لازوال تحریر ہوگی، نایاب جیلانی کو پربتوں کے پار سے ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود کھو گئے انہوں نے ناول میں منظر نگاری کا استعمال بڑے سلیقے سے کیا ہے

دلکشی ہر لفظ سے عیاں پڑتی ہے، کبھی کبھی لگتا ہے کوئی سفر نامہ پڑھ رہے ہیں کہانی کا تعلق جس ماحول اور معاشرے کے جس طبقے سے ہے اس کے پس منظر کو بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے، ایسے احساس علاقے اور حساس موضوع پر قلم اٹھانا بڑی ہمت کا کام ہے، حنا اصغر کا افسانہ خوبصورت مکالموں کے ساتھ انفرادیت لئے ہوئے تھا فرحت شوکت کا ناولٹ بلاشبہ بہترین تحریر ہے کہانی کو خوبصورتی سے آگے بڑھایا جا رہا ہے، سحرش بانو، فرحین اظفر اور فرح طاہر تینوں مکمل ناول ادبی اہمیت کے حامل معیاری ناول تھے۔

سباس گل کی غزل اور رمشہ احمد کی نظم بہت خوبصورت تھیں، راز علی کی مزاحیہ غزل نے مسکرانے پر مجبور کر دیا مجموعی طور پر حنا کا شمارہ بہت دلچسپ تھا، اللہ تعالیٰ آپ سب کو کامیابیاں وکامرانیاں نصیب کرے آمین۔

ثمینہ شیخ کیسی ہیں آپ اور کہاں ہیں؟ کافی عرصہ سے آپ نے کوئی تحریر نہیں بھیجی، ایسی بھی کیا مصروفیت، جلدی سے کوئی اچھی سی تحریر لکھ کر بھیجو ہم منتظر ہیں، اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، ہمیشہ کی طرح آپ کی رائے میں بھی مصنفہ کا رنگ چھلکتا نظر آیا، آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہے گا شکریہ۔

درخشاں ضیاء: کراچی سے آئیں ہے وہ لکھتی ہیں۔

اپریل کا شمارہ مل گیا ہے، ابھی مکمل نہیں پڑھا، خط لکھ رہی ہوں تا کہ اپریل کے شمارے میں لگ سکے، میں حنا کافی وقت سے پڑھ رہی ہوں، بس کبھی ہمت نہیں ہوئی کہ اپنی آراء کے ساتھ حاضر ہوں، حنا کی قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ نئے لکھنے والوں کو بھی موقع دیتا ہے، اگر آپ پہلا موقع نہیں دو گے تو کیسے ایک نیا رائٹر اپنے قلم کو مزید رواں کرے گا، میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں کہ آپ لوگوں نے ہم جیسے نئے لکھنے والوں کو ایک پلیٹ فارم فراہم کیا ہے میں اپنی ایک کہانی اور غزل بھیج رہی ہوں، اس امید کے ساتھ کہ حوصلہ افزائی کی جائے گی، اپنا نمبر میں لکھ رہی ہوں تا کہ آپ مجھ سے رابطہ کر سکیں۔

میں اپنا تعارف کروا دوں میں پچھلے بارہ سال سے شاعری کر رہی ہوں، بچوں کے لئے میں نے کہانیاں اور نظمیں بہت لکھی ہیں، باقی سچ کہوں تو ڈائجسٹ میں صرف غزلیں چھپی ہیں اس کے علاوہ کسی نے موقع نہیں دیا، بس آج کل قلم رواں کر رکھا ہے، تپتی دوپہروں میں کہانیاں لکھ لکھ کر اپنے پاس ہی جمع کر رہی ہوں، اس امید کے ساتھ کہ کبھی تو موقع ملے گا اور اگر موقع نہ بھی ملا تب بھی میرا قیمتی اثاثہ میرا کاغذ قلم ہی ہے، لوگوں کے لئے یہ کالے صفحے ہیں لیکن میرے لئے یہ ایک احساس ہے جو میں تحریر کرتی ہوں، ابھی مکمل رسالہ نہیں پڑھا، انشاء اللہ آئندہ ماہ تفصیلی تبصرہ کے ساتھ حاضر ہوں گی، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک حنا کو خوب کامیابی عطا فرمائے۔

درخشاں ضیاء خوش آمدید آپ کا نام بہت پیارا ہے، درخشاں بھی اور ضیاء بھی واہ آپ کی تحریر مل گئی ہے ابھی پڑھی نہیں گئی، قابل اشاعت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور شائع ہو گی، حنا کے لئے آپ کی پسندیدگی کا بہت شکریہ۔

☆☆☆